اے مژگانِ محبت

نازیہ کنول نازی

نام کتاب	....	اے مژگانِ محبت
مصنف	....	نازیہ کنول نازی
سن اشاعت	....	اکتوبر 2007ء
قیمت	....	-/170 روپے

انتساب!

پیارے بھائی

ملک نوید حسن

اور

محبت کے خوبصورت احساس کے نام!

اظہارِ رائے

نازیہ کنول نازی شاعری اور نثر کی جھیل میں کھلتا وہ شفاف کنول ہے جو بہت سی میلی اور حاسدانہ نگاہوں کی زد میں رہتے ہوئے بھی پوری شان سے لہلہا رہا ہے۔ نازیہ کنول نازی کبھی درد کی شاعرہ محسوس ہوتی ہے تو کبھی پیار کی ساحرہ، وہ درد کی سیاہی سے محبت کی داستانیں رقم کرتی، دلوں کو تسخیر کرتی دکھائی دیتی ہے۔ نوعمر کلیوں کو وہ کوئی فیری لگتی ہے جو اپنی جادو کی چھڑی گھماتی ہے اور وہ سب کے دلوں میں گھر بناتی جاتی ہے۔ کسی کو وہ محبت سے اس کشید کرنے والی دوشیزہ محسوس ہوتی ہے۔ میری نازیہ کنول نازی سے ان کی تحریروں کے حوالے سے دوستی ان کے خوبصورت ناول "اے مژگان محبت" نے کرائی تھی۔ آنچل ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے اس ناول کے لیے قارئین کے دھڑا دھڑ تعریفی خطوط جو گاہے بگاہے شائع ہوتے رہے۔ پڑھ کر میرا دل بھی چاہا کہ میں "مژگان محبت" کی خالق اس لڑکی سے رابطہ ضرور کروں۔ 9 مارچ 2006ء کی کچھ سرد کچھ گرم آب و ہوا میں پہلی بار ہماری ٹیلی فون پر بات ہوئی کچھ مہربانوں کی غلط فہمی نے مجھے نازیہ کنول نازی سے بات کرنے پر اکسایا اور جب یہ غلط فہمی دور ہوئی تو نازیہ سے دوسری بار گفتگو میں ہمارے درمیان خاصی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی۔ نازیہ کنول نازی نے جہاں شاعری کے میدان خارِ زار میں اپنے لفظوں کے لالہ وار سجائے ہیں وہیں اس نے ناول نگاری میں بھی اپنے حساس، ذہن و دل سے بہت سی دلِ فگار، اشکبار اور بے حد پیار بھری کہانیاں رقم کی ہیں۔

اے مژگان محبت:

نازیہ کنول نازی کا وہ شہکار ناول ہے۔ جس نے مجھ سمیت بہت سی قاری ولکھاری لڑکیوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ ذرنیلا، ارش اور سنوان کی خوبصورت تکون کہانی کے اختتام تک پڑھنے والے کو اپنے سحر میں جکڑے رہتی ہے۔ آنسو، درد اور آہوں سے مزین یہ ایسا مرقع ہے جو ابتداء میں خاص دل چسپ محسوس نہیں ہوتا۔ مگر جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں دل نازی کے لفظوں کی گرفت میں جکڑتا محسوس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ رسائی اور نارسائی کے درد سے

بوجھل، ملن اور جدائی کے احساس سے جل تھل ہوتے نین بین اور چین کے مابین سلگتے جذبوں سے گھائل ہوتی روحوں کا نوحہ ہے تو حاصل کا طرب اور لاحاصل کا کرب بھی ہے۔ اس ناول میں محبت آنسوؤں کے بیچ پروان چڑھتی ہے۔ کبھی پل پل رلاتی ہے تو کبھی کھل کر مسرور کرتی ہے۔ مقدر کا لکھا کچھ اس طرح تعبیر ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور وفا انعام پاتی ہے۔

''اے مژگان محبت'' میں غصے، انا، نفرت اور انتقام کو انوکھی محبت اور چاہت کے جنون خیز جذبوں میں ڈھالنے کا قصہ نازیہ کنول نازی نے صفحہ قرطاس پر ہی نہیں اپنے قاری کے دل پر بھی خود رقم کیا ہے مجھے پوری امید ہے کہ ''اے مژگان محبت'' پڑھنے کے بعد قارئین نازیہ کنول نازی کی مزید تخلیقات کو بھی کتابی شکل میں ضرور پڑھنا اور دیکھنا پسند کریں گے اور یقیناً اس ناول کو پڑھنے کے بعد نازیہ کے چاہنے والوں اور قدردانوں میں گراں قدر اضافہ ہوگا یہ ناول نثر نگاری کے میدان میں نازیہ کی پہچان ہے۔ کبھی کبھی نازیہ کی کہانیاں پڑھتے ہوئے میں سوچنے لگتی ہوں کہ یہ کنول سی لڑکی محبت کے بیچ، درد وغم، آنسو اور آہیں کیوں کشید کرنے لگتی ہیں۔ شاید یہ جانتی ہے کہ ہر محبت آنسوؤں اور ہجر کا خراج مانگتی ہے۔ اس کے جذبوں میں جو شدت اور حدت ہے وہی اس کہانی کی ندرت ہے اور اس کہانی کا آغاز و انجام ایک ریاضت ہے اور یہ ریاضت صرف اور صرف محبت ہے بے شک جن سے محبت ہو۔ ان کا ہجر بھی سرور انگیز محسوس ہوتا ہے۔ یہ سرور ستوان آفندی نے بہت دل لگی سے کڑے انتظار کے بعد حاصل کیا ہے۔

میری دعا ہے کہ نازی کے ادبی سفر میں یہ پہلا قدم جو اس نے ''اے مژگان محبت'' کی صورت میں اٹھایا یہ مزید قارئین کے دلوں میں اپنا مقام بنائے اور اس کی شہرت و مقبولیت میں مزید اضافے کا باعث بنے۔ نازی اس ناول کے ذریعے اپنے قارئین کی ''مژگان محبت'' میں جگہ پائے اور اس کتاب کو وہ مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہو کہ نازیہ کنول نازی کے مژگان پہ محبت، عاجزی اور تشکر و انبساط کے موتی پرو دے۔ (آمین)

سباس گل (رائٹر)

♥......♥......♥

پیش لفظ

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، مرے ہونے کی گواہی دیں گے

فسٹ آف آل تمام تعریفیں اللہ رب العزت کی پاک و بے نیاز ذات کے نام کہ اس بزرگ برتر نے، میرے معلوم خوابوں کو حقیقت کا روپ دیکر تعبیر بخشی اور مجھے آپ سے اپنی کتاب کے ان صفحات پر ملاقات کرنے کا موقع نصیب فرمایا۔ بے شک اس قادر مطلق کی رحمتیں و برکتیں، میری حیات کے ہر موڑ پر، میرے لیے سایہ فگن رہی ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے تقریباً دس گیارہ سال قبل جب میں جماعت سوئم یا شاید چہارم کی طالبہ تھی، تو لکھنے پڑھنے کی بے حد مشتاق تھی۔ بھری گرمیوں کی دوپہر میں، جب لوگ میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہوتے تھے، میں پہروں اپنے گھر کی چھت پر اکیلی بیٹھی، دنیا و جہان سے بے نیاز، جانے کیا کیا لکھ کر مختلف جرائد کو ارسال کرتی رہتی تھی۔ مگر افسوس کہ ذہنی شعور نہ ہونے کی وجہ سے کئی سال تک میری کوئی تحریر کسی پرچے کی زینت نہ بن سکی۔ ان دنوں بہت سے خواب و حسرتیں میری روح میں بیدار ہوتی تھیں اور دم توڑ دیتی تھیں۔

کوئی رہنما تھا نہ ہمت کے چھو والا مہربان، لہٰذا مسلسل مایوسی نے میرے اندر کے شوق کو جنون کی شکل دے دی اور میں نے جیسے خود سے عہد کر لیا کہ ادب کی اس نگری میں پہچان بنائے بغیر نہیں مرنا۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ آپ ادب کی طرف کیسے آئیں تو میں فوراً سے پیشتر جواب دوں گی کہ:

''کہ میں گمنامی کی موت مر کر اپنی تخلیق، اپنی زندگی کو بیکار کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میری تمنا تھی کہ میں دنیا سے جاؤں تو اربوں نہ سہی، سینکڑوں لوگ تو ضرور روئیں اور یہ کہیں کہ ہاں واقعی کوئی دنیا میں آیا تھا اور چلا گیا''

یہی سوچ، یہی تمنا، مجھے ادب کی اس نگری کی طرف لائی، جہاں میں اپنی خدا داد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی معصوم حسرتوں کو تکمیل دے سکتی تھی۔ بچپن میں ہی دیگر عام لڑکیوں کی طرح گڈے گڑیا سے کھیلنے کی بجائے، میرا میلان کاغذ اور قلم کی طرف زیادہ تھا۔

ابتداء میں بہت ڈری سہمی لڑکی تھی۔ کچھ گھر کا ماحول ایسا تھا کہ ہمہ وقت روح انجانے سے خوف کے حصار میں مقید رہتی تھی۔ ایسے میں زیادہ وقت یا تو میں گھر سے باہر اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول رہتی یا پھر کاغذ اور قلم کے ساتھ۔ الحمد اللہ میں نے بچپن میں بھی کبھی اپنے والدین کو زیادہ تنگ نہیں کیا، نہ ہی ان کی مار کھائی میری معصومیت کی وجہ سے میری ماما جی اور میری

آپی کا مجھ سے پیار مثالی تھا۔ تاہم میرے اندر رچے انجانے سے خوف کو دور کرنے میں، میری بے حد پیاری اور محسن ٹیچر ''مس ثریا مختیار'' نے مثالی کردار ادا کیا۔

اگر میں کہوں کہ اس پیاری ہستی کی بے پناہ محبتوں اور ہمت افزائی نے میرے اندر چھپی صلاحیتوں کو ابھارنے میں بڑا کردار ادا کیا تو ہرگز بے جا نہ ہوگا۔

انہی کا پیار اور اعتماد تھا کہ سوئم سے لے کر گریجویشن تک یہ لڑکی تعلیمی میدان میں، کسی رہنما کے بغیر بھی کامیابی کے ہر ریکارڈ کو توڑتی چلی گئی۔ اسی پیاری ہستی نے مجھے خود اعتمادی سے جینے کا ایسا درس دیا کہ پھر زندگی کی کوئی مشکل اور ناکامی، میرے حوصلے کی دیواریں ڈھا نہ سکی۔ اور میں آنے والے وقت میں اپنے والدین اساتذہ اور سہیلیوں کی ہر دل عزیز محبوب ہستی بنتی گئی۔

میرا بچپن بے حد شاندار گزار، میری پچیس سالہ زندگی میں یہی دور سنہری رہا جس سے میری کروڑوں یادیں اور خوشیوں کے لمحات وابستہ ہیں۔

ادب کی نگری سے وابستگی کا شوق مجھے وراثت میں ملا۔

میرے ابو جی اپنے وقت کے ہر دل عزیز اور منجھے ہوئے شاعر مانے گئے۔ فیلڈ مارشل یحیٰی خان کے دور میں انہوں نے ایسی ایسی انقلابی نظمیں و غزلیں لکھیں کہ شعر کے چوراہوں پر، سینکڑوں سننے والے افراد ان کے نام کی مالا جپتے نہ تھکتے تھے۔ آج بھی ان کی زبانی آن کی کچھ سیاسی نظمیں سنتی ہوں تو اپنا کلام مذاق لگتا ہے۔ گھر کی کڑی آزمائشوں اور ذمہ داریوں نے، انہیں میڈیا کے سامنے آنے کا موقع نہیں دیا، تاہم اپنی ذہانت، شعر کہنے کے حقیقی فن اور فطری صلاحیتوں کے بل بوتے پر آج بھی لوگ ان کی انقلابی شاعری کو فراموش نہیں کر پائے۔

میں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز روز نامہ جنگ اور روز نامہ خبریں کے پلیٹ فارم سے کیا۔ ابتداء میں بچوں کے لیے کئی ناول لکھنے کے ساتھ، مختلف ہفتہ وار میگزینز میں چھوٹے چھوٹے افسانے لکھے بعد ازاں رسائل کی دنیا سے آشنائی ہوئی۔ سب سے پہلا افسانہ جو میں نے بارہ تیرہ سال کی عمر میں پڑھا اور جسے پڑھ کر میرے اندر بھی افسانے لکھنے کا شق پیدا ہوا وہ افسانہ ''او چندہ تیری چاندنی'' تھا جس سے میں سالوں بے حد متاثر رہی تھی۔

رسائل کی دنیا میں جس ڈائجسٹ نے مجھے موجودہ پہچان عطا کی تھی، وہ دور حاضر کا مقبول عام اور ہر دل عزیز پرچہ ماہنامہ آنچل تھا۔ جس سے میری وابستگی پہلے 98ء اور پھر دو سال کے گیپ کے بعد 2000ء میں ہوئی۔ اس وقت میں کچھ معاشرتی رویوں کو دیکھ کر بہت دل گرفتہ تھی، تاہم آنچل کی ہر دل عزیز، کہنہ مشق مدیرہ، پیاری فرحت آراء آپی نے نہ صرف محبت سے میرا ہاتھ تھام کر، مجھے ادب کی اس نگری میں خوش آمدید کہا، بلکہ ہر تحریر کو بھرپور اہمیت سے شائع فرما کر، مجھے اس نگری میں اپنی پہچان بنانے کا سنہری موقع بھی عطا کیا۔

اللہ رب العزت کی پاک ذات کے کرم اور والدین کی محبتوں کے بعد اسی پیاری ہستی

نے ایک عام سی لڑکی کو، وہ مقام عطا کیا جہاں پہنچ کر لاتعداد لوگوں کی محبتیں دعائیں میرے نصیب کا حصہ بنیں۔ میری کچھ ساتھی رائیٹرز نے فطری حسد کا شکار ہو کر، آنچل میں میری اہمیت و مقبولیت کو کم کرنے کی کوششیں بھی کیں، مگر الحمد اللہ، اس پیاری ہستی نے، کسی شکایت، کسی سازش پر کان نہ دھرتے ہوئے، ہمیشہ اپنی انفرادی محبتوں کا سایہ میرے سر پر رکھا اور آگے ہی آگے بڑھتے رہنے میں معاونت کرتی رہیں۔

فرحت آراء آپی سے میرا تعلق ایک ایڈیٹر اور رائیٹر کا ہی نہیں ہے۔ بلکہ میں انہیں اپنی روحانی مسیحا بھی مانتی ہوں۔ یہ وہ ہستی ہے جو کبھی مجھے رنجیدہ نہیں ہونے دیتی۔ کبھی رات کی تنہائیوں کا شکار نہیں ہونے دیتیں۔

میری ہر فرمائش و خوشی کو فوراً ایسے ہی پوری کرتی ہیں، جیسے کوئی ماں اپنے بچے کی خوشی و فرمائش کو پورا کرتی ہے۔ فرحت آپی، زندگی کی آخری سانس تک میں آپ کی بے لوث محبتوں کی قرض دار رہونگی، اللہ رب العزت آپ کو بھی عمر اور صحت و تندرستی کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

فرحت آپی کے علاوہ، مزید جن شخصیات نے ادبی دنیا میں میری بے حد حوصلہ افزائی فرمائی، ان میں سر فہرست ماہنامہ نازنین ڈائجسٹ کی، نقرئی ہنسی والی پیاری مدیرہ شمع زیدی او رکرن ڈائجسٹ کی بے حد کو آپ ریٹو دوستانہ مزاج کی حامل پیاری ریحانہ علی احمد کا خصوصی شکریہ بھی مجھ پر قرض ہے۔

ماہنامہ صد رنگ کے محسن مدیر جناب خالد ارشاد صوفی، اور رفیق بٹ صاحب کے ساتھ ساتھ، ماہنامہ دل کش کی بے حد مشفق اور پیار لٹانے والی پیاری مدیرہ نزہت اصغر آپی کا تعاون و حوصلہ افزائی، میرے قلم کا اثاثہ ہے۔ علاوہ ازیں ماہنامہ حناء کی پیاری دوست مدیرہ فوزیہ شفق، ماہنامہ خوفناک کے شہزاد عالمگیر بھیا اور ماہنامہ ردا ڈائجسٹ کی پیاری صالحہ محمود آپی کی اپنائیت و محبتیں بھی میری کامیابیوں میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

میرے پڑھنے والوں کو اکثر مجھ سے شکایت رہتی ہے کہ میں المیہ موضوعات پر زیادہ لکھتی ہوں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اصل میں، مجھے ہمیشہ سے ہی انفرادی موضوعات پر قلم اٹھانا اور زیادہ معاشرتی مسائل کے حامل کرداروں کو سامنے لانا پسند ہے، میں اپنے قارئین کو خوشنما خواب دکھانے کی بجائے، حقیقی زندگی کے المیہ حقائق سے روشناس کروانا زیادہ پسند کرتی ہوں۔ ''اے مژگان محبت'' بھی میری ایسی ہی تحریر ہے۔

جو فیض صاحب کے صرف ایک معروف مصرعے ''اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' کا حاصل ہے۔

آج بھی سینکڑوں بہنیں فون اور اپنے خطوط میں جب اس ناول سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے احساسات و جذبات مجھ تک پہنچاتی ہیں تو میں میرا سیروں خون بڑھ جاتا

ہے۔ اپنے اس ناول کے متعلق محض، اتنا ہی کہوں گی کہ شاید اب کبھی زندگی میں دوبارہ، میں "اے مژگانِ محبت" جیسا ناول تحریر نہ کرسکوں۔

"اے مژگانِ محبت" کے ساتھ ہی آپ کو میرا شعری مجموعہ "بچھڑ جانا ضروری تھا" بھی پڑھنے کو ملے گا۔ انشاء اللہ۔ اس کے بعد جلدی ایک اور شعری مجموعہ بھی مارکیٹ میں آرہا ہے جس کا نام ابھی فائنل نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں "جو ایک دشت فراق" بھی جلد ہی کتابی شکل میں آپ کو پڑھنے کو ملے گا۔ (انشاء اللہ)

ادبی دنیا میں جناب قدرت اللہ شہاب (مرحوم) کو میں اپنا آئیڈیل تسلیم کرتی ہوں۔ جبکہ اسی نگری سے وابستہ بزرگ ہستی جناب جمیل ملک (مرحوم) کی پیاری مشفق ہستی کی رہنمائی و پیار بھی کبھی فراموش نہیں کر پاؤں گی۔

میرے زندگی میں میرے والدین، نوید بھائی، بہن صائمہ جبیں، دوست ماریہ افشین، سارا کاشف اور ڈیفرنٹ شاہینہ کے ساتھ ساتھ دیگر تمام دوستوں اور قارئین کی بے لوث محبتیں زندگی کے آخری سانس تک میرا قیمتی سرمایہ رہیں گی۔

میں بھارت میں شائع ہونے والے ہر دل عزیز جرائد ماہنامہ مہکتا آنچل اور پاکیزہ آنچل کے مدیراؤں اور پیاری دوست غزالہ پروین قریشی کے خلوص و محبت کی بھی ہمیشہ شکر گزار رہوں گی جن کی وجہ سے سرحد پار کے لاتعداد قارئین کی دعائیں اور محبتیں مجھے حاصل ہو رہی ہیں۔

اپنی تحریر کے اختتام پر میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ادارہ علم و عرفان کے سربراہ پیارے گل فراز احمد صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، جن کی شفقت و رہنمائی نے "اے مژگانِ محبت" کو کتابی شکل میں ڈھال کر میری اور آپ سب کی خواہش کو حقیقت کا روپ دیا۔

گل بھائی کی محبت، عمدہ اخلاق اور سیرت کا تذکرہ تعریفی الفاظ میں کرنا مجھ سی ادنیٰ قلمکارہ کے بس کی بات نہیں، اللہ رب العزت سے خلوص دل سے دعا گو ہوں کہ وہ پاک ذات، میرے اس اچھے بھائی کو دنیا و آخرت کی تمام تر خوشیاں، بھلائیاں اور خیر و برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

اور نو آموز تخلیق کاروں کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھنے والا ان کا معروف ممتاز ادارہ، شب و روز مقبولیت و ترقی کے مزید بلند مقام کو چھوئے۔ آمین ثم آمین۔

اس کتاب پر آپ کے سیر حاصل تبصروں اور تنقید کی شدت سے منتظر رہونگی۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ فی امان اللہ

نازیہ کنول نازی
چیئرپرسن خوشبو رائیٹرز اکیڈمی
پوسٹ آفس ہارون آباد ضلع بہاولنگر

خرفِ آغاز

صحافت کے میدان میں اپنے پچیس سالہ سفر کے دوران (اس سے مراد یہ نہیں کہ میں ایک بزرگ صحافی ہوں بات صرف اتنی سی ہے کہ میں ایک صحافتی ادارے سے وابستہ رہا ہوں اور اب بھی یہ سفر ایک نئی شکل میں جاری ہے) کئی ایسے لوگوں سے محبت کا رشتہ استوار ہوا، جن سے آج تک کبھی ملاقات تک نہیں ہوئی۔ نازیہ کنول نازی روز اول سے ہماری قلمی معاون ہیں انہوں نے ماہنامہ صدر رنگ کی بہتری اور اسے مقبول عام بنانے کے لیے انتھک محنت کی اور ہمیشہ اس کی بہتری کے لیے دعا گو رہتی ہیں۔ یہ ان لکھنے والوں میں سے ہیں جن کو کسی صلے کی تمنا نہیں ہوتی جو اپنا کتھارسس کرنے کے لیے لکھتی ہیں۔

نازیہ کنول نازی ایک ذہین افسانہ نگار اور شاعرہ ہیں ان کا مشاہدہ بہت تیز ہے۔ جو جزیات نگاری میں ان کا بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک باشعور تخلیق کار ہیں اور جانتی ہیں کہ ادیب اپنے معاشرے کا ایک ذمہ دار فرد ہوتا ہے چنانچہ وہ اس معاشرے کی خامیوں کی نقاد ہیں اور خوبیوں کو مزید دمکانے اور چمکانے پر بضد نظر آتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ بشرط استقامت وہ مستقبل میں ناصرف ایک نامور افسانہ نگار بلکہ ایک اعلیٰ پایہ کی شاعرہ ثابت ہوں گی۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ نازیہ کنول نازی کی یہ کاوش معاصرین اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے سنگ میل ثابت ہو۔ (آمین)

محمد رفیق بٹ
ڈپٹی ایڈیٹر

شاعرہ محبت کے لیے چند لفظ

نازیہ کنول نازی جدید دور کی ناول نگار، افسانہ نگار ہیں اور اپنے ہم عصروں میں نمایاں اور مقبول مقام رکھتی ہیں۔ وہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں، نت نئے میدانوں میں اپنے قلم کی شہسواری کرتی ہیں اور کامیابی کے جھنڈے گاڑتی چلی جا رہی ہیں۔ نازیہ کنول نازی کا خواتین قارئین میں مقبولیت کا گراف کافی بلند ہے خصوصاً وہ نوجوان لڑکیوں کی محبوب کہانی نویس ہیں۔ وہ تیز تر، خوب تر لکھنے والی ہیں۔ وہ اپنی کہانیوں کا خمیر اسی معاشرے سے اٹھاتی ہیں۔ ان کے کردار اسی معاشرے میں چلتے پھرتے رہتے ہیں اور نظر بھی آتے ہیں۔

وہ دلیری اور دل گدازی کے فن سے پوری طرح آشنا ہیں۔ اپنے پڑھنے والوں کو اپنے قلم کے سحر میں جکڑنا، انہیں خوب آتا ہے۔ پڑھنے والی قارئین لڑکیاں ان کی تحریروں کی بے صبری اور بے چینی سے منتظر رہتی ہیں۔ ''اے مژگان محبت'' ان کا بہت خوبصورت ناول ہے۔

ان کی اضافی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک بہت اچھی شاعرہ بھی ہیں۔ موتیوں جڑے کلام کی ماہر ہیں۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ......

فرحت باجی
مدیرہ ماہنامہ آنچل

♥......♥......♥

محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا

''تم نے کل مزنی کو دیکھا زریں...... کتنی بدل چکی ہے وہ...... سچ میں نے تو اُسے پہچانا ہی نہیں......''

''ہاں...... تو محبت کی شادی کرنے والوں کا انجام ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔''

برستی تیز بارش کی موٹی موٹی بوندوں پر نگاہ جمائے وہ خاصی تلخی سے بولی تھی۔ جواب میں اُس کے مقابل بیٹھی مریم کے لبوں پر دھیمی سی مسکان بکھر گئی۔

''ایسی بات نہیں ہے زریں...... محبت تو اِس کائنات کا سب سے خوبصورت جذبہ ہے......''

''ہوگا...... لیکن ایک مرد اور عورت کے بیچ' محبت نام کا کوئی بھی تعلق نری بکواس ہے۔''

اُس کی نگاہیں' اب بھی شیشے کے اُس پار' سڑک پر پڑتی' تیز بارش کی بوندوں پر جمی تھیں۔

ریستوران کے پُرفسوں ماحول کی خاموشی' اس لمحے اعصاب کو گہرا سکون بخش رہی تھی۔ دھیرے دھیرے گزرتے لمحے کے ساتھ' دِن کا اُجالا' شام کے دھندلکوں کی لپیٹ میں آ رہا تھا۔ اوپر سے شدید سردی کے احساس نے پورے جسم کو جیسے سُن سا کر دیا تھا۔

مریم احسان کی نگاہیں' قدرے افسوس سے ذرنیلا ریاض کے سپاٹ چہرے کی طرف اُٹھی تھیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تُم محبت جیسے پاکیزہ جذبے کے اِتنی خلاف کیوں ہو......؟

"میں محبت کے خلاف نہیں ہوں مریم! میں نے کبھی خالق کائنات کی مخلوق سے محبت سے انکار نہیں کیا' کبھی ایک ماں کی اُس کے بچوں سے محبت پر شک نہیں کیا' محبت کا جو رنگ حقیقی ہے' میں اُسے تسلیم کرتی ہوں' لیکن اگر تم کہو کہ کوئی مرد' کسی عورت سے سچی محبت کا دعوی کرتا ہے' تو یہ جسٹ اِک فریب ہے مریم' جو آج کا ہر مرد' بڑی خوبصورتی سے' بیوقوف اور بھولی بھالی معصوم عورتوں کو دے رہا ہے' تم نہیں جانتیں' مرد بڑا خودغرض ثابت ہوا ہے' ہر روپ میں عورت سے قربانی مانگتا ہے۔ سرور اور خوشیوں کی ڈیمانڈ کرتا ہے' مگر خود' اُسے کبھی خوش نہیں دیکھ سکتا۔"

اُس کی آنکھیں بھی موسم کی ہم رنگ ہو رہی تھیں۔

مریم کو بے حد افسوس ہوا تھا۔

"ایسا کیوں سوچتی ہو تم' دنیا میں بہت سے مرد بھی وفا کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔" اپنے تئیں اُس نے پھر اُس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ جواب میں ایک استہزائیہ سی مسکراہٹ زرنیلا ریاض کے لبوں کو چھوگئی۔

"ہونہہ..... مرد اور وفا' نری بکواس ہے یہ' مرد کو کیا ضرورت ہے عورت سے وفا کر کے اپنی جان کھپانے کی' بغیر وفا کیے بھی' بہتیری قدر ہے اُس کی' دُور کیوں جائیں' داؤد ابراہیم کی مثال ہی لے لو' یونیورسٹی فیلو تھا ناں ہمارا' اور ہماری ہی بیسٹ فرینڈ فروا حسن کے عشق کا بھوت سوار ہوا تھا اُس کے سر پر' کیا تم نہیں جانتیں کہ فروا کے عشق میں' کیسے اپنے کیریئر اور پورے خاندان کو جوتے کی نوک پر رکھ دیا تھا اُس نے دو مرتبہ خودکشی کی کوشش بھی کر بیٹھا تھا' کس قدر دھڑلے سے کہا کرتا تھا کہ دُنیا میں کوئی بھی لڑکی' فروا حسن کا متبادل نہیں ہوسکتی' مگر کیا ہوا مریم.....؟ جان سے بڑھ کر' فروا سے پیار کرنے والا' وہی داؤد ابراہیم' اُسی فروا سے شادی کے بعد اُس کے مرتے ہی اپنے لیے "نیا شکار" ڈھونڈنے کی تیاری میں لگ گیا' کیا تم اِسے محبت کہتی ہو.....؟ نہیں مریم' یہ محبت نہیں ہے' محبت وہ تھی جو فروا حسن نے داؤد ابراہیم سے کی تھی' اِسی لیے وہ اُس کی نسل چلانے کے چکر میں' اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی۔" اِس لمحے اُس کے لہجے میں اپنی دوست کیلئے گہرا دُکھ تھا!

مریم نے بے ساختہ سرد آہ بھری تھی۔

"مجبوری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے زرین' داؤد کو اپنے لیے نہیں' اپنے ایک سال کے بیٹے کیلئے ایک عورت چاہیئے جو ماں بن کر اُس کے بچے کی پرورش کر سکے۔"

"ہاں..... اور کل کو اُسی "ماں" بن کر آنے والی عورت کی قربت میں مدہوش ہوکر' اُسے یہ بھی بھول جائیگا کہ اُس کا کوئی چھوٹا سا بیٹا بھی ہے' جسے ماں کے ساتھ ساتھ اُس کے باپ کے پیار کی ضرورت بھی ہے۔"

"تم ہمیشہ منفی کیوں سوچتی ہو زرین؟ اور پھر ضروری تو نہیں کہ دُنیا کے تمام مردوں کی محبت کی مثال داؤد ابراہیم جیسی ہو۔"

اب کے مریم قدرے ایموشنل ہوئی تھی' مگر اُس نے مطلق پروا نہیں کی۔

"ہونہہ۔ تم نہیں جانتیں' اِس دُنیا کے سارے مرد ایک ہی دماغ سے سوچتے ہیں' سبھی کے دماغوں میں اپنی برتری کا خناس سمایا ہوا ہے' تبھی تو عورت پر ظلم کرتے ہوئے اِن کا دِل نہیں کانپتا' اُنکی زندگی میں عورت کی حیثیت' محض ایک کھلونے سے بڑھ کر نہیں ہے مریم' یہی وجہ ہے کہ کوئی اپنے نفس کی آگ بجھانے کیلئے اُسے کوٹھوں پر نچوا رہا ہے' تو کوئی ناخدا بن کر' خدا کی اس مظلوم مخلوق کو' گھر کی چار دیواری میں قید کیئے اُس پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے' اور تو اور...... ایک محبوبہ کی شکل میں بھی عورت کو مرد کا سچا پیار نصیب نہیں۔"

وہ تو جیسے مردوں کے خلاف بھری بیٹھی تھی۔

مریم پر آج سے قبل' اُس کے اتنے بدگماں خیالات کبھی افشاں نہیں ہوئے تھے۔

"مجھے بہت عجیب لگتا ہے مریم' مرد' محبوبہ کے روپ میں' جس عورت کے ہزار ناز اُٹھاتے نہیں تھکتا اُسی عورت کے حصول کے بعد' اُس کا ہر انداز اُسے رفتہ رفتہ عذاب کیوں لگنے لگتا ہے۔ عورت کی محبت بڑھتی ہے تو مرد کے شوق کا دریا کیوں اُتر جاتا ہے۔ کیوں اپنی دسترس سے باہر کی عورت ہی اچھی لگتی ہے اُسے؟ کیا عورت کے جذبات نہیں ہوتے.....؟ کیا وہ اپنے دِل کی خوشی نہیں چاہ سکتی.....؟ پھر مرد ہمیشہ اپنی طرف ہی کیوں دیکھتا ہے' ہر سمجھوتہ' ہر قربانی' صرف عورت کیلئے ہی کیوں.....؟"

باہر' بارش اب ایک دم سے رُک گئی تھی۔

مریم نے بے ساختہ اُس کی طرف سے نگاہیں پھیری تھیں۔

"پتہ نہیں' تم سارا دن کیا کیا فضولیات سوچتی رہتی ہو.....؟"

"یہ فضولیات نہیں ہے مریم"

بہت ہلکا سا احتجاج کیا تھا اُس نے۔

"تم کبھی نہیں سمجھ سکتیں کہ مرد کی سوچ' اور اُس کی برداشت عورت کے معاملے میں کتنی چھوٹی ہوتی ہے۔"

اچھا..... چلو چھوڑو اس فضول ٹاپک کو' بارش رُک گئی ہے' میرے خیال سے اب ہمیں گھر واپس چلنا چاہیئے۔"

بلا آخر مریم نے ہی ہار مانتے ہوئے اِس ٹاپک کو ختم کیا تھا۔

"ہاں چلو"

وہ بھی کافی کا آخری گھونٹ بھر کر اُس کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''موسم خاصا سرد ہوگیا ہے' آئی تھنک یہاں کے غریب لوگوں کی مشکلات پھر سے بڑھ جائیں گی۔''

ریستوران سے باہر نکل کر اپنی گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے مریم نے کہا تھا' جواب میں وہ ایک سرسری سی نظر' روڈ کے دوسری جانب بنی، پٹھانوں کی بوسیدہ جھونپڑیوں پر ڈالتے ہوئے بولی۔

''ہاں...... اِن لوگوں کو غربت کے جرم کی سزا تو ملنی ہی چاہیئے۔''

مریم اُس کے الفاظ پر ایک مرتبہ پھر خاصی جُز بُز ہوئی تھی۔

تاہم جواب میں کچھ بھی کہنے سے پرہیز کرتے ہوئے' اُس نے اگلے کچھ ہی لمحوں میں گاڑی مین سڑک پر ڈال دی تھی۔

زرنیلا ریاض سے اُس کا تعلق کالج کے زمانے سے تھا۔

زرنیلا متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ جبکہ اُسے امیر کبیر باپ کی اکلوتی بیٹی ہونے کا شاندار اعزاز حاصل تھا۔ مگر اِس کے باوجود اُس کا مزاج بے حد سادہ تھا۔ زرنیلا کی دوستی پر جان دیتی تھی۔ کچھ ہی عرصہ قبل وہ منگنی کے بندھن میں بھی بندھ چکی تھی' جبکہ زرنیلا کا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

وہ مردوں سے شدید خائف رہتی تھی اور اِس کی سب سے بڑی وجہ' خود اُس کا اپنا باپ تھا۔

مرد ذات سے نفرت کا پہلا احساس' اُس کے باپ نے ہی اُسے کروایا تھا۔ وہ کل تین بہن بھائی تھے۔ دو بہنیں اور ایک بھائی۔ اُس سے بڑی بہن کی شادی' اُس کے والد ریاض احمد نے اپنی ضد اور مرضی سے' بیوی بچوں کی مرضی کے خلاف' اپنے بڑے بھائی کے آوارہ اور نکھٹو بیٹے فقیر حسین کے ساتھ طے کر دی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کی ہنستی مسکراتی زندہ دل بہن' شادی کے ابتدائی دِنوں میں ہی جیسے زندہ لاش بن کر رہ گئی تھی۔

ان پڑھ' جاہل فقیر حسین' اپنی ماں کے کہے میں آکر' معمولی باتوں پر اُسے روئی کی مانند دھنک کر رکھ دیتا تھا۔ مزید ستم' اُس کا باپ اِس پر بھی اپنی بیٹی کو ہی قصور وار ٹھہراتا تھا کہ وہ صبر کا مظاہرہ نہیں کرتی' بدزبان ماں پر گئی ہے' جبکہ زرنیلا نے اپنی پوری زندگی میں کبھی اپنی ماں کو اپنے باپ کے سامنے زبان چلاتے نہیں دیکھا تھا۔

ہمیشہ وہ اپنے مجازی خدا کی ہر بات' چُپ چاپ سر جُھکائے مان لیا کرتی تھی' یہی وجہ تھی کہ ریاض صاحب کے ساتھ ساتھ' اُن کے سسرال والے بھی' اُنھیں لاوارث سمجھ کر خوب ٹارچر کرتے تھے۔ اپنی زندگی تو جیسے تیسے وہ کاٹ ہی چکی تھیں۔ مگر اب اولاد کا دُکھ' اُنھیں اندر سے کھوکھلا کر رہا تھا۔ اُس کا بھائی' باپ کے ہر ظلم پر اندر ہی اندر' کڑھنے کے باوجود خاموش رہتا تھا۔

باپ کے سامنے آواز اُٹھانے کی جرأت کسی میں بھی نہیں تھی۔

عجیب جھگڑالو آدمی تھا' چھوٹی چھوٹی بات کا بتنگڑ بنا کر' گھر میں طوفان اُٹھا دیتا تھا۔

وہ لوگ جوانی کی دہلیز تک پہنچ گئے تھے' تب بھی گھر کی کشیدگی بدستور قائم تھی۔

اُن کا جب دل چاہتا اپنے بچوں کے سامنے' بیوی کو پیٹ کر رکھ دیتے تھے۔ اور وہ لوگ بے بسی کی تصویر بنے ہمیشہ ڈرامہ دیکھتے رہ جاتے تھے۔

بچپن سے ایسے ہی بے شمار مناظر دیکھتے دیکھتے اُسے اپنے باپ سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

رات گئے اپنی ماں کی گُھٹی گُھٹی سسکیاں' سنتے سنتے وہ جیسے خود اپنی زندگی سے تنگ آ گئی تھی۔

باپ کی نسبت اُسے اپنی ماں سے بے حد پیار تھا۔ اور اُس کا یہ پیار بے وجہ بھی نہیں تھا۔ اُس کی ماں اپنے بچوں پر جان لُٹاتی تھیں۔ اُنھی کی خاطر' وہ اپنے جلاد صفت شوہر کا ہر ظلم خاموشی سے برداشت کر رہی تھیں۔ زرنیلا کو اِس بات کا بے حد ملال تھا کہ اُس کے والدین کی شادی'' لومیرج'' ہو کر بھی بے حد ناکام ٹھہری تھی۔ کافی دیر کی بارش کے بعد موسم اب بے حد خوشگوار ہوگیا تھا۔

مریم ڈرائیو کر رہی تھی' جبکہ وہ اُس کے برابر میں بیٹھی بلیک شال کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹے' گاڑی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''زریں' پرسوں نوخیز کا بڑا زبردست میوزیکل شو ہے' دیکھنے چلو گی۔''

توجہ سامنے روڈ پر مرکوز رکھتے ہوئے' اگلے کچھ ہی لمحوں میں مریم نے اُس سے پوچھا تھا۔ جواب میں وہ ہلکی سی سرد آہ بھرتے ہوئے بولی۔

''ہاں کیوں نہیں' تمہارے ساتھ تو جہنم میں جانے کو بھی تیار ہو سکتی ہوں میں۔''

مریم کو اُس سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی' تبھی وہ دھیمے سے مسکرا کر رہ گئی۔

''ویسے مریم' تمہارے اِس نوخیز صاحب کی محبت کا بھی جواب نہیں' شہر کی بیسوں لڑکیوں کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے' اور تقریباً ہر لڑکی سے یوں بات کرتا ہے' جیسے وہی اُس کی محبوبہ ہے مجھے ایسے منافق مرد' پسند نہیں ہیں۔''

''تمہیں تو خیر سے کوئی بھی مرد پسند نہیں ہے' ویسے بھی میں نوخیز پر خود اپنے آپ سے بڑھ کر اعتبار کرتی ہوں' وہ خواہ پچاس لڑکیوں سے چکر چلائے یا سو سے' آئی ڈونٹ کیئر' کیونکہ' میں

جانتی ہوں، وہ محبت صرف ایک ہی لڑکی سے کرتا ہے، اور وہ ہے مریم احسان۔"

کتنے خوبصورت، یقین کے جگنو چمک رہے تھے اُس کی آنکھوں میں، زرنیلا نے بے مزہ ہو کر، پھر سے رُخ پھیر لیا تھا۔

"آنٹی کا فون دوبارہ آیا کیا؟"

اُسے خاموش پا کر مریم نے پھر سے اُس کا ذہن بٹانے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں پرسوں ہی آیا تھا، بہت پریشان تھیں، فائیلہ آپا کا ڈلیوری کیس آیا ہوا ہے، مگر فقیر بھائی بضد ہیں کہ ان کے ہاں، سسرال میں ہی چھلہ کرنے کا رواج ہے، لہٰذا آپی بھی وہیں رہیں، جبکہ آپی، امی کے پاس آنا چاہتی ہیں، تم تو جانتی ہو، پہلی مرتبہ اس مرحلے سے گزرنا، کتنا تکلیف دِہ ہوتا ہے، خدانخواستہ کچھ بھی ہو سکتا ہے، مگر وہ لوگ اپنی بیکار کی ضد پر اڑے بیٹھے ہیں۔" زرنیلا بیزار سے لہجے میں اُسے بتاتی رہی تھی، مریم نے سرد آہ بھر کر، بالآخر گاڑی اُس کے فلیٹ کے سامنے روک تھی تھی۔

ٹائم کافی ہو گیا تھا، لہٰذا مریم سے گلے مل کر، وہ فوراً اپنے فلیٹ کی جانب بڑھ آئی تھی، جہاں آپا زینت صوفے پر ہی اونگھتے ہوئے، اُس کے واپس پلٹنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

♥......♥......♥

کوئی رُت ہو
دُکھ کا ہو یا خوشی کا موسم
میری آنکھیں نم رہتی ہیں
جانے کون سا درد کا ساون
اِک مدت سے، آنکھوں کی دہلیز پہ بیٹھا
"سسک رہا ہے۔"

دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، وہ خاموش کھڑا، کھڑکی سے اندر آتے، سرد ہوا کے شریر جھونکوں کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا، جب ڈاکٹر ارسلان، آہستہ سے اُس کے رُوم کا دروازہ، پُش کرتے ہوئے، چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا، اُس کے قریب چلا آیا۔

"یہ میں کیا سُن رہا ہوں سنوان، تم انکل، آنٹی سے جھگڑ کر، ہمیشہ کیلئے پاکستان چلے آئے ہو......"؟

"ہاں۔"

اُس نے رُخ پھیرے بنا ہی اثبات میں جواب دے ڈالا تھا۔

"کیوں؟"

"پتہ نہیں......" وہی بیزار سُن لہجہ۔ ارسلان کو شدید تاؤ آیا تھا۔

"لیکن مجھے اچھی طرح پتہ ہے، ضرور تمہارا عشق ہی تمہیں یہاں تک گھسیٹ کر لایا ہے، لیکن، میرے یار تم نری حماقت کر رہے ہو، پاکستان اگر زیادہ بڑا نہیں ہے، تو اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے کہ تم آسانی سے اُس پری وش کو، یہاں ڈھونڈ سکو، خدا کا واسطہ ہے سنوان، بھول جا اُسے پلیز۔"

"اُسے بھول جانا ممکن نہیں ہے میرے لیئے اگر ہوتا تو شاید اَبتک اُسے بھول چکا ہوتا۔"

اب کے وہ پلٹ کر کھڑکی سے ہٹ گیا تھا۔

ڈاکٹر سنوان کے چہرے پر اِس لمحے عجیب سی بے بسی پھیلی صاف دیکھائی دے رہی تھی۔

"پتہ نہیں تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔" یہ سب درست نہیں ہے سنّی، ایک ایسی لڑکی، جس کا حسب نسب ٹھکانہ تک، تمہیں معلوم نہیں، اُسکے جوگ میں، ماں باپ کی سچی محبت سے منہ موڑ لینا،

کہاں کی دانش مندی ہے یار۔؟

''کچھ معلوم نہیں ہے مجھے' نہ ہی میں صحیح غلط کے بارے میں کچھ جانتا ہوں' مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ میں اُسے بھلا کر' محض مما کی ضد اور خوشی کیلئے' کسی ماڈ امیرزادی کا ہاتھ نہیں تھام سکتا' جس کام کیلئے' میرا دِل ہی رضا مند نہیں' وہ میں کیسے کرلوں ارسلان۔''؟

اُلجھے اُلجھے سے حلیے میں' وہ خود بھی اُلجھا ہوا ہی دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر ارسلان کیلئے اس لمحے اُسے کچھ بھی سمجھانا' بہت مشکل ہو رہا تھا' لہٰذا وہ اُس کے مضبوط' کندھے پر اپنائیت سے ہاتھ رکھتے ہوئے' نرم لہجے میں بولا تھا۔

''او کے' میں مارکیٹ جا رہا ہوں' واپسی پر کھانا بھی لیتا آؤں گا' تب تک تُم چاہو' تو اپنے لیئے چائے بنا کر پی سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے اور کچھ۔؟''

''اور کچھ نہیں۔''

سادہ سے لہجے میں کہنے کے ساتھ ہی وہ اُس کے رُوم سے باہر نکل گیا تو سنوان پھر سے کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔

''زرنیلا مل کیوں نہیں جاتیں تم مجھے۔''

عجیب سی بے بسی کے عالم میں اپنا دایاں ہاتھ' کھڑکی کے کھلے پٹ پر مارتے ہوئے وہ دھیمے سے بڑبڑایا تھا۔ نگاہوں میں بار بار اُس کا سادہ سا سراپا لہرا رہا تھا۔

سفید کاٹن کے مسلے ہوئے سوٹ میں ملبوس' بلک بلک کر روتے ہوئے' وہ تمام وقت اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائے رہی تھی۔

کتنے بے مول ہو رہے تھے اُس کے آنسو؟

ڈاکٹر سنوان آفندی کے اندر نئے سرے سے بے قراری سرایت کرنے لگی تھی۔

اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ بچپن سے لیکر جوانی تک' وہ کیسے لڑکیوں سے شدید الرجک رہا تھا۔ کالج اور یونیورسٹی میں بھی' اُس نے کسی لڑکی کو اپنے قریب آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

لندن جیسے بولڈ ماحول میں بھی' اپنا کردار اور دامن اُس نے صاف ستھرا ہی رکھا تھا۔

ناپختہ عمر کے باوجود اُس کی سوچ بے حد پختہ رہی تھی۔

وہ خود جیسا صاف ستھرا تھا' اُسے اپنے لیے لڑکی بھی ایسی ہی صاف ستھری چاہیئے تھی۔

جس کے دل اور سوچ پر اُس کے سوا اور کسی کا پہرا نہ ہو۔

زندگی کی حقیقتوں کا صحیح شعور رکھنے والی سمجھدار لڑکی ہی اُس کا انتخاب تھی' لہٰذا وہ اپنے سرکل کی ماڈ لڑکیوں سے ہمیشہ ہی دامن بچاتا چلا آیا تھا۔

اُس نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اُس کا اپنا دل زندگی کے کسی موڑ پر یوں اُسے دغا دے گا کہ وہ چاہ کر بھی زندگی کو اپنے اختیار سے جی نہیں پائے گا!

لمحے سُست روی سے سرک رہے تھے اور وہ تصورات کی دُنیا میں کھویا' گویا بکھر رہا تھا۔

''کہاں تلاش کروں میں اُس کو.....؟ مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ' کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گئی۔'' بے بسی پھر در آئی تھی۔

مگر وہ بہت دیر تک' برفیلی ہواؤں کا سامنا کیئے' وہیں کھڑکی میں کھڑا' اپنی کھوئی ہوئی محبوبہ کے تصورات میں اُلجھا رہا تھا۔

♥......♥......♥

سنڈے کا دن تھا اور زرنیلا ناسازئ طبیعت کے باعث خاصی لیٹ اُٹھی تھی۔

منہ ہاتھ دھو کر وہ اپنے رُوم سے باہر آئی تو صحن میں برتن دھوتی زینت کو روتے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

''کیا بات ہے زینت آپا' آپ رو کیوں رہی ہیں' گھر میں تو سب خیریت ہے ناں؟''

زینت آپا کے قریب ہی وہ چارپائی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

تبھی وہ اپنے آنسو پونچھ کر' اُس سے دُکھ شیئر کرتے ہوئے بولی۔

''وہ خیریت کہاں ہے بی بی۔ ہم غریب عورتوں کی زندگی میں کبھی خیریت نہیں ہو سکتی۔''

''مگر ہوا کیا ہے' کیا آج پھر تمہارے شوہر نے مطلوبہ پیسے نہ ملنے پر تمہاری پٹائی کی ہے۔''؟

''نہیں جی' آج جھگڑا پیسوں کیلئے نہیں ہوا' بچوں کیلئے ہوا ہے۔''

''بچوں کیلئے۔؟'' اُسے واقعی ازحد حیرانگی ہوئی تھی۔

''ہاں جی! آپ تو جانتی ہیں' میری تین بچیاں ہیں' جو باپ کے ہوتے ہوئے بھی' اُس کی شفقت سے محروم' یتیموں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں' میں تو ماں ہوں ناں جی' میں اُن معصوموں سے پیار نہ کروں تو اور کون کرے گا؟ منظور کہتا ہے اگر اس بار بھی میری کوکھ سے کسی لڑکی نے جنم لیا تو وہ پیدا ہوتے ہی اُس کا گلا گھونٹ دے گا' اور مجھے بھی اپنی زندگی سے نکال دے گا' آپ ہی بتاؤ بی بی جی' قدرت کے کاموں میں' کسی انسان کا کیا دخل؟ عورت تو کفن سرہانے رکھ کر' مرد کی اولاد کو' جنم ہی دے سکتی ہے' اب وہ بیٹا ہو یا بیٹی' اُس کا تو قصور نہیں ہے۔''

زینت بولنے کے ساتھ ساتھ رو بھی رہی تھی۔

اُس کی آنکھ سے گرتے ہر آنسو کے ساتھ زرنیلا کی نفرت مردوں کیلئے اور بڑھی تھی۔

وہ پورے دنوں سے تھی، مگر پھر بھی آرام کرنے کی بجائے، دن رات مشقت کر کے، اپنا اور اپنی بچیوں کا پیٹ پال رہی تھی۔ نکمے اور آوارہ شوہر کی خدمت گزاری کا فرض بھی نبھا رہی تھی۔

مگر اِس کے باوجود وہ خوش نہیں تھا۔

اُسے درد سونپ کر، تین بار موت کی بانہوں میں دھکیلنے کے بعد بھی، اُس بدنصیب عورت کیلئے، قطعی محبت یا ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکا تھا اُس کے اندر۔

خود مرد کو اس میٹھے درد سے گزرنا پڑے تو شاید زمین آسمان ایک کر دے۔

وہ اِس موضوع پر جتنا سوچتی تھی۔ اُتنا ہی اُس کا خون جلتا تھا۔ مرد کی جہالت اور سفاکی اُس کے غصے اور نفرت میں اضافہ کرتی تھی۔

اُس روز وہ زینت سے کچھ بھی نہیں کہہ پائی تھی، تاہم اگلے دو چار روز میں اُس نے مریم سے سُنا کہ زینت نے ایک مرتبہ پھر بچی کو جنم دیا ہے، جس پر شدید مشتعل ہوتے ہوئے اُس کے خاوند نے اُسے مار پیٹ کر، ماتھے پر طلاق کا ٹیکا لگا کر، گھر سے بچیوں سمیت باہر نکال دیا ہے۔

یہ خبر اُس کیلئے از حد دُکھ کا باعث بنی تھی۔

مگر وہ چاہ کر بھی غریب زینت کی زندگی کیلئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں اُس کا دِل مرد ذات کی طرف سے شدید متنفر و بدگمان ضرور ہو گیا تھا۔

♥......♥......♥

محبت طاقِ دِل پہ جلتا ہوا
وہ چراغ آخری شب ہے
کہ اس کی لو اگر مدہم بھی پڑ جائے
تو اندر کا اُجالا کم نہیں ہوتا

''نوخیز گل'' کا نام موسیقی کی دُنیا میں اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا۔

ہزاروں لڑکے اور لڑکیاں اُس کے زبردست فین تھے۔ حقیقت کے آئینے میں دیکھا جاتا تو اُس کی آواز بھی اچھی تھی، اور دوسرے سنگرز سے ہٹ کر گانے کا انداز بھی۔

یہی وجہ تھی کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں خاصا مقبول ہو گیا تھا۔

مریم لوگوں کے، اُس کی فیملی کے ساتھ بہت قریبی تعلقات تھے، دونوں کی محبت بھی ہر شک و شبے سے پاک مثالی محبت تھی، جس پر زرنیلا جتنا بھی رشک کرتی کم تھا۔

پورا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھیں۔ اپنی مطلوبہ سیٹ تک پہنچنے کیلئے، انہیں خاصی دشواری اور کوفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

تاہم نوخیز کے کامیاب پروگرام نے، اگلے کچھ ہی لمحوں میں اُن کی کوفت دُور کر دی، وہ پُرانے شعراء کا کلاسیکل کلام بڑے سلیقے سے گا رہا تھا۔ ہال کی خاموشی، ثابت کر رہی تھی کہ اُس کی آواز، وہاں بیٹھے سینکڑوں لوگوں کے دِلوں پر اثر کر رہی ہے۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد زرنیلا مریم کا ہاتھ تھام کر اپنی سیٹ کی قطار سے نکل ہی رہی تھی۔ جب اچانک اُسے لگا کہ اُس کے نازک سے پاؤں پر گویا کسی نے پہاڑ گرا دیا ہے۔

درد کی شدت سے بلبلاتے ہوئے اُس نے اپنے سامنے والے شخص کو دھکا دیا، اور پاؤں پکڑ کر وہیں قریبی چیئر پر بیٹھ گئی۔

نوجوان زبردست دھکے سے سنبھلا تو مُڑ کر اُس حسین دوشیزہ کو دیکھنے کا موقع مل سکا، جس نے نجانے اُس کے کون سے جرم کا حساب، یوں زبردست دھکا دے کر چکتا کیا تھا۔

''اندھے ہو کیا، دیکھ کر نہیں چل سکتے؟''

غصے کی شدت سے اُس کی سنہری رنگت سرخی مائل ہو گئی تھی۔

ارش احمر، کچھ نہ سمجھتے ہوئے، حیرانگی سے اُس کی طرف دیکھتا رہ گیا تھا۔

"مگر۔ میں نے کیا کیا ہے۔"؟

"ارے واہ' کتنے معصوم بن رہے ہو' کیا کیا ہے' اپنا ڈھائی من کا وزن لیکر میرے نازک سے پاؤں پر چڑھ گئے' اوپر سے پوچھتے ہو کیا کیا ہے۔"

مریم نے ہاتھ دبا کر اسے غصہ پی جانے کی تلقین کی تھی' مگر وہ کہاں اُس کی سننے والی تھی۔

کچھ ہی دیر میں نوخیز بھی فارغ ہو کر اُن کے قریب چلا آیا تھا۔

"کیا بات ہے ارش۔ یہ محترمہ کیوں جھگڑ رہی ہیں تم سے۔"؟

نوخیز کا یہ سوال اُسے نئے سرے سے سرتا پیر سلگا گیا تھا۔ تبھی وہ چیختے ہوئے بولی تھی۔

"ارے وہ' اُلٹا چور کتوال کو ڈانٹے' ایک تو یہ اپنے چالیس من وزن کے ساتھ میرا نازک سا پاؤں کچل گئے' اوپر سے آپ قصور وار بھی مجھے ہی ٹھہرا رہے ہیں' یہ کہاں کا انصاف ہے۔"؟

اُس کے تو گویا سر پر لگی' تلووں پر بجھی تھی' نوخیز اور ارش اُس کے الفاظ پر بے ساختہ مسکرا دیئے تھے۔

"سوری' مجھے پتہ نہیں چلا' ورنہ ہرگز ایسی گستاخی نہ کرتا۔"

اردگرد کافی لوگ جمع ہو کر اِس "تماشے" کا لطف لینے لگے تھے لہٰذا ارش احمر کو ہار مانتے ہوئے سرنڈر کرنا پڑا۔ جواب میں وہ ایک کاٹ دار نگاہ' پھر سے ارش پر ڈالتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

"کیا عجیب لڑکی تھی یار' میرے تو چودہ طبق روشن کر گئی۔"

اُس کے آگے بڑھنے کے بعد' ارش دھیمی سی مسکان' لبوں پر پھیلاتے ہوئے' مریم کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔ جواب میں وہ بے بسی سے اُس کی طرف دیکھتی' جلدی سے ایکسکیوز کر کے زرنیلا کے پیچھے ہی لپک گئی۔

"چلو شکر ہے خدا کا' تمہیں بھی کسی لڑکی نے دِن میں تارے تو دِکھائے' وگرنہ آج تک تو تم ہی بیچاری صنفِ نازک کی عزت کی مٹی پلید کرتے رہے ہو۔"

نوخیز کے تازہ کمنٹس پر وہ جی کھول کر ہنستے ہوئے پھر اُس کے ساتھ ہی حال سے باہر نکل آیا تھا کہ ابھی شام میں اُسے اپنی نیو گرل فرینڈ کو ڈنر بھی کروانا تھا۔

نوخیز سے اُس کی دوستی بہت گہری تھی' دونوں آکسفورڈ یونیورسٹی میں پہلی بار ایک دوسرے کے مقابل آئے تھے۔ اور پھر یہ دوستی اس قدر بڑھی کہ ارش امریکہ چھوڑ کر صرف نوخیز کیلئے پاکستان چلا آیا۔ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہونے کی حیثیت سے' اُس کا مزاج اور کردار خاصی

حد تک بگڑ چکا تھا۔

پاکستان میں اُس کا شاندار بنگلہ بھی تھا اور تازہ بزنس بھی' لہٰذا اپنے ڈیڈ کو مطلع کر کے فی الحال کچھ عرصے کیلئے اُس نے پاکستان میں ہی قیام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سالوں یورپی ماحول میں پرورش پانے کے باعث' عورتوں کے بارے میں اُس کی رائے کچھ خاص اچھی نہیں تھی۔ لہٰذا حسین سے حسین تر لڑکی بھی اُس کیلئے ایک کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

♥......♥......♥

"زریں۔ داؤد کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے' کیا تم اُس کی شادی میں شرکت کرو گی۔"؟

شام کی ٹھنڈی' ٹھنڈی ہوائیں خاصی سبک روی سے چل رہی تھیں۔

وہ دونوں روزانہ اِس ٹائم قریبی پارک میں واک کیلئے آتی تھیں۔

اِس وقت بھی وہ ایک ہی بینچ پر بیٹھی' اپنے یونیورسٹی کے دِنوں کو یاد کر رہی تھیں' جب اچانک مریم نے اُس سے پوچھا۔

جواب میں ایک تلخ سی مسکراہٹ اُس کے اُداس لبوں پر بکھر کر رہ گئی۔

"مریم۔ میں نے سُنا ہے وہ بہت خوشی سے اپنی دوسری شادی کے کارڈ' تقسیم کرتا پھر رہا ہے' کیا واقعی وہ اِتنی جلدی فروا کو بھول گیا' اُس فروا کو' جو اُس کی محبت میں اپنی جان تک قربان کر گئی۔"؟

کتنا اُداس لہجہ تھا اُس کا' مریم بے ساختہ سرد آہ بھر کر رہ گئی تھی۔

"تم اس بات کو اتنا سیریس کیوں لے رہی ہو زریں؟ دُنیا میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے' یہاں مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مرتا' نہ ہی اُن کے سوگ میں سُلگ سُلگ کر زندگی بتائی جا سکتی ہے' اور پھر داؤد نے تو فروا کو نہیں مارا' کاتب تقدیر نے ایسے ہی موت لکھی تھی اُس کی خدا کا واسطہ ہے تمہیں بھول جاؤ فروا کو۔"

"نہیں بھول سکتی میں اُسے' وہ اگر زندہ ہوتی' تو کبھی داؤد سے بے وفائی نہ کرتی' دوسری شادی کا تصور تک نہ کرتی۔"

اِس معاملے میں وہ اتنی احساس کیوں تھی' اُسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔

مریم نے اِس ٹاپک پر اُس سے مزید کوئی بات نہ کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

وہ اپنے فلیٹ میں واپس آئی تو اُداسی کا ایک عجیب سا احساس اُسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

ابھی بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ ہمسائی نے آ کر اُسے گھر سے فون کی اطلاع دے ڈالی۔

تب سلیپر پاؤں میں ڈال کر وہ فلیٹ کے اوپر والے پورشن میں چلی آئی' جہاں اُس کی نیبر آباد تھی۔ اور اپنے خاوند کے بغیر اکیلی ہی رہ رہی تھی۔ فون اُس کی امی کا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح اُس کے لیے بے حد فکر مند تھیں۔

''کیسی ہو زرین بیٹا؟ کتنے دِن ہو گئے تم نے خریت کی اطلاع ہی نہیں دی۔''

اُس کے سلام کے جواب میں' بڑی محبت بھری فکر مندی سے اُنھوں نے پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہوں امی' اِدھر مصروفیت بہت تھی' اِس لیئے فون نہ کر سکی' آپ کیسی ہیں؟''

''اب اِس بڑھاپے میں کیا حال ہونا بیٹی' دِن رات تیرے لیئے ہی پریشان رہتی ہوں۔''

''پلیز امی' آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ میری فکر مت کیا کریں' میں اب بچی نہیں رہی۔''

''ارے' کیسے نہ فکر کروں تیری' جنم دیا ہے تجھے' ماں ہوں میں تیری' آنکھوں سے اتنی دُور ہے' دِن رات تڑپتی ہوں تیرے لیئے۔''

''اچھا چھوڑیں ناں' یہ بتائیں فون کیوں کیا ہے' گھر میں سب خیریت ہے ناں۔''

''ہاں سب خیریت ہے' آج کل فریدہ لندن سے پاکستان آئی ہوئی ہے' ویسے تو تیری دُور کی خالہ لگتی ہے مگر اپنے اکلوتے بیٹے کیلیئے سب سے پہلے تیرا نام لیا ہے' میں تو خدا کی بے حد شکر گزار ہوں' جو اُس نے اتنا اچھا رشتہ' گھر بیٹھے بٹھائے بھیج دیا۔''

شکر گزاری اُن کے لہجے سے بخوبی عیاں تھی' مگر زرنیلا ہمیشہ کی طرح بدک گئی۔

''خدا کا واسطہ ہے ماں' آپ سے کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی' پلیز مجھے سکون سے جینے دیں اور میری فکر چھوڑ دیں۔ خدا حافظ۔''

کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ واپس پلٹ آئی تھی۔

اپنی ماں سے وہ اتنے روڑ انداز میں بات کرنا نہیں چاہتی تھی' مگر جب بھی وہ اُس کی شادی کا تذکرہ کرتی تھیں وہ یونہی ہتھے سے اُکھڑ جاتی تھی۔ خود پر سے جیسے اُس کا اختیار اُٹھ جاتا تھا۔

وہ واپس اپنے بستر پر آئی تو اُس کا ذہن بے حد ڈسٹرب تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اُس کی ماں اُس کیلیئے بے حد پریشان رہتی ہیں' اُسے اپنی ماں کو دُکھ اور اذیت میں مبتلا رکھنے کا کوئی شوق نہیں تھا' مگر وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو گئی تھی' گھر میں روز روز ہونے والے ڈراموں نے اُسے ذہنی مریضہ بنا دیا تھا' وہ پاگل ہونے کو تھی' لاکھ وہ لوگ جھگڑے سے بچنے

کی تدابیر کرتے' کوئی موقع نہ دیتے' مگر اِس کے باوجود اُس کے والد کوئی نہ کوئی جھگڑنے کا بہانہ نکال ہی لیتے تھے۔

وہ ایسے گھٹے ہوئے ماحول میں یکسوئی سے اپنی تعلیم پر توجہ نہیں دے سکتی تھی' لہٰذا شدید مجبور ہو کر' لاہور سے کراچی اپنی خالہ کے پاس چلی آئی۔

تین سال تک وہ انہی کے پاس رہی تھی' اور یہیں اُس نے اپنا بی۔ کام مکمل کیا' پھر اپنے ہی بل بوتے پر پیسہ پیسہ جوڑ کر' ماں سے اجازت لینے کے بعد اُس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔

ابھی وہ اپنا ایم' کام مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ خالہ نے اپنے بڑے بیٹے کے حوالے سے اُسے بہو بنانے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ اُس نے کبھی کسی فلیٹ میں تنہا رہنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا' مگر خالہ کی خواہش جاننے کے بعد وہ ایسا سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ کیونکہ خالہ کے بڑے سپوت خاصے غصیلے اور مردانگی کے زعم میں' بگڑے ہوئے نوجوان تھے' جن کے نزدیک عورت کو عزت و احترام دینے کی بجائے دبا کر رکھنا چاہیے، ورنہ وہ سر چڑھ جاتی ہے' شادی سے پہلے ہی وہ زرنیلا پر اپنا رُعب جمانے لگے تھے۔ اُور اُس نے ساری عمر جس حال میں اپنی ماں کو بے حال دیکھا تھا' پھر سے وہی کہانی وہ اپنے ساتھ دُہرانا نہیں چاہتی تھی۔ لہٰذا ایک روز خاموشی سے' وہ اُن کا گھر چھوڑ کر' پہلے سے دیکھے ہوئے فلیٹ میں شفٹ ہو گئی' جو اُس کی عزیز ترین دوست' مریم کے والد کی ملکیت تھا۔

مریم کے والد کی معرفت ہی اُسے ایک اچھے سے پرائیوٹ بنک میں ملازمت مل گئی تھی۔ پھر مریم کا گھر بھی سامنے ہی تھا' لہٰذا نہ تو کرائے کا کوئی مسئلہ تھا' اور نہ اکیلے پن کا' کیونکہ فلیٹ میں اُس کے ساتھ ایک اور عورت بھی رہ رہی تھی جس کا خاوند کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا' ایک ملازمہ بھی تھی' جو دونوں کے بیشتر کام نہایت معقول معاوضے میں سرانجام دیتی تھی' اور وہیں اُسی فلیٹ میں زرنیلا کے ساتھ رہتی تھی۔

اِس معاملے میں اُس کے باپ نے پہلے پہل' گھر میں کافی جھگڑا کیا تھا' مگر جب آٹھ دس ہزار کی بڑی رقم باقاعدگی سے گھر جانے لگی' تو رفتہ رفتہ اُن کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔

اُس روز وہ دل کے نہ چاہنے کے باوجود' مریم کے ساتھ داؤد ابراہیم کی شادی کی تقریب میں چلی آئی تھی۔ مقصد صرف اُس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھنا تھا۔ لہٰذا معمولی تیاری کے ساتھ' مریم کے ہمراہ' وہ اُس کے شاندار بنگلے پر پہنچی تو داؤد نے نہایت پُرتپاک انداز میں اُن دونوں کا استقبال کیا۔

زرنیلا نے بڑے سرسری سے انداز میں فقط ایک نظر اُس کے شاندار سراپے پر ڈالی تھی'

پھر اپنے یونیورسٹی کے ساتھیوں کی طرف بڑھ آئی کیونکہ داؤد نے اُن دونوں کے علاوہ اور بھی کئی یونیورسٹی فیلوز کو اپنی شادی میں مدعو کر رکھا تھا۔ تاہم مریم نے خلوص دل سے مسکرا کر نہ صرف اُسے مبارکباد دی تھی' بلکہ گفٹ بھی بہت شاندار دیا تھا۔ ارش احمر بھی اِسی تقریب میں مدعو تھا۔

وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگا رہا تھا' جب اچانک اُس کی نظر زرنیلا کے مسکراتے ہوئے دِل کش چہرے پر پڑی تھی۔

وہ بے ساختہ ہی اُس کے مسکراتے ہوئے لبوں کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ تبھی اُس کے پہلو میں کھڑے بلال نے شرارت سے اُس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''واپس آ جا یار' وہ لڑکی نہیں توپ ہے' اُسے تو معاف ہی رکھ' ورنہ حشر نشر کر دے گی تیرا۔''

بلال چونکہ زرنیلا کے ساتھ ہی کام کرتا تھا' لہٰذا کسی حد تک اُس کے مزاج اور عادات سے واقفیت بھی رکھتا تھا۔ تبھی ارش کو نصیحت کی تو وہ بے فکری سے ہنس دیا۔

''چھوڑو یار' میں نے اِس ''مخلوق'' کا ہر رنگ دیکھ رکھا ہے' کم از کم ارش احمر کیلئے کسی بھی لڑکی کو حاصل کرنا کچھ مشکل نہیں ہے' ابھی چھوٹا سا تماشہ دیکھ۔''

اپنی وجاہت اور عمارت پر از حد نازاں' وہ بائیں طرف مُڑا' اور قریب ہی کھڑے ایک چھوٹے سے بچے کے ہاتھ سے کیلا لیکر' مزے سے کھایا' اور پھر اُس کا چھلکا' اپنے ہی قدموں کے قریب سہولت سے پھینک دیا۔ زرنیلا اُس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔

بچہ بیچارہ اُسے اپنا کیلا ہڑپ کرتے دیکھ کر منہ بسور کر رہ گیا تھا۔

بلال دل چسپی سے اُس کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا تھا' جو کیلا کھانے کے بعد، اب پینٹ کی پاکٹ سے رومال نکالے اچھی طرح اپنے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

زرنیلا اب مریم کے کان میں' مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔ نوخیز اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے اِس تقریب میں مدعو نہیں تھا۔

تب اُس نے جان بوجھ کر اپنا پاؤں کیلے کے چھلکے پر رکھا' اور اگلے ہی پل کمال سے پھسلتے ہوئے زرنیلا کے گلے جا لگا۔

وہ تو اِس اچانک غیر متوقع افتاد پر جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی۔

ارش نے اُس کی حالت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بڑے مزے سے اپنا ایک ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھا' جبکہ دوسرا اُس کی نازک سی کمر کے گرد مضبوط کرتے ہوئے' پیچھے کھڑے بلال کو آنکھ مار دی۔

دوسرے ہی لمحے وہ زرنیلا سے الگ ہوا' اور سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے شائستگی سے

معذرت کی' تو اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' اور بھری محفل میں رکھ کر ایک زبردست تماچہ اُس کے گال پر جڑ دیا۔

''سٹوپڈ''

قطعی غیر متوقع ردِعمل کا مظاہرہ کرتی' وہ غصے سے بے حال' بناء کھانا کھائے ہی وہاں سے چلی آئی تھی جبکہ ارش' گویا پتھر کا مجسمہ بنے' کھڑا رہ گیا تھا۔

چھوٹی سی شرارت پر' وہ اتنا شدید ری ایکشن دیکھا گئی' اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

مریم خود بھونچکا سی کھڑی تھی۔

بھری محفل میں اپنا تماشہ بن جانے پر' وہ غصے اور اشتعال سے کانپ کر رہ گیا تھا۔

لمحے میں اُس کا دماغ گھوما تھا اور وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا' زرنیلا کے پیچھے ہی باہر کی جانب لپکا تھا۔ مگر تب تک وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

جس پر وہ مزید مشتعل ہو اُٹھا تھا۔

''نہیں چھوڑوں گا میں تمہیں' تم جو کوئی بھی ہو' میں تمہارے ساتھ وہ سلوک کروں گا کہ تم کسی کو اپنا خوبصورت چہرہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی' کاش تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں تو میں تمہارے وجود کی بوٹی بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دیتا۔''

گاڑی کے بونٹ پر زبردست مکا مارتے ہوئے اُس نے زرنیلا کے تصور سے ہمکلام ہو کر کہا تھا۔

اگلے ہی پل داؤد اور مریم اُس کے قریب چلے آئے تھے۔

''ارش۔ زریں کی طرف سے میں تم سے معافی مانگتی ہوں' اصل میں آج کل وہ مینٹلی بہت ڈسٹرب ہے میں ڈانٹوں گی اُسے' پلیز تم اُس کے خلاف کوئی غلط قدم۔''

''اُسے اُس کے کیے کی سزا مل کر رہے گی مریم' تم اِس معاملے سے الگ رہو' یہ صرف میری اور اُس کی جنگ ہے' جس کا آغاز خود اُسی نے کیا ہے' لیکن اب اِس کا اختتام میں اپنی مرضی سے کرونگا۔'' سرخ انگارہ آنکھوں سے چھلکتا قہر اور دماغ کی تنی ہوئی وینز، مریم کو اندر سے سہما گئی تھیں۔ تاہم اس سے پہلے کہ وہ اُسے مزید کچھ کہتی' وہ سرعت سے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

زریں' تمہیں کیا ضرورت تھی ارش کے ساتھ اتنا شدید ری ایکٹ کرنے کی۔''

مریم تقریب سے فوراً واپسی پر' سیدھی اُسی کی طرف چلی آئی تھی' جو بستر پر اوندھی لیٹی

نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔

"مجھے واقعی کوئی ضرورت نہیں تھی' اُس بگڑے ہوئے رئیس زادے کے منہ لگنے کی' مگر۔ بھری محفل میں جو شرمناک شرارت اُس نے میرے ساتھ کی' کیا وہ غلط نہیں لگی تمہیں۔"

وہ خود ابھی تک غصے میں تھی۔ مریم جھنجلا کر رہ گئی۔

"کچھ بھی تھا' تمہیں اتنا لوز ٹیمپر نہیں ہونا چاہیئے تھا' اب پتہ نہیں وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔"

"آئی ڈونٹ کیئر' میں نہیں ڈرتی ان بگڑے ہوئے رئیس زادوں سے۔"

زارش پر اُس کی معذرت کا کچھ اثر ہوا تھا' نہ ہی زرنیلا اُس کی بات سمجھنے کو تیار تھی۔

"زرین' تمہیں نہیں پتہ' یہ مرد ذات ضد اور غصے کے معاملے میں کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں' خدا کا واسطہ ہے تمہیں' میرے ساتھ چلو اور اُس سے معافی مانگ لو۔"

"نیور' زرنیلا ریاض کسی مرد کے سامنے جھکے' ایسا ہو ہی نہیں سکتا' اور پلیز' تم میرے لیے فضول میں اپنا خون مت جلاؤ' جو بھی ہوگا میں خود ہینڈل کرلوں گی' تم جا کر آرام کرو' مجھے خود بہت سخت نیند آ رہی ہے۔"

"او کے مروتم۔"

پہلی بار وہ اُس پر غصہ ہو کر' اُس کے پاس سے اُٹھ آئی تھی۔

زرنیلا اُس رات چاہنے کے باوجود اطمعنان سے سو نہیں سکی تھی۔

ڈاکٹر سنوان کی طبیعت پچھلے کچھ روز سے ناساز تھی' تاہم اس کے باوجود وہ اپنے پیشہ ورانہ فرائض پوری تندہی کے ساتھ سرانجام دے رہا تھا۔

جان بوجھ کر اُس نے اپنی ڈیوٹی' ڈاکٹر ارسلان کے ساتھ' پسماندہ گاؤں کے بوسیدہ سے ہسپتال میں لگوائی تھی' جہاں نہ تو صفائی ستھرائی کا انتظام تھا' نہ ہی مختلف امراض کی دوائیاں میسر تھیں۔ تاہم اس کے باوجود وہ اپنے بل بوتے پر' گاؤں کی ترقی اور وہاں کے لوگوں کی بھلائی کیلئے بہت سے کام سرانجام دے رہا تھا۔

ایک عجب سا سکون میسر آ گیا تھا اُسے یہاں آ کر۔

سیدھے سادھے' سچے اور جفاکش لوگوں کے بیچ رہ کر' بہت حد تک اُس کا دِل بہل گیا تھا۔ ڈاکٹر ارسلان پچھلے تین چار روز سے شہر میں مقیم تھا۔ کیونکہ اُس کی بیگم کا ڈلیوری کیس قریب آ رہا تھا۔ لہٰذا آجکل اُس کے حصے کی ڈیوٹی بھی اُسی کو سرانجام دینا پڑ رہی تھی۔

اُس وقت بھی وہ اپنی ڈیوٹی پر ہی تھا۔ جب سرفراز نامی' گاؤں کا ایک نہایت خوبرو نوجوان تیز بخار کی حالت میں اپنے کسی دوست کے ساتھ اُس کے پاس دواء دارو کیلئے آیا تھا۔

وہ ابھی بیس پچیس مریض دیکھ کر فارغ ہی ہوا تھا' کچھ اپنی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے اُس سے بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔

اِس کے باوجود اُس نے سرفراز کا تفصیلی چیک اپ کیا تھا۔

"یہ بخار کب سے ہے آپ کو۔"

اچھی طرح معائینے کے بعد پہلا سوال جو اُس نے' اُس اجنبی نوجوان سے پوچھا تھا وہ یہی تھا۔ جواب سرفراز کی بجائے اُس کے دوست نے دیا تھا۔

"جب سے اس کی محبوبہ مری ہے' تب سے ہی ہے جی۔"

"وہاٹ۔"

اُسے واقعی عجیب لگا تھا۔ سرفراز کی حالت کا از سرِ نو جائزہ لیتے ہوئے' وہ حیران ہوا تھا۔

گاؤں کے نوجوانوں' اور بڑے بوڑھوں کے ساتھ' اُس کا برتاؤ خاصا دوستانہ تھا' شاید یہی وجہ تھی کہ سرفراز بھی اپنے اندر کا درد زیادہ دیر تک اُس سے چھپا نہیں سکا تھا۔

ایک لمحے میں اُس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"کیا ہوا تھا اُسے۔؟"

پتہ نہیں کیسے وہ پوچھ پایا تھا۔ جواب ایک مرتبہ پھر سرفراز کے دوست نے ہی دیا۔

"اُسے ہوا تو کچھ نہیں تھا' جی' بس سوہنی بہت تھی' گاؤں کے چوہدری صاحب کی نیت اُس پر خراب ہو گئی تو کھیت میں کام کرتے ہوئے اُسے اغوا کروالیا' اگلی صبح اُس کی لاش' گاؤں کے پُرانے کنوئیں میں ملی تھی۔"

"او مائی گاڈ۔"

اُسے واقعی بے حد ملال ہوا تھا۔

"تم لوگوں نے کوئی ایکشن نہیں لیا چوہدری کے خلاف۔؟"

"نہیں ڈاکٹر صاحب' سوہنی کے بھائی نے ایکشن لیا تھا' اُسے چوہدری صاحب نے' ہزار الزامات کے ساتھ پکی جیل بھجوا دیا' پانچ سال ہو گئے اُس کے زندہ ہونے کی خبر بھی نہیں ملی' اُس کے بعد کسی میں اِتنا دم نہیں تھا کہ چوہدری کے گریبان کو ہاتھ لگاتا' یہاں تو آئے روز یہی ہوتا ہے۔"

سنوان کو اُن دونوں کے چہرے یوں سُنتے ہوئے لگ رہے تھے گویا برسوں کے بیمار ہوں۔

کیسی عجیب سی ویرانی ٹھہر گئی تھی' سرفراز کی آنکھوں میں۔ اُس کے سامنے اُسے اپنا درد بہت کم محسوس ہو رہا تھا۔

''سرفراز کہاں تھا اُن دِنوں۔؟''

''ملک سے باہر تھا جی' سوہنی کو اچھا مستقبل دینے کیلئے پردیس کاٹ رہا تھا۔ واپس آیا تو سارا آشیانہ ہی جل چکا تھا۔''

سنوان کی نگاہیں سرفراز کے زرد چہرے پر ٹکی تھیں۔ مگر وہ سُن اُس کے دوست کو رہا تھا۔

''اپنے آپ کو سنبھالو یار' یوں کسی کے بچھڑ جانے سے' خود بکھر جانا' مرد ذات کا شیوہ نہ تھا۔''

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد' سرفراز کو تسلی دیتے ہوئے' وہ اپنے دل کو نظر انداز کر گیا تھا۔

''کیسے بھولوں ڈاکٹر صاحب' وہ تو صرف پیار کرنا سکھا گئی ہے۔ اتنا پیار پڑ جانے کے بعد' کسی کو بھلایا کیسے جاتا ہے' یہ تو اُس نے مجھے بتایا ہی نہیں تھا' نہ ہی اُس جیسی کوئی اور ملتی ہے کہ وہ بھول جائے۔'' پہلی بار سرفراز کے لب کھلے تھے اور سنوان مضطرب ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

پچھلے چھ ماہ میں کیا کیا ظلم نہیں ہوتے دیکھے تھے اُس نے یہاں۔ حقیقت میں اُس کا دِل اب یہاں سے اوب جانے لگا تھا۔

اُس رات ایک مرتبہ پھر نیند اُس سے رُوٹھی تھی اور اُس نے یہ طے کر لیا تھا کہ اب وہ مزید یہاں قیام نہیں کرے گا!

♥......♥......♥

وہ جو خواب تھا بکھر گیا' وہ جو باغ دل تھا اجڑ گیا
کبھی موسموں کی نظر لگی' کبھی وہموں نے ڈرا دیا
کبھی زندگی کی کتاب سے' ہمیں جس سے چاہا مٹا دیا
بے کلی ارش احمر کے اندر تک سرایت کیئے ہوئے تھی۔

جیسے ہی زرنیلا ریاض کا چہرہ اُس کے تصور میں آتا' اُس کے انتقام کا جذبہ مزید بھڑک اُٹھتا۔ اُسے ذلیل و رسواء کرنے کے کئی طریقوں پر غور کرنے کے بعد' بلا آخر کچھ روزہ کے بعد وہ اُس کے بینک پہنچ گیا تھا۔ زرنیلا اُس کے خطرناک منصوبے سے قطعی بے خبر اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہی تھی۔

''السلام علیکم۔''

بلال سے اُس کی مصروفیت کے متعلق تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد' وہ اُس کے روبرو چلا آیا تھا۔

''وعلیکم السلام فرمایئے۔''

اُسے اچانک اپنے مقابل پا کر' وہ ہراساں تو ہوئی تھی' مگر اُس پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

''کیا فرماؤں' تم کچھ سننے پر تیار کب ہو' میں پوچھتا ہوں' اگر مجھ سے شادی نہیں کرنی تھی' تو میرے پچاس لاکھ روپے کیوں ہتھیائے؟ تم کیا سمجھتی ہو' تم مجھ سے چھپ کر کہیں بھاگ سکتی ہو۔''

اُس کا لہجہ نہ تو پست تھا نہ بہت زیادہ چنگھاڑتا ہوا' زرنیلا اُس کے سفید جھوٹ پر بھونچکا رہ گئی تھی۔ بینک میں موجود دوسرے لوگ بھی اُن کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''بولو......شادی کرواؤ گی مجھ سے' یا روپے واپس کرو گی؟''

''شٹ اپ' میں نے نہ تو شادی کا وعدہ کیا ہے تم سے' نہ کوئی پیسہ لیا ہے۔''

''میں جانتا تھا' تم یونہی ری ایکٹ کرو گی' مگر میرے پاس تمہارے عہد نامے کا پکا ثبوت ہے' شرافت سے نہیں مانو گی تو یہیں پولیس بلواؤ نگا۔''

بلا کا اطمینان تھا اُس کے لہجے میں۔

زرنیلا کو آج سے پہلے کبھی ایسی صورتِ حال پیش نہیں آئی تھی' لہٰذا اُس کا گھبرا جانا

لازمی تھا۔

بات بینک منیجر تک بھی پہنچ گئی تھی' لہٰذا وہ فوری طور پر اپنے آفس سے نکل کر وہاں چلے آئے تھے۔

''کیا بات ہے مسٹر' کیوں پریشان کر رہے ہیں آپ انہیں۔''

''پریشان' ان کو میں نہیں' یہ مجھے کر رہی ہیں پچھلے ایک ماہ سے میں ان کے پیچھے خوار ہو رہا ہوں' دو سال سے معاشقہ چل رہا ہے ہمارا' پورے پچاس لاکھ' ہتھیائے ہیں انھوں نے مجھ سے اور اب نہ صرف پیسے دینے سے انکاری ہیں' بلکہ شادی کے وعدے سے بھی مکر رہی ہیں۔''

اُس کے لہجے میں ایک فیصد بھی لچک نہیں تھی۔

بینک کا سارا کام رک گیا تھا۔

وہاں موجود سبھی لوگ حیرانگی سے ہمیشہ ریزرو رہنے والی' زرنیلا ریاض کے چہرے پر نگاہیں جمائے کھڑے تھے۔ جس کی ساری تیزی' طراری اس لمحے ہوا ہو رہی تھی۔

''کیا ثبوت ہے آپ کے پاس' کہ جو آپ کہہ رہے ہیں' وہ درست ہے۔''؟

منیجر صاحب اڈھیر عمر کے آدمی تھے' مگر ارش کی وضع قطع دیکھ کر زیادہ سخت رویہ نہیں اپنا سکے تھے۔

''ثبوت ...... یہ دیکھیے اِن کے ہاتھ کا لکھا ہوا لیٹر' جس میں انھوں نے شادی کا وعدہ کرتے ہوئے' مالی امداد کی ریکویسٹ کی ہے' اور یہ پچاس لاکھ کی وصولی کی رسید دیکھیے' جو دو ماہ قبل ہی انھوں نے مجھ سے لیئے تھے' اب مطلب نکل گیا' تو کسی اور پر مہربان ہو کر مجھے چھوڑ آئیں' مگر میں یُوں آسانی سے انہیں چھوڑنے والا نہیں ہوں' یہ بات آپ بھی سُن لیں اور مس زرنیلا ریاض بھی۔''

وہ کوئی کچا کھلاڑی نہیں تھا' اس بات کا اندازہ زرنیلا کو بخوبی ہوگیا تھا۔ شاید تبھی وہ چلائی تھی۔

''یہ بکواس ہے سر' خدا کی قسم میں نے ان سے ایک روپیہ بھی نہیں لیا' یہ آدمی صرف مجھے نیچا دکھانا چاہتا ہے' خوب اچھی طرح جانتی ہوں میں انہیں' نہایت گھٹیا......''

''تڑاخ۔''

اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتی۔ ارش احمر کے زوردار تماچے نے اُس کے چودہ طبق روشن کر دیئے۔

''بہت بکواس کر چکی تم۔ اب اور نہیں' انڈرسٹینڈ۔''

اُس کا غصہ بھی آسمان کو چھو رہا تھا۔

سبھی لوگ فقط منہ دیکھتے رہ گئے تھے اور وہ تن من کرتا' اگلے ہی لمحے بینک سے باہر نکل گیا تھا۔

اُس روز وہ بینک میں اس قدر بے عزت ہوئی تھی کہ گھر آ کر اُس کے آنسو نہیں رُک رہے تھے۔

مریم لوگوں کے خاندان میں کسی کی اچانک ڈیتھ ہوگئی تھی' وہ اپنے والدین اور بھائیوں کے ساتھ اسلام آباد میں تھی۔

زرنیلا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنا دُکھ کس سے شیئر کرے۔

دو تین روز تک تو شرمندگی کے مارے وہ بینک جا ہی نہیں سکی تھی۔ ارش نے جس طرح کمالِ ہوشیاری سے اُس کی رائیٹنگ نقل کی تھی اور پچاس لاکھ کی جعلی رسید بنوائی تھی اُس سے ثابت ہوگیا تھا کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔

اپنا تھپڑ اُسے اس قدر مہنگا پڑے گا' زرنیلا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

تین چار روز کی چھٹی کے بعد وہ بینک آئی تو ڈھیر سارے پھول اور ''Love,u'' کے کئی دِل کش کارڈز اُس کے منتظر تھے۔

اُس کے کولیگز اب خاصی مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے تھے اُسے۔ بینک منیجر صاحب کا رویہ بھی پہلے سے بدل گیا تھا۔

پھول اور کارڈ ڈیلی (Daily) آ رہے تھے' اس پر اب ہر دومنٹ کے بعد فون کالز بھی آنے لگی تھیں وہ سخت پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔

راستے میں بھی اکثر کوئی نہ کوئی لفنگا کھڑا' اُس پر گھٹیا فقرے کستا رہتا تھا۔

محض چند ہی دنوں میں بدنامی کے خوف سے اپنا تمام تر حوصلہ ہارتے ہوئے اُس نے بینک سے ریزائن کر دیا تھا۔

مردوں سے تو وہ پہلے ہی متنفر تھی۔ ارش احمر کی اِس حرکت کے بعد' مرد ذات سے اُس کی نفرت مزید بڑھ گئی تھی۔

♥......♥......♥

جب سے اس کی ملازمت ختم ہوئی تھی' وہ بے حد اداس رہنے لگی تھی' کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس روز وہ کچھ گھریلو اشیاء کی خریداری کے لیے مارکیٹ تک آئی' بازار میں گید رنگ حد سے بڑھ کر تھی۔ سڑک کے کنارے کچھ آوارہ نوجوان کھڑے' غلط فقرے کس رہے تھے۔

زرنیلا نے اپنی رفتار تھوڑی اور تیز کر دی۔ بارشوں کا موسم تھا اور جگہ جگہ گندا پانی ٹھہرا ہوا تھا' متواتر تیزی سے چلتے رہنے میں بھی مشکل پیش آ رہی تھی' اوپر سے ان آوازوں نوجوان لڑکوں کے گندے

ریمارکس' وہ خواہ کتنی ہی بولڈ لڑکی تھی' مگر تھی تو ایک لڑکی' اس کا کنفیوز ہونا فطری بات تھی۔

تب ہی ایک بلیک شیراڈ عین اس کی سائیڈ سے گزری اور زرنیلا کے شفاف کاٹن کے سفید کپڑوں پر کیچڑ کے دھبے اور رنگ برنگ ڈیزائن بناتی آگے بڑھ گئی۔ سڑک کے قریب کھڑے نوجوانوں کا بڑا بے ساختہ قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا' تب ہی وہ بلیک کار ریورس ہوئی اور اس کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔

''ایکسکیوزمی محترمہ...... راستہ دیکھ کر چلا کریں۔ اللہ نے یہ جو خوب صورت آنکھیں دی ہیں ناں' انہیں استعمال میں لانا سیکھیے یہ محض دکھاوے کے لیے نہیں دی گئیں۔''

گاڑی سے جونہی ارش احمر کا وجیہہ چہرہ نمودار ہوا' غصے سے سرخ زرنیلا کا سر آپ ہی آپ جھکتا گیا۔ آوارہ نوجوانوں کی سیٹیوں نے اس کی جھیل سی آنکھیں جھلملا دیں کیوں کہ گندا کیچڑ کپڑوں کے ساتھ ساتھ چہرے کو بھی بگاڑ چکا تھا۔

''او کے میڈم' نائس ٹو میٹ یو' امید ہے جلد ہی ہماری دوبارہ ملاقات ہوگی۔''

اس کے خوب صورت سلکی بالوں کو دھیرے سے چھوتے ہوئے وہ مسکرا کر بولا اور دوسرے ہی پل گاڑی میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔ جب کہ زرنیلا اپنے آنسو پونچھتی کس مشکل سے خود کو اپنے فلیٹ تک لا سکی' یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ گھر سے اس کے بھائی کا ایمرجنسی فون آیا تھا' اس کی ماں کی حالت بہت خراب تھی لہٰذا اس نے فوراً سے پیشتر اپنا سامان پیک کیا اور مریم سے مل کر اپنے گھر چلی گئی۔

اس کی بڑی بہن کے ڈلیوری کے دن بالکل قریب آ رہے تھے اور ڈاکٹرز کے مطابق اس کا کیس بے حد پیچیدہ تھا۔ اسی پریشانی نے اس کی ماں کو بستر سے لگا دیا تھا۔ زرنیلا نے اپنی ماں کو تسلی دی' پھر ڈاکٹرز سے بات کی اور عین زچگی کے دن بہانہ بنا کر بہن کو ہوسپٹل لے آئی جہاں اس نے چھوٹے آپریشن کے بعد ایک پیاری سی بیٹی کو جنم دیا۔ زرنیلا نے تمام اخراجات خود افورڈ کیے۔ اس کے باوجود جب اس کے باپ اور فانیلا آپی کے سسرال والوں کو علم ہوا تو ان لوگوں نے ڈاکٹرز کا لحاظ کیے بغیر وہیں ہوسپٹل میں ایک طوفان اٹھا دیا۔ بڑھتے بڑھتے بات اتنی پھیل گئی کہ آخر اس کا اختتام ''طلاق'' پر ہوا اور اس کا گنوار بہنوئی انہیں پتھر بنے چھوڑ کر تن فن کرتا' ہوسپٹل سے چلا گیا۔

زرنیلا کی حالت تو پاگلوں جیسی ہوگئی تھی' اوپر سے ماں کے آنسوؤں نے اسے بالکل ہی نڈھال کر چھوڑا۔ اسے لگا کہ یہ سب کچھ' جو ہوا ہے' صرف اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اپنی بہن کی بربادی کی وہ خود ذمہ دار ہے اور اسی احساسِ جرم نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا۔ تقریباً ایک ہفتے بعد وہ لوگ ہوسپٹل سے گھر شفٹ ہو گئے۔ اس کے والد صاحب نے گھر کے ماحول کو اور بھی

عذاب بنا چھوڑا تھا' صرف ایک اس کے بھائی کا دم تھا جو اسے بے قصور مانتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھاتا تھا اور اس کا من بہلانے کی کوشش کرتا تھا۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے' درد کی کسک میں کمی آ گئی تھی۔ زرنیلا یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ ان لوگوں کو اپنی جاب کے چھوٹنے کی اطلاع کیسے دے؟ اور وجہ کیا بتائے؟ اور ابھی وہ یہ سوچ کر پریشان ہی ہو رہی تھی کہ ایک دن اس کے باپ نے پیسوں کا سوال بھی اٹھا دیا اور تب ناچاہتے ہوئے بھی اسے اپنی جاب کے چھوڑنے کی بابت سب کو بتانا پڑا اور اس بات کو لے کر ایک مرتبہ پھر اس کے باپ نے اچھا خاصا ڈرامہ لگایا اور اسے خوب ذلیل کیا۔ ستارے گردش میں آئے ہوں تو پریشانیاں یونہی انسان کو گھیر لیتی ہیں' اس کا ستارہ بھی بھرپور گردش میں آیا ہوا تھا' تب ہی آنسوؤں نے مستقل اس کی آنکھوں میں ڈیرہ ڈال لیا۔

اس نے لاہور میں ہی جاب کے لیے اپلائی کر دیا۔ مختلف پرائیویٹ اداروں کی خاک چھانتے اسے پورا ایک ماہ ہوگیا۔ تب ہی ایک دن وہ گھر واپس لوٹی تو ایک اور طوفان اس کا منتظر تھا۔ اس کے گھر کے صحن میں اس کا باپ' تایا' چچا اور کچھ دیگر اور بزرگ چارپائیاں ڈالے بیٹھے تھے' وہ پہلے تو انہیں یوں اکٹھے بیٹھے دیکھ کر بے حد حیران ہوئی' پھر ادب سے سلام کر کے کمرے میں جانے لگی تو اس کے باپ کی کڑک آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیئے۔

''ٹھہرو زرنیلا' ادھر آؤ......'' آواز میں نفرت اور غصہ نمایاں تھا۔ کسی مزید انہونی کے خوف سے اس کا دل کانپ کر رہ گیا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ اپنے باپ کے قریب آئی تو غصے کی شدت سے کانپتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس کے بائیں گال پر ایک زبردست تھپڑ رسید کر کے' ہاتھ میں پکڑا ایک سفید کاغذ اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ وہ کسی کا لو لیٹر تھا' جو اس کے نام لکھا گیا تھا اور یہ گمنام شخصیت کون تھی؟ زرنیلا کو بخوبی پتہ چل چکا تھا مگر وہ ساری کہانی اپنے بزرگوں کو نہیں سنا سکتی تھی' تب ہی کاغذ مٹھی میں دبوچ کر سر جھکا لیا۔ اس کے ایک تھپڑ کی سزا' اسے اس حد تک اتنی بھیانک ملے گی' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

اس کا بھائی بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ وہ بہن کے دفاع میں آواز اٹھانا چاہتا تھا مگر زرنیلا کے جھکے سر نے' اس کی زبان بند کر دی اور وہ سر جھکا کر گھر سے باہر نکل گیا۔ وہاں موجود ہر بزرگ نے اسے جی بھر کر ذلیل کیا اور وہ آنسو پیتی' سر جھکائے وہاں کھڑی رہی۔ زندگی میں پہلے ہی مصیبتیں اور آزمائشیں کون سی کم تھیں کہ اب نئے دکھوں نے اس کے گھر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔ وہ دن جیسے تیسے گزر گیا۔ مکمل دن سناٹے کی نذر ہوگیا' اگلے دن کا سورج اس سے بھی بڑھ کر رسوائی لایا۔ اس کا گھر' ایک بھرے پرے محلے میں تھا جہاں ڈبیوں کی طرح گھر ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر بنے ہوئے تھے۔ صبح اس کے محلے کی ہر دیوار پر ''آئی لو یو زرین' آئی لو یو زرین'' لکھا

ہوا تھا اور اسی چیز نے محلے والوں کی نظروں میں اسے گرا دیا۔ ہزار داستانوں نے جنم لیا' خوب چہ مگوئیاں ہوئیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں وہ محلّہ چھوڑنا پڑا۔

گنہ گار نہ ہوتے ہوئے بھی وہ گنہ گار بن گئی تھی۔ گھر والوں کے ساتھ ساتھ محلے والوں کی نظروں میں بھی اس کے لیے نفرت تھی۔ باپ اسے ایسی نگاہوں سے دیکھتا گویا کچا چبا جائے گا۔ بھائی نے اس بات کو اتنا دل پر لیا کہ راتوں رات گھر چھوڑ کر نجانے کہاں نکل گیا۔ ماں دوبارہ بستر سے لگ گئی' بہن پہلے ہی اپنے غم میں نڈھال تھی' کوئی بھی تو نہ تھا جو اس کے بہتے آنسو پونچھتا' اس کے زخم زخم دل پر' ہمدردی و محبت کے پھاہے رکھتا۔ ایک عورت سب سے لڑ سکتی ہے مگر اپنی تقدیر سے نہیں' سب کچھ بہادری سے سہ سکتی ہے مگر خود پر لگا بدکرداری کا جھوٹا الزام نہیں۔ اور اسی الزام نے اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا چھوڑا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ارش احمر ابھی اپنے اگلے قدم کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دن اچانک اس کی ملاقات مریم سے ہوگئی۔ وہ اس سے بہت خلوص سے ملا اور چونکہ دوپہر کا ٹائم تھا لہٰذا اسے اپنی طرف سے لنچ کی آفر کر ڈالی جو اس نے بنا کسی حیل و حجت کے فوراً قبول بھی کر لی۔ وہ دونوں فائیو اسٹار ہوٹل میں کارنر والی نسبتاً پُرسکون اور الگ تھلگ سی ٹیبل پر آمنے سامنے آ بیٹھے تو ارش نے مسکرا کر پوچھا۔

''اور سنایئے جناب' کیسی ہیں آپ اور آپ کی وہ ابنارمل عزیز دوست۔'' انداز میں سرا سر طنز تھا' مریم برداشت کر گئی۔

''وہ ابنارمل نہیں ہے ارش' حساس ہے۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا ہے' مرد کو ظلم کرتے بہت گہرائی سے دیکھا ہے' خود اس کے والد پڑھے لکھے ہو کر بھی جاہلوں سے بدتر ہیں' اسی چیز نے اس بے حد حساس بنا دیا ہے۔ اسے لگتا ہے دنیا کے تمام مرد خونخوار بھیڑیے ہیں' جو جب چاہیں گے' معصوم عورتوں کو نگل جائیں گے اسی لیے وہ اس صنف سے شدید متنفر ہے۔ اس روز داؤد کی شادی میں اس نے تمہارے ساتھ جوری ایکٹ کیا' وہ میرے لیے بھی افسوس کا باعث ہے مگر اس کے جواب میں' تم نے اس کے ساتھ جو کیا' وہ پوری انسانیت کے لیے شرم ناک ہے۔ ایک بے بس سی معصوم لڑکی' آپ کا کیا بگاڑ سکتی ہے' آپ بھرے بازار میں اس کے ساتھ کچھ بھی کر لو' اپنی عزت کا خوف اور سلامتی کا خیال اسے بولنے نہیں دے گا۔ وہ جذباتی ضرور ہے ارش' مگر اس کا دل بے حد خوب صورت ہے۔''

مریم اپنے مخصوص دھیمے انداز میں بول رہی تھی' اس کے ایک مختصر سے سوال پر طویل لیکچر جھاڑ رہی تھی اور اس کا سر نا چاہنے کے باوجود بھی آپ ہی آپ ندامت سے جھکتا گیا۔

''تمہیں چاہیے تو یہ تھا کہ تم اس کے دل سے مرد ذات کے لیے نفرت نکالتے' اس سے اتنا اچھا بن کر پیش آتے کہ وہ اپنا نظریہ بدلنے پر مجبور ہو جاتی' نفرتوں کو بھول کر محبت کا سبق پڑھتی مگر دنیا کے دوسرے مردوں کی طرح تم نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر اس زخم زخم لڑکی کو مزید چُور چُور کر دیا۔ ارش...... اس کی زندگی' اس کا لائف اسٹائل ہم لوگوں سے قطعی مختلف ہے۔ وہاں اگر ٹینشن ہو تو وہ خود کو اپنے شان دار سے بیڈ روم میں مقید کر کے خوب صورت مووی سے دل نہیں بہلا سکتی یا اپنی قیمتی گاڑی لے کر لانگ ڈرائیونگ پر نہیں نکل سکتی۔ پارٹیوں' کلبوں' فائلوں میں مصروف ہو کر اپنے دکھوں اور پریشانیوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی' وہاں ہر طرف محرومیاں ہیں ارش' ایک ہی صحن' ایک ہی کمرے میں جمع تمام نفوس کے مشترکہ دکھ ہیں۔ ذمہ داریوں اور لامحدود اذیتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے' بھوک و افلاس اور ''کل کیا ہوگا؟'' کی فکر ہے۔ اور تم نے اس کی جاب ختم کروا دی۔ کیا حال ہوگا وہاں؟ وہ تو پہلے ہی زندگی سے' اپنے آپ سے بھاگ رہی ہے ارش' تم نے اسے خود سے مزید دور کر دیا...... کیا یہی ہے تمہارا بڑا پن...... تمہاری مردانگی......؟'' ارش کا سر مزید جھکتا گیا۔

''لو میں تو بھول ہی گئی' تم تو انتقام لے رہے ہو اس سے' ہاں لو اس سے انتقام' اور اسے قبر کے اندھیروں میں اتار کر پھر شان دار جشن منانا' سارے دوستوں کے ساتھ' اپنی فتح کے اس جشن کو سلیبریٹ کرنا...... او کے......''

کب سے دل میں اُلٹا غبار آج اس نے ارش احمر کی سماعتوں میں انڈیل ہی دیا تھا اور وہ سن سا مبہوت بیٹھا اسے سنتا رہا۔ مریم تو صرف اس کی جاب چھوٹنے کے متعلق جانتی تھی' اس نے جو باقی کے ''کارنامے'' سرانجام دیئے تھے اگر ان کے بارے میں جان لیتی تو شاید اس کے منہ پر تھوکنا بھی نہ پسند کرتی۔ مریم کب اٹھ کر چلی گئی اسے کچھ خبر نہ ہو سکی۔ وہ اپنے آپ سے چونکا تو اکیلا بیٹھا تھا۔ ویٹر کو بل پے کر کے وہ خود بھی اٹھ کھڑا ہوا مگر پہلی بار اس کی چال میں بے حد شکستگی تھی۔

جونہی اس نے قدم گھر کی ہلیز پر رکھا' موبائل کی برز نے اسے جی بھر کر کوفت میں مبتلا کیا' تب ہی اس نے نہایت بے دلی سے کال ریسو کی۔

''ہیلو سر' شانی بول رہا ہوں' آپ کے لیے زبردست نیوز ہے۔ جو حکم آپ نے دیا تھا' سب پورا ہو گیا' آپ کا لَو لیٹر' پھولوں کا گلدستہ اور تین چار ''Miss You'' کے کارڈز' وقتاً فوقتاً میں نے بڑی ہوشیاری سے اس لڑکی کے تایا تک پہنچا دیئے ہیں اور اس کے محلے کی دیواروں پر بھی آپ کے حکم کے مطابق گھٹیا جملے لکھ دیئے' نتیجہ سو فیصد نکلا ہے سر' لوگوں نے انہیں دھکے دے کر محلے سے نکال دیا ہے' خود اس لڑکی کے باپ نے' سنا ہے کہ اس لڑکی کو بہت پیٹا ہے۔ در بدر کے

دھکے کھاتی پھر رہی ہے بیچاری' کہیے اب کیا کرنا ہے؟ آپ کہیں تو تیزاب پھینک دوں اس کے خوب صورت چہرے پر۔''

شانی نامی غنڈا' خباثت سے مسکراتے ہوئے عین کاروباری انداز میں بولا مگر ارش کو لگا جیسے اچانک ہی اس کے دل پر گھونسہ پڑا ہوا۔

''شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ' تم نے جتنا کر دیا کافی ہے۔ مزید ایسا کچھ نہیں کرو گے تم...... انڈر اسٹینڈ' جتنی جلدی ہوسکتا ہے اس لڑکی کے نئے گھر کا پتہ لگاؤ اور فوراً مجھے اطلاع دو......او کے......''

آپ ہی آپ اس کے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔ شانی نامی غنڈے نے بے حد حیران ہوتے ہوئے ''جی سر'' کہہ کر فون کاٹ دیا۔ وہ تو سوچ رہا تھا کہ ارش اس کے ''کارنامے'' پر بڑا خوش ہوگا مگر وہ تو الٹا ناراض ہوگیا تھا اور کیوں ہوگیا تھا' یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ شاید احساسِ ندامت تھا یا پھر جذبہ رحم...... بہرحال کچھ بھی تھا' اب اس کے ذہن میں پہلے جیسا کوئی فتور نہیں تھا' الٹا اسے اپنے کیے پر شرمندگی تھی۔ مریم نے درست کہا تھا' ایک نازک سی لڑکی' بے بس صنف سے مقابلہ' یا انتقام لینا' جو خود اپنے دفاع کرنے میں ہی ناکام ہو' بھلا کہاں کی مردانگی تھی؟ وہ جتنا سوچے جارہا تھا' ذہن اتنا ہی الجھ رہا تھا۔

اگلے ہی دن شانی نے اسے تمام تفصیلات پہنچا دی تھیں۔ زرنیلا کے نئے گھر' محلے اور حالات' سب کے بارے میں تفصیلی رپورٹ پیش کر دی اور وہ منتشر ذہن کے ساتھ کتنی ہی دیر' تنہا بیٹھا سوچ گیا۔ جانے کیوں پہلی مرتبہ اس کے دل میں کسی لڑکی کے لیے رحم کا جذبہ بیدار ہوا تھا۔ کسی کی بھیگی آنکھیں' مچلتے آنسو اور بے بس سا چہرہ تکلیف دینے لگا تھا' ضمیر ملامت پر اُتر آیا تھا۔ اندر بے چینی سی بکھر گئی تھی اور اسی بے چینی کی شدت کو کم کرنے کے لیے وہ اسی رات کراچی سے لاہور چلا آیا۔ زرنیلا کی بے رنگ سی زندگی میں جو کانٹے اس نے بکھیرے تھے' اب انہیں چننا بھی اسی کی ذمہ داری تھی اور وہ اپنی ذمہ داری سے ہرگز پہلو تہی برتنا نہیں چاہتا تھا۔

لاہور پہنچ کر ایک دن اس نے ریسٹ کیا' پھر دوسرے روز وہ گاڑی لے کر نکل کھڑا ہوا۔ زرنیلا کے متعلق مکمل معلومات اسے مل چکی تھیں' تب ہی اسے اس کے محلے تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی' جس گلی میں اس کا گھر تھا وہیں روڈ پر ایک چائے کا ہوٹل تھا جہاں محلے کے آوارہ نوجوان اور بزرگ لوگ بیٹھے چائے پیتے تھے۔ ارش جس وقت اس ہوٹل کے سامنے پہنچا' زرنیلا کا باپ وہیں بیٹھا چائے پیتے ہوئے گپ شپ لگا رہا تھا' اپنے سوچے سمجھے پلان کے تحت وہ گاڑی سے نکل کر سیدھا اسی کے قریب چلا آیا۔

''السلام علیکم۔'' قریب جا کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے نہایت شائستگی سے

سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' اتنے امیر آدمی کو بغیر جان پہچان کے' خود سے مخاطب ہوتے دیکھ کر وہ خاصا حیران ہوئے تھے۔ تب ہی بنچ سے اٹھ کر' حیران حیران سی آنکھیں اس پر جمائے تہذیب سے سلام کا جواب دیا۔

''وہ دراصل میں یہاں نظام الدین صاحب کی تلاش میں آیا تھا' کچھ عرصہ پہلے انہوں نے میرے آفس میں جاب کے لیے اپلائی کیا تھا مگر اس وقت سیٹ خالی نہیں تھی' اب مجھے ایک ورکر کی ضرورت پڑی' تو میں ان کی تلاش میں یہاں تک آ گیا' کیا آپ مجھے ان کے گھر کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟'' سوچے سمجھے الفاظ اس نے نہایت سلیقے سے ادا کیے تو زرنیلا کے باپ نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں جناب' ہم تو ابھی نئے نئے ہی اس محلے میں آئے ہیں' ویسے میں نے بھی ایف اے کیا ہوا ہے' اگر آپ کے آفس میں میرے لیے کوئی جگہ ہو تو...... مہربانی ہوگی آپ کی......''

وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آج کل صرف انٹر کی Base پر اچھی نوکری ملنا مشکل کی حد سے نکل کر ناممکن کی سرحد تک آ پہنچا تھا' تب ہی ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کے طور پر ارش سے درخواست کر ڈالی تو وہ مصنوعی سا چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''او۔ رئیلی' اگر ایسی بات ہے تو یہ آپ میرا وزیٹنگ کارڈ رکھ لیں' کل ٹھیک صبح دس بجے میرے آفس آ جایئے گا' انشاء اللہ یہ جاب ضرور آپ کو مل جائے گی۔''

کوٹ کی جیب سے اپنا نفیس سا اسٹائلش کارڈ نکال کر انہیں تھماتے ہوئے وہ واپس پلٹ آیا اور دوسرے ہی لمحے گاڑی بھگا لے گیا۔

اگلے روز جب اس نے اپنی لاہور فرم میں انہیں جاب دے دی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ ارش احمر کا بے حد شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ گھر پہنچے تو خوشی سے جھوم رہے تھے۔ چہرے پر کرختگی کی جگہ محبت اور سرشاری کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ فاطمہ بیگم نے خاصی حیرانی سے اپنے بدلے بدلے سے شوہر کے خوش گوار موڈ کو دیکھا۔

''فاطمہ' آج میں بے انتہا خوش ہوں' بیٹھے بٹھائے خدا نے مجھے ایک شاندار آفس میں شاندار سی ملازمت عطا کر دی ہے' مبارک ہو بیگم' بہت بہت مبارک ہو۔''

فاطمہ بیگم کی چارپائی پر بیٹھے وہ خاصی ترنگ میں بول رہے تھے اور فائیلہ' زرنیلہ کی طرف دیکھ کر محض ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔ ریاض صاحب کو جاب کیا ملی' ان کا رویہ گھر والوں کے ساتھ خود بخود ہی اچھا ہوتا گیا۔ بیکاری نے انہیں جتنا چڑ چڑا بنا دیا تھا' اب وہ سب ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ اب وہ ہنستے تھے' بولتے تھے اور سبھی کے ساتھ اچھی طرح سے بات چیت کرتے تھے۔

"جی ریاض صاحب' کہیے کیسے مزاج ہیں آپ کے .....؟ کام وام تو ٹھیک چل رہا ہے ناں......؟" اس روز ارش نے انہیں اپنے آفس میں بلا کر خاصے فرینک انداز میں پوچھا تو وہ جیسے نہال ہی ہو گئے۔

"ایک دم فرسٹ کلاس سر...... وہ میں کچھ دنوں سے آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا۔" انہیں مطمئن کر کے وہ کچھ الجھے سے انداز میں بولے تو ارش نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"جی...... کہیے ناں ریاض صاحب' کیا بات ہے؟" تھوڑی دونوں ہاتھوں پر ٹکا کر وہ پُرسوچ سے انداز میں بولا تو انہیں کچھ حوصلہ ہوا۔

"وہ دراصل میری ایک بیٹی ہے' ایم کام کیا ہوا ہے اس نے' کراچی میں ایک بینک میں بہت اچھی ملازمت تھی اس کی' مگر پھر کسی وجہ سے وہ ملازمت چھوٹ گئی۔ آج کل فارغ گھر پر رہتی ہے' اسی لیے کملا کر رہ گئی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں' آج کل قابلیت کو کوئی نہیں پوچھتا' رشوت اور سفارش سے ہی کام چلتا ہے' اگر آپ میری بیٹی کے لیے تھوڑی سی مہربانی کر دیتے تو بہت نوازش ہوگی ہم غریبوں پر۔" ان کا انداز سرا سر خوشامدانہ تھا' ارش کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"او کے ریاض صاحب' آپ کل مجھے ان کے ضروری کاغذات وغیرہ لا دیجیے گا' میں کوشش کروں گا کہ ضرور آپ کا کام ہو جائے۔"

ارش کے تسلی آمیز انداز پر ریاض صاحب کی آنکھوں کی جوت مزید بڑھ گئی اور وہ اس کا بے حد شکریہ ادا کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اگلے روز وہ نہایت خوشی کے ساتھ زرنیلا کے ہمراہ' ضروری کاغذات لے کر ارش کے بنگلے پر پہنچے تو وہ گھر پر موجود نہیں تھا لہٰذا انہوں نے وہ کاغذات ملازم کے سپرد کیے اور انہیں ارش تک آتے ہی پہنچا دینے کی تلقین کر کے مسرور' مسرور سے واپس لوٹ آئے۔ زرنیلا ان کے ہر حکم پر' دل کے قطعی نا چاہنے کے باوجود بھی سر جھکانے پر مجبور تھی۔

بینک میں زرنیلا کی جاب کا بندوبست ہو گیا تھا اور ریاض صاحب کے پاؤں مارے خوشی کے زمین پر ہی نہیں لگ رہے تھے۔ خود زرنیلا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ ملازمت جو ارش احمر کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ کر اس سے چھن چکی تھی' اب خدا نے دوبارہ اس کا نصیب بنا دی تھی اور وہ تہ دل سے خدا کی اس مہربانی' پر اس کی بے حد شکر گزار تھی۔ ساتھ ہی اس کے دل میں اس ان دیکھے مہربان شخص کا وقار بھی بڑھ گیا تھا جو اس ملازمت کے دلوانے کا وسیلہ بنا تھا اور اس کے دل نے ایک دم سے ہی کہا کہ اسے اس مہربان ہستی کا کم از کم شکریہ تو ضرور ادا کرنا چاہیے

جو اس کی خوشیوں کا پیغام بر بنا تھا اور اپنی اسی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ اپنی ماں کو بتا کر ارش کے شان دار بنگلے پر چلی آئی۔

چوکیدار نے پہلے اس کا نام پوچھ کر اندر سے اجازت چاہی' پھر ارش کی اجازت پاتے ہی اسے بڑی عزت و احترام کے ساتھ اندر جانے دیا۔ وہ شان دار ڈرائینگ روم میں بیٹھی ابھی اپنی مطلوبہ شخصیت کا انتظار کر رہی تھی' جب ملازمہ چائے کے ساتھ ڈھیروں لوازمات سجائے' ٹرالی گھسیٹتی اس کے پاس آ رکی۔ پھر چائے کا کپ بنا کر زرنیلا کو تھماتی ہوئی جس خاموشی سے آئی تھی' اسی خاموشی سے واپس چلی گئی۔ زرنیلا نے چائے ختم کر کے کپ واپس رکھا ہی تھا جب کوئی نہایت پُراعتماد قدموں سے چلتا ہوا ڈرائینگ روم میں داخل ہوا اور وہ باس کے روپ میں اپنے سامنے ارش احمر کو کھڑے دیکھ کر ایک دم بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ طویل عرصے کے بعد اس کا سامنا اس طرح سے ہوگا' اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"تت' تت......تم......" بمشکل حلق سے آواز نکلی' ارش کے لبوں پر دھیمی سی مسکان بکھر گئی۔

"جی جناب میں' خاکسار ارش احمر رضوی' کہیے کیسے زحمت فرمائی آپ نے' ہمارے دولت کدے پر تشریف لانے کی؟" ایک ہاتھ سے اپنے ریشمی بال سنوارتے ہوئے وہ ادائے بے نیازی سے بولا تو زرنیلا گڑبڑا کر رہ گئی۔

"میں یہاں اپنے باپ کے باس کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں' تمہارے دولت کدے کی شان و شوکت دیکھنے نہیں' مگر لگتا ہے کہ میں غلط جگہ پر آ گئی ہوں۔" مارے ندامت کے زرنیلا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اسے حقیقت میں بھی یہی لگا تھا کہ وہ واقعی غلط ایڈریس پر آ گئی ہے۔

"نہیں مس زرنیلا' آپ بالکل درست جگہ پر آئی ہیں' ایچولی یہ خاکسار ہی آپ کے والد کا باس ہے اور اس دولت کدے کا مالک بھی۔" وہ اس کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کا مزہ لے رہا تھا' زرنیلا حیران حیران سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کیوں......؟ حیرانی ہو رہی ہے؟ جناب بڑی پی آر ہے ہماری' تب ہی تو دیکھئے آپ کی ملازمت کا بندوبست فوری ہو گیا۔" نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر خاصے فری انداز مین کہتا ہو اوہ اسے ایک دم زہر لگا۔

"مگر مجھے تمہاری نوازشوں کی بھیک نہیں چاہیے۔" لہجے میں آپ ہی آپ تلخی عود کر آئی تھی۔

"تمہارے باپ کو تو چاہیے۔" بڑا عجب سا انداز تھا اس کا' اس کے کٹیلے الفاظ سیدھے دل پر لگے مگر اس نے خود کو ڈگمگانے نہیں دیا۔

''تو اپنی مہربانیاں میرے باپ تک ہی محدود رکھو' انہیں مجھ تک منتقل کرنے کی کوشش مت کرو۔'' قدرے چلا کر کہتے ہوئے وہ رکی نہیں' ارش کے لبوں کی مسکراہٹ خود بخود معدوم ہوگئی۔

''ایک منٹ بات سنو......''

وہ دروازے تک پہنچ گئی تھی جب ارش احمر کی آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیئے۔

''کیا تم صرف یہی سنانے کے لیے آئی تھیں؟'' بڑا عجیب سا لہجہ تھا اس کا مگر زرنیلا نے مڑ کر نہیں دیکھا اسے۔

''تمہاری بہت اچھی جاب ہے' پلیز اسے محض جذبات میں آ کر گنوا مت دینا۔''

پتہ نہیں ہمدردی تھی یا نصیحت' مگر یہ تو طے تھا کہ وہ اس کا سب سے بڑا دشمن ہونے کی حیثیت سے اپنا وقار کھو چکا تھا۔ جب ہی وہ شدید غصے کے عالم میں پلٹی اور اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر مضبوط لہجے میں بولی۔

''میں تم جیسے بگڑے ہوئے امیر زادوں کی بھیک پر نہیں جیتی' مسٹر ارش احمر صاحب! انڈر اسٹینڈ۔'' نہایت غصے سے شہادت کی انگلی اٹھا کر حقارت سے کہتے ہوئے وہ واپس پلٹ آئی اور ارش احمر سرد آہ بھر کر اسے جاتا دیکتا رہ گیا۔

منفرد لڑکیوں سے اس کا واسطہ پڑنا کوئی نئی بات نہیں تھی مگر زرنیلا احمد واحد لڑکی تھی' جو اسے بے حد مشکل اور قدرے ابنارمل لگی۔ اس نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا تھا' اس کی مہربانی سے ملنے والی ملازمت کو جوائن کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور اس کی ہٹ دھرمی پر ریاض صاحب نے تین دن تک گھر میں جو ''ڈرامہ'' لگایا تھا' اس نے گھر کے تمام مکینوں کا خون نچوڑ کر رکھ دیا۔ چیزوں کی اٹھا پٹخ' بھاگ بھاگ کر کبھی چھری' کبھی پستول' کبھی کوئی لکڑی کا ڈنڈا اٹھانا' سرخ انگارہ موٹی موٹی آنکھوں سے نکلتے شعلے' اس پر فاطمہ بیگم کی بے قصور درگت' کہ وہ سمجھاتی نہیں' بیٹیوں کو سر پر چڑھا رکھا ہے' نہایت کٹھن ماحول تھا۔ تین دن تک مسلسل بھوکے پیاسے آنسو بہاتے ہوئے وہ ارش احمر کو بد دعائیں دیتی رہی مگر اپنی ناں' ہاں میں نہیں بدل سکی۔

چوتھے دن ریاض صاحب نے کسی گنہ گار مجرم کی طرح تھک ہار کر ارش کے سامنے پیش ہوتے ہوئے معذرت کر لی' جسے اس نے فوراً ''کوئی بات نہیں ریاض صاحب'' کہہ کر قبول کر لیا تھا۔ مارے شکر گزاری کے ان کا سر تو اوپر اٹھنا ہی بھول گیا۔

''ریاض صاحب! پلیز چھوڑیں اس بات کو' ویسے بھی اس جاب کی ضرورت آپ کی صاحب زادی سے بڑھ کر کسی اور غریب لڑکی کو تھی' سو میں نے اسے دلوا دی۔ اصل میں' میں کئی

دنوں سے ایک اور مسئلے پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔'' وہ قدرے سنجیدگی سے بولا تو ریاض صاحب کا جھکا سر ایک دم سے اوپر اٹھ گیا۔

''حکم سر......'' تابعداری ان کے روئیں روئیں سے جھلک رہی تھی۔

''ریاض صاحب! آپ نے چونکہ ہمیشہ مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے ایک بیٹے کی طرح مجھے اپنے ہر مسئلے' ہر گھریلو پریشانی سے باخبر رکھا ہے' تو میرا بھی فرض ہے ناں کہ میں ایک بیٹے کی طرح ہی آپ کے مسائل حل کرنے کی کوشش کروں۔ میں جانتا ہوں آپ کو زرنیلا کے ساتھ ساتھ بڑی بیٹی فانیلہ کا بھی بہت دکھ ہے۔ چھوٹی سی عمر میں ان کی ڈائیورس نے' آپ کے اندر تلخیوں کو بھر دیا ہے' راتوں کو نیندیں اڑا دی ہیں' اسی لیے آپ کا دکھ کم کرنے کی غرض سے' میں نے فانیلہ بہن کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ دیکھا ہے۔ لڑکا مال دار ہے' ویل ایجوکیٹڈ ہے اور پھر سب سے بڑی بات' ماں باپ کا اکلوتا ہے' چونکہ میری پرانی فرینڈ شپ ہے اس کے ساتھ تو اسی لیے میں اس کی نیچر کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں' بہت اچھا ہے' آئی ہوپ وہ ہماری بہن کو خوش رکھے گا۔ آپ پلیز اس سے مل کر تسلی کر لیجئے' میں اس رشتے کی بابت تفصیلی بات کر چکا ہوں۔'' وہ متانت سے بولا تو ریاض صاحب مبہوت سے اسے دیکھتے رہ گئے۔ دل کے اندر خوشی کی دھمال ہونے لگی تھی۔ آنکھوں میں مارے تشکر اور سرشاری کے آنسو آ گئے۔ ارش کے لفظوں پر وہ فوراً ایمان لے آئے تھے۔ کیسا لڑکے سے ملنا اور کیسا جانچ پڑتال کرنا؟ ان کے لیے تو طلاق یافتہ بیٹی کا مال دار گھرانے میں دوبارہ بس جانا ہی کسی نعمت سے ہرگز کم نہ تھا۔ سو ایک دن' ارش احمر کے توسط سے سو برسے' سلجھے ہوئے امیر خان سے ملاقات کی اور شادی کی رضا مندی دے دی۔

گھر میں کسی سے بھی مشورہ کرنا یا رائے لینا انہوں نے قطعی ضروری نہیں سمجھا' بس اطلاع دے دی۔ کچھ خوش' کچھ پریشان فاطمہ بیگم کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔ فانیلہ نے دبے دبے لہجے میں انکار کرتے ہوئے رو رو کر آنکھیں سجا لیں' جس جہنم سے بمشکل اسے چھٹکارہ ملا تھا وہ اسی جہنم میں دوبارہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر ریاض صاحب کے لیے کسی کی رائے' یا آنسو کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے' سو امیر خان سے تفصیلی ہر بات طے کر کے انہوں نے شادی کی تاریخ رکھ دی۔

زرنیلا نے اپنی ماں کے ساتھ مل کر جلدی جلدی جس قدر بھی ممکن ہو سکا، شادی کے لیے شاپنگ کی' انہی دنوں ایک طویل عرصے کے بعد ساجد بھی گھر واپس لوٹ آیا اور ساتھ ہی اپنی تین سالہ کمائی' لاکھوں روپوں کی صورت میں ساتھ لایا۔ اس کی آمد سے فانیلہ کی شادی کی خوشیاں دوبالا ہوگئیں۔ خاندان والوں نے اگرچہ لاکھ ناراضگی دکھائی مگر ریاض صاحب نے ان کی ناراضی کی پروا نہیں کی۔ چھوٹے سے ریاض ہاؤس میں جگمگاتے حسین قمقموں نے گھر کی خوب صورتی کو

چار چاند لگا دیئے تھے۔ اس موقع پر ارش احمر نے واقعی سگے بیٹوں سے بڑھ کر ریاض صاحب کا ساتھ دیا۔ ہر ذمہ داری اپنے سر لے کر اس نے ریاض صاحب کو ایک دم سے ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ مہندی کے فنکشن میں اس نے جو رونق لگائی، جتنے پیسے خرچ کیے، اس پر سارے خاندان والوں کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

ریاض صاحب کی آنکھوں کا تو تارہ بن بیٹھا تھا وہ۔

فانیلہ کی رخصتی کا وقت قریب آیا تو ہلکے پھلکے میک اپ اور سادہ سے خوب صورت لباس میں ملبوس زرنیلا اسے گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ جدائی، کسی بھی طرح کی ہو، ہمیشہ آنسوؤں کا باعث بنتی ہے۔ پھر وہ تو اس کی عزیز از جان بہن تھی، لوگ اُمڈے پڑ رہے تھے۔ وہ سسکیاں بھرتی ایک جگہ کھڑی ہو کر بہن کو رخصت ہوتے دیکھتی رہی، تب ہی ارش احمر نے چپکے سے اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر مضبوطی سے اس کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا لیا۔ زرنیلا نے جیسے کسی خواب سے چونکتے ہوئے اپنے پہلو میں نظر دوڑائی، پھر اپنا ہاتھ بظاہر بے نیازی سے ارش احمر کی گرفت میں دیکھ کر وہ ایک دم سے تپ اٹھی۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔'' اپنا نازک سا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ چلائی۔

''شش..... چپ رہو، مت بھولو کہ تم ایک بے بس سی، مجبور لڑکی ہو اور میں ایک طاقت ور، ہر طرح کی ''اتھارٹی'' رکھنے والا بہ صفت مرد، اگر اس زیادتی پر چیخو گی تو تماشا تمہارا ہی بنے گا، میں تو مرد ہوں، میرا کیا بگڑے گا۔''

دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر وہ قدرے خوف ناک سے انداز میں بولا تو زرنیلا سچ مچ سہم کر ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی اور اس کی اس ادا پر بے اختیار ہی وہ کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ پھر اس کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کر کے اس کا رخ اپنی طرف کیا اور نہایت اپنائیت سے اس کی لمبی لمبی خوب صورت پلکوں میں اٹکے آنسو اپنی انگلی کی پور سے صاف کیے۔

زرنیلا تو جیسے ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں بالکل پتھر کی مانند ہوگئی۔ وہ وہاں سے گیا تو چونک کر اپنے حواس میں آئی اور اس کی حرکت کو یاد کرتے ہوئے جی بھر کر اسے بے شمار گالیوں سے نوازا۔ اپنے بے بس ہونے پر بھی اسے بہت غصہ آیا، تب ہی خود کو بھی بُرا بھلا کہہ ڈالا۔

فانیلہ کی شادی کے ہنگامے سرد پڑے تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ تین روز کے بعد ان سے ملنے کے لیے آئی تو کسی شگفتہ گلاب کی مانند کھلی پڑ رہی تھی۔ ان کی منی سی بیٹی بھی پاپا، پاپا کی گردان کرتے نہ تھک رہی تھی۔ امیر نے ہی اسے گود میں اٹھایا ہوا تھا اور وہ اس کی گود سے کسی اور کے پاس آنے کا نام نہ لے رہی تھی۔

فاطمہ بیگم تو سجدہ شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔ اور خود زرنیلا اپنی پیاری بہن کے شگفتہ چہرے کو دیکھ کر مارے خوشی کے پاگل ہو رہی تھی۔ واقعی خدا جب خوشیاں دینے پر آتا ہے تو پچھلے کھلاتے جملوں میں، ارش احمر کا ذکر ضرورت سے زیادہ تھا اور جانے کیا بات تھی کہ جب بھی زرنیلا اس کا نام یا اس کے متعلق کوئی بات سنتی، اس کا حلق تک کڑوا ہو جاتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اس سے پارسائی کا مان چھینا تھا اور ایک عورت کے لیے اپنی عزت، اپنی پاک دامنی سے بڑھ کر تو کوئی غرور نہیں ہوتا جب کہ ارش احمر نے اس کا یہی غرور پاش پاش کر ڈالا تھا اور یہی دلی کدورت تھی کہ وہ جب بھی وقتاً فوقتاً ان کے گھر آتا، وہ بیزاری اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں ادھر ادھر ہو جاتی۔ کئی بار اس نے نوٹ کیا کہ ارش کی خوب صورت آنکھوں میں محبت کا پیغام ہے یا فقط خلوص اور اپنائیت کا جذبہ ہے، وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اس کے دل میں چھپے مرد ذات سے غیظ نے اسے کبھی اس کی خوب صورت نگاہوں کے پیام کو مثبت انداز میں سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ نتیجتاً وہ ہر قدم پر اسے ہرٹ کر رہی تھی۔

کراچی سے مریم اور نوخیز گل کی شادی کا کارڈ آیا تھا اور ساتھ ہی مریم کا محبت بھرا مگر قدرے خفا خفا سا پرشکوہ خط بھی، جس میں لاہور آ کر اسے یکسر بھلا دینے پر شدید خفگی کا اظہار تھا اور بے حد مسرور سی زرنیلا یہ سوچتی رہ گئی کہ وہ اسے کیا بتائے کہ کراچی سے لاہور آ کر وہ کیوں اس سے رابطہ نہ رکھ پائی تھی۔ کراچی سے لاہور آ کر جو کٹھن وقت اس نے گزارا تھا، بھلا اس کی کیا تفصیل سناتی اسے۔

ریاض صاحب اس کے کراچی جانے پر قطعی راضی نہیں تھے مگر ارش کی سفارش پر اسے مریم کی شادی میں شرکت کرنے کی اجازت مل گئی۔ کبھی کبھی ہماری زندگی میں ایسا ہوتا ہے کہ ہم جو اپنے اصولوں، اپنے ضوابط کے بڑے پکے ہوتے ہیں، ان سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہوتا مگر کوئی ایک شخص، جو ہمارے دل میں بالکل بے ساختہ ہی اتنی اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ اس کی بات رکھنے کے لیے، ماننے کے لیے، اس کی خوشی کے لیے، اگر ہمارے اصول دھرے کے دھرے بھی رہ جائیں تو ہمیں کچھ خاص فرق نہیں پڑتا اور ریاض صاحب کی زندگی میں ارش ایسی اہمیت بنا چکا تھا۔ سو انہوں نے بڑی خوشی سے ارش کی ہمراہی میں اسی کی ذمہ داری پر زرنیلا کو کراچی جانے کی اجازت دے ڈالی۔

ارش احمر کے ساتھ، باقاعدہ فلائٹ کے ذریعے، لاہور سے کراچی کا یہ سفر زرنیلا کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا اور وہ اس پر بے حد کنفیوز تھی۔ جہاز میں بالکل اس کے ساتھ بیٹھنا اس کی مدد لینا اور ہر بات کے لیے اسے مخاطب کرنا، اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ نک چڑھی نہیں تھی، نہ ہی اپنے حسن پر کسی قسم کا غرور تھا اسے، لیکن وہ ایک شخص جس سے اس نے عملی طور پر نفرت کی تھی، جس کی

ہر ادا' ہر بات اسے جھنجلا کر رکھ دیتی تھی' وہ بھلا کیسے اس کا ساتھ' اس کی قربت اور بے تکلفی کو قبول کرتی۔

وہ ایک شخص' جو پوری دنیا کا محبوب ہو لیکن ہمارا دل اگر اس سے متنفر ہے تو خواہ کچھ بھی ہو جائے' ہماری نفرت محبت میں نہیں بدل سکتی اور ایسا ہی کچھ زرنیلا کے ساتھ تھا۔

وہ لوگ کراچی پہنچے تو نم نم سی خوش گوار ہواؤں نے ان کا استقبال کیا اور انہی منچلی ہواؤں کے باعث بے نیاز سی کھڑی زرنیلا کا ریشمی دوپٹہ اُڑ کر پاس ہی کھڑے ارش کے منہ کو ڈھانپ گیا۔ زرنیلا تو ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی جب کہ معنی خیزی سے دھیمے دھیمے مسکراتے' ارش نے دوپٹہ چہرے سے ہٹا کر' ایک بھرپور نظر اس کے خوب صورت سراپے پر ڈالی' پھر دوپٹہ چوم کر مسکراتے ہوئے اسے واپس کر دیا تو وہ سٹ پٹا کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

وہ لوگ مریم کے گھر پہنچے تو اندھیرا کافی ہو گیا تھا۔ مریم نے اسے سامنے دیکھتے ہی لپٹ گئی۔ پھر بڑی محبت سے اس کے گال چومتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا۔ ارش اتنی دیر میں گھر کے دوسرے افراد سے ہیلو ہائے کرتا رہا۔ مریم دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی اور اس کے بڑے بھائی نوید سے ارش کی بڑی گہری فرینڈ شپ تھی۔ وہ اس کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گیا۔ خوب صورت محل جیسا بنگلہ' مہمانوں کی گہما گہمی سے خاصا بارونق لگ رہا تھا۔ چونکہ کل مہندی کا فنکشن تھا لہٰذا سب کی تیاریاں اور انتظامات بھی اپنے عروج پر تھے۔ وہ دونوں چونکہ تھکے ہوئے تھے لہٰذا مریم نے جلد ہی ان کے سونے کا بندوبست کر دیا ورنہ اس کا دل تو زرنیلا سے خوب ڈھیر ساری باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا۔

مہندی کا فنکشن اپنے عروج پر تھا ہر طرف بھرپور گہما گہمی تھی۔ یہ خوب صورت رنگ برنگ آنچل ماحول کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ ارش' وہاں موجود لڑکے' لڑکیوں کے ہجوم میں کھڑا' گپ شپ لگا رہا تھا۔ سب اسے ڈانس کرنے پر فورس کر رہے تھے اور وہ مسکرا کر سہولت سے معذرت کر رہا تھا مگر کوئی بھی اس کی معذرت قبول کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ زرنیلا کچن سے فارغ ہوئی تو وہ مسلسل گپ شپ میں مصروف تھا۔ وہ بیزاری سی ہو کر اوپر مریم کے کمرے میں چلی آئی جو تنہا کھڑکی میں کھڑی' ارش اور اپنے کزنز کو بحث کرتے دیکھتے ہوئے خوب ہنس رہی تھی۔ زرنیلا کو آتے دیکھا تو پلٹ کر بیڈ پر آ بیٹھی۔

''یہ کیا زری' تم ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئیں' کیا اپنی دوست کی شادی کی کوئی خوشی نہیں ہے تمہارے دل میں۔'' نظر اس کے سپاٹ سے چہرے پر اور ہاتھ اس کے کندھوں پر جماتے ہوئے وہ قدرے پُرشکوہ سے انداز میں بولی تو زرنیلا اسے محض دیکھ کر رہ گئی۔

''کیوں' مجھے کیوں خوشی نہیں ہوگی اپنی دوست کی خوشیوں کی' میں کیا تمہاری خوشیوں

سے جلتی ہوں۔'' وہ اچھا بھلا مائنڈ کر گئی تھی' مریم نے تو سر پیٹ لیا۔

''اوہ گاڈ' ایک تو پتہ نہیں تم ہر وقت جنگ پر کیوں آمادہ رہتی ہو' خیر جلدی سے جاؤ اور کپڑے بدل کر آؤ۔ آج میں خود تمہیں تیار کروں گی' او کے.....'' اس کے گالوں کو دھیرے سے چھوتے ہوئے وہ اپنائیت سے بولی تو زرنیلا بھی مسکرا کر اپنے کپڑے پریس کرنے چل دی۔

وہ کپڑے بدل کر آئی تو حسب وعدہ مریم نے خود اسے تیار کیا اور تیار ہونے کے بعد جب اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تو ایک پل کے لیے خود بھی مبہوت سی رہ گئی۔ جانے یہ مریم کے ہاتھوں کا کمال تھا یا واقعی وہ اس قدر حسین تھی کہ آنکھ پلک جھپکنا ہی بھول گئی۔ اسے خود پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ مریم نے بھی اسے گلے لگا کر چٹ پٹ پیار کر ڈالا۔ وہ خود تو آل ریڈی تیار ہو چکی تھی۔

دونوں نیچے آئیں تو ارش' مریم ہی کی کسی کزن کے ساتھ ڈانس میں مشغول تھا اور اردگرد کھڑے لوگ تالیاں بجا کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ اس وقت مکمل جانِ محفل بنا ہوا تھا۔ ڈانس کے دوران جونہی اس کی نظر مریم اور زرنیلا پر پڑی' وہ دم بخود سا رک کر انہیں دیکھنے لگا۔ زرنیلا آج سے قبل اسے اتنی حسین کبھی نہیں لگی تھی۔ اس کے یوں مبہوت ہو کر دیکھنے پر زرنیلا نے سٹ پٹا کر سر جھکا لیا' جب کہ مریم نجانے کیا سمجھتے ہوئے کھل کھلا کر ہنس دی۔

مہندی کی یہ خوب صورت تقریب یونہی جاری تھی' مریم سامنے صوفے پر بیٹھ چکی تھی مگر زرنیلا قدرے فاصلے پر کھڑی رہی کیوں کہ مریم کے گرد اس کی کزنز کا ہجوم تھا اور وہ ہجوم سے دور بھاگتی تھی۔ ارش کے خوب صورت ڈانس پر اب وہ بھی تالیاں پیٹتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی جب کہ زرنیلا کی نظریں اس کے ساتھ ناچتی ہوئی اس مغرور سی لڑکی پر ٹکی تھیں' جو جان بوجھ کر زیادہ سے زیادہ اپنا جسم ارش کے وجود سے ٹچ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی اور اسے' اس لڑکی کی یہ حرکت نجانے کیوں عجیب سے دکھ اور ندامت میں مبتلا کر رہی تھی۔ شاید اکتا کر وہ وہاں سے جانے کے لیے پلٹی تو ڈانس کرتا ارش لپک کر اس کے سامنے آ گیا اور اس کا راستہ روک لیا۔

اس نے بوکھلا کر سائیڈ سے نکلنا چاہا تو وہ پھر سامنے ہو گیا' پھر اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑ کر زبردستی اسے اپنے ساتھ ناچنے پر مجبور کرنے لگا۔ زرنیلا کا سارا ضبط ہوا ہو گیا۔ بے حد غصے کے عالم میں اس نے ارش کو پرے دھکیلا اور تیز تیز چلتی وہاں سے ہٹ گئی۔ مریم کی حیران سی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا جب کہ ارش دھیمے سے مسکرا کر سب پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر سائیڈ پر بیٹھ گیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

''سنو ارش' کیا تمہیں زرنیلا سے محبت ہو گئی ہے؟''

مہندی کا فنکشن ختم ہونے کے بعد وہ مریم کے کمرے میں بیٹھا اسے نوخیز کے حوالے سے چھیڑ رہا تھا' جب اچانک مریم نے یہ سوال کر ڈالا اور وہ ایک لمحے کے لیے تو بوکھلا کر اسے دیکھنے لگا' مگر پھر اگلے ہی لمحے خود کو سنبھالتے ہوئے سر جھکا کر بولا۔

''کیوں' میری محبت کے لیے وہ ابنارمل لڑکی ہی رہ گئی ہے کیا......؟''

''وہ ابنارمل نہیں ہے۔'' اس کے توقع کے عین مطابق وہ بے حد چڑ کر بولی تھی۔

''او کے' او کے' مگر نارمل بھی نہیں ہے۔ ویسے بھی مجھے اس سے صرف ہمدردی ہے اور وہ بھی محض تمہارے طویل لیکچر کی وجہ سے' ورنہ میں تو ایسی بے کار سی لڑکیوں کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دوں۔''

عجب شانِ بے نیازی تھی۔ مریم نے مشکوک سی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آر یو سیریس؟''

''یس' تمہیں کوئی شک؟'' سرد آہ بھرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا تو جانے کیوں مریم کے دل میں اداسی سی بکھر گئی۔

''اگر تمہیں اس سے محبت نہیں ہے تو پھر تمہاری یہ اس سے اپنائیت' یہ چھیڑ چھاڑ......؟''

''جسٹ انجوائے منٹ میڈم' جسٹ انجوائے منٹ۔'' ارش کے لا پروا سے کھلنڈرے انداز نے اسے مزید ہرٹ کر ڈالا۔

''وہ بہت نازک اور معصوم ہے ارش' پلیز اسے ایسے خواب دیکھنے پر کبھی مجبور مت کرنا جن کی تعبیر تم اسے نہ دے سکو۔''

مریم کے سپاٹ سے انداز پر ارش نے چونک کر اسے دیکھا' پھر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

''میڈم! اطلاعاً عرض ہے کہ وہ نازک نہیں ہے' بڑی پتھر دل ہے۔ مجال ہے جو میرے الفاظ اس پر ذرا سے بھی اثر کر جائیں۔'' اس کے شریر لہجے پر مریم نے مصنوعی خفگی سے گھور کر اسے دیکھا' پھر اس کا ہنستا ہوا چہرہ دیکھ کر خود بھی دھیما سا مسکرا دی۔

''ویسے تمہارا بھی جواب نہیں' خود ہی کہتی ہو ارش' اس سے اچھا بن کر ملو' اس کا دل صاف کرو اور اب جب کہ میں اچھا بن کر پیش آ رہا ہوں اس سے' تو کہتی ہو اس سے مت کھیلو' اسے خواب مت دکھاؤ' یہ تم نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے' ہاں......؟''

نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر وہ قدرے رعب سے بولا تو مریم کھل کر ہنس دی' پھر مزے سے بولی۔ ''بندر......''

''کیا' کیا میں اتنا خوب صورت' ہینڈسم نوجوان' تمہیں بندر نظر آتا ہوں؟ او میڈم' اپنی آنکھوں کا علاج کرواؤ' مت بھولو کہ تم مابدولت کی شان میں گستاخی کر کے ہزاروں حسیناؤں کے دل

پر چھریاں چلا رہی ہو۔''

عورتوں کی طرح دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ کر وہ لڑاکا انداز میں بولا تو مریم سے اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔

''ہاں' ہاں' تمہاری وہ ہزاروں حسینائیں تو سن رہی ہیں ناں جیسے' کتنی خوش فہمیاں پال رکھی ہیں تم نے ارش؟''

ستارہ سی آنکھوں میں ہنستے ہنستے آنسو بھر آئے تھے مگر لہجہ ہنوز ارش کو چڑانے والا تھا اور وہ چڑ بھی رہا تھا۔ دونوں کی نوک جھونک رات گئے تک یونہی جاری رہی' تقریباً تین بجے وہ زرنیلا کے آنے پر سونے کے لیے اٹھا تو مریم نے سکون کی سانس لی۔

''کہاں تھیں تم اتنی دیر سے؟''

دروازہ لاک کرنے کے بعد وہ بیڈ پر زرنیلا کے روبرو آ کر بیٹھی تو پوچھ ڈالا۔

''مجھے کہاں جانا ہے' یہیں تھی نیچے آنٹی کے پاس۔'' دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے ہوئے وہ بے نیاز سے انداز میں بولی۔

''زریں! گھر میں تو سب خیریت ہے ناں' آئی مین تمہاری جاب کے چھوٹنے پر انکل نے کوئی غلط ری ایکشن تو نہیں کیا ناں......''

''نہیں' کیا تو تھا' ارش احمر کی مہربانیوں کے باعث بہت سے عذاب جھیلنے پڑے مجھے مگر بعد میں اسی نے ہر مشکل حل بھی کر دی۔'' اس کا انداز اب بھی لا پروا سا تھا۔ مریم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''میں مانتی ہوں زریں کہ تمہارے طمانچے کے باعث ارش نے وہ کچھ کیا' جو میرے خیال سے اسے نہیں کرنا چاہیے تھا مگر وہ دل کا برا نہیں ہے جان' بس زندگی نے اسے عام لڑکوں سے تھوڑا مختلف ضرور بنا دیا ہے مگر میں جانتی ہوں وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔''

''دنیا کا ہر مرد ہی اچھا ہے مریم' بس بری تو ہم عورتیں ہیں اور ہمارے نصیب۔'' پہلو بدل کر کمبل اپنے گرد لپیٹتے ہوئے وہ سرد سے انداز میں بولی تو مریم نے بے حد افسوس سے اسے دیکھا مگر پھر اسے کچھ بھی کہے بغیر خود بھی لائٹ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی کہ رات واقعی بہت بیت گئی تھی جب کہ اس کے پہلو میں لیٹی' چپ چاپ سی زرنیلا کا دھیان اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا۔ وہ ارش کی سفارش پر کراچی چلی تو آئی تھی' مگر یہ خیال مسلسل اسے پریشان کر رہا تھا کہ پیچھے نجانے اس کے باپ نے اس کی ماں' بہن کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا؟

اگلے روز مریم کا ولیمہ اور رخصتی تھی' مہمانوں سے بھرے پرے گھر میں کان پڑی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ لاہور سے زرنیلا کی ماں کا فون آیا تھا اور انہوں نے مریم کو شادی کی

مبارک باد دینے کے بعد زرنیلا کو تاکید کی تھی کہ وہ مریم کی رخصتی کے فوراً بعد واپسی کی تیاری شروع کر دے۔ تب ہی اس نے اپنی پیکنگ شروع کر دی تھی' ارش کسی کام سے اوپر کمرے میں آیا تو وہ بیگ میں کپڑے بھر رہی تھی' کچھ دیر تو وہ جانچتی سی نظروں سے اسے کام میں مصروف دیکھتا رہا' پھر آگے بڑھ کر قدرے متانت سے بولا۔

''خیریت' یہ اچانک کہاں بھاگنے کی تیاری شروع کر دی آپ نے؟''

اس کی مانوس گمبھیر آواز پر زرنیلا نے پلٹ کر ایک نظر اس پر ڈالی' پھر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو کر بے نیازی سے بولی۔

''میں کوئی چور نہیں ہوں جو بھاگنے کی ضرورت پیش آئے' لاہور سے ممی کا فون آیا ہے' میں صبح ہی لاہور واپس جا رہی ہوں۔''

''اوکے۔'' اس کے سرسری سے انداز پر ارش نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر واپس پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ بلیک سوی کے برینڈ سادہ سے سوٹ میں' ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ وہ آج بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ نکاح وغیرہ کے بعد جونہی مریم کی رخصتی کا وقت آیا' ارش نے ویڈیو کیمرہ سنبھال لیا اور تاک تاک کر زرنیلا کے مختلف پوز بنائے۔ ایک دو لڑکیوں نے نقطہ اعتراض بھی اٹھایا مگر ارش نے قطعی پروا نہیں کی' مریم کے پہلو میں بیٹھا' ہنستا کھل کھلاتا نوخیز اس کی حرکتوں پر خوب نظر رکھے ہوئے تھا۔

رخصتی کے وقت اسٹیج پر' لوگوں کا ہجوم بڑھا تو زرنیلا بوکھلا کر اسٹیج سے نیچے اتر آئی مگر جونہی لوگوں کو ہٹا کر باہر نکلنے لگی' بالکل اچانک اسٹیج پر آتے ارش سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی اور اس کا جھمکا ارش کی شرٹ میں پھنس گیا۔ لوگوں میں عجیب سی افراتفری پھیلی ہوئی تھی' کسی کو ان دونوں کا ہوش نہیں تھا۔ ارش کی گرم سانسیں زرنیلا کے چہرے کو چھو رہی تھیں اور اس کی نگاہوں کی تپش اسے پگھلا کر پانی پانی کر رہی تھی۔ ارش اس کی گھبراہٹ اور سرخ چہرے سے جی بھر کر لطف اٹھانے کے بعد اس کے الجھے ہوئے جھمکے کی طرف متوجہ ہوا اور تھوڑی سی کوشش کے بعد جھمکا شرٹ سے الگ کر دیا۔ زرنیلا نے پل کی پل نظر اٹھا کر' اسے محض سرسری سا دیکھا' پھر بھاگ کر وہاں سے چلی آئی۔

الجھی بکھری' بے ترتیب سانسوں پر قابو پاتی وہ اوپر کمرے میں آئی تو اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں اور دل تو لگتا تھا گویا پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ صبیح پیشانی پر پسینے کے چھوٹے چھوٹے قطرے اس کے اندر کا حال بخوبی عیاں کر رہے تھے' کسی مرد کی اس درجہ قربت کا یہ پہلا تجربہ تھا' تب ہی اس کی ساری بولڈنیس ہوا ہو گئی تھی۔ الفاظ دل کے اندر ہی کہیں چپ سادھ کر بیٹھ گئے۔

اگلے روز نوخیز گل کی طرف سے ولیمے کا فنکشن تھا' لہٰذا زرنیلا کے لاکھ اصرار پر بھی مریم اور اس کے گھر والوں نے اسے واپس لاہور جانے کا کوئی موقع نہیں دیا تھا۔ ارش کو چونکہ کراچی میں ابھی کچھ کام تھا' پھر آج کے فنکشن میں نوخیز کی مدد بھی کرنا تھی' بہت سی ذمہ داریوں کو سرانجام دینا تھا' لہٰذا اس نے مریم اور اس کے گھر والوں کے اس فیصلے کا خاصی خوش دلی سے خیر مقدم کیا کہ وہ اُسے اکیلا بھی واپس نہیں بھیج سکتا تھا۔

مایوں اور مہندی کی طرح' مریم کا ولیمے کا فنکشن بھی بے حد شاندار رہا تھا۔

زرنیلا اور ارش کو فنکشن کے فوراً بعد واپسی کی تیاری کرنی تھی' کیونکہ لاہور سے ریاض صاحب کے بیسیوں فون زرنیلا کی فوراً واپسی کیلئے آ چکے تھے۔

آج اُس نے ڈارک گرے کلر کا نہایت نفیس سا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ مریم اور نوخیز' ایک دوسرے کے پہلو میں کھڑے' بے حد چہک رہے تھے۔ وہ اُن کے پاس ہی کھڑا تھا' تاہم وقتاً فوقتاً نگاہ ضرور بھٹک کر' کچھ ہی فاصلے پر کھڑی' زرنیلا ریاض کے معصوم چہرے کو چھو جاتی تھی' جو اپنی کسی دیرینہ کالج فرینڈ کے ساتھ کھڑی' واپسی سے قطعی بے نیاز' اُس کے ساتھ باتوں میں مشغول دکھائی دے رہی تھی۔

وہ چونکہ اُسی کی طرف متوجہ تھا' لہٰذا اُن کی گفتگو بھی بخوبی اُس کی سماعتوں تک پہنچ رہی تھی۔

زرنیلا بڑے عام سے لہجے میں اپنی دوست سے پوچھ رہی تھی۔

''تمہاری لواسٹوری کا کیا بنا فائزہ' بات شادی تک پہنچی کہ نہیں۔''؟

''نہیں۔'' مقابل کھڑی فائزہ نے بے ساختہ سرد آہ بھری تھی۔

''کیوں۔''؟ وہ محض چونکی نہیں' بے حد حیران بھی ہوئی تھی۔

تبھی شاید اُس کی دوست تفصیل سناتے ہوئے بولی تھی۔

''وہ مجھ سے مخلص نہیں تھا زری' جسٹ فلرٹ کر رہا تھا' میں ہی پاگل تھی جو اُس کی میٹھی باتوں میں آ کر اپنا وقار تک گنوا بیٹھی' صرف اُس کیلئے' اپنے مخلص کزن سے رشتہ بھی ختم کر دیا' خاندان میں الگ' بدنامی ہوئی' پورے دو ماہ بستر مرگ پر پڑی رہی ہوں میں' مگر۔ اُسے کوئی پروا نہیں رہی' وہ جو میری ہلکی سی تکلیف پر بھی مچل جاتا تھا' اب میرے مرجانے پر بھی اُسے کوئی ملال نہیں ہوگا زری' کیونکہ اُس کی محبت کا دریا' اُتر چکا ہے' اور اب وہ بڑی فرمانبرداری سے' خوشی خوشی' اپنی ماں کی منتخب کی ہوئی لڑکی کے ساتھ شادی رچا رہا ہے' اُسے تو شاید کبھی یاد بھی نہیں آتا ہوگا کہ اُس نے مجھ سے کیا کیا کہا تھا۔'' رندھے ہوئے لہجے میں بولتی فائزہ' اُس کے دِل میں مرد ذات کیلئے نفرت کا گراف مزید بڑھا گئی تھی۔

"اب آگے کیا سوچا ہے تم نے۔"؟

"کچھ نہیں' وہ بے وفا تھا' میں مگر بے وفا نہیں ہوں' میری ہر سوچ زندگی کی آخری سانس تک صرف اُسی کی امانت رہے گی' پتہ نہیں عورت کی محبت بڑھ جاتی ہے تو مرد کا دل بدل کیوں جاتا ہے' بہرحال زندگی مجھ پر بوجھ نہیں ہے' اپنا کما کھا رہی ہوں' ماں باپ دُنیا سے رخصت ہوگئے' اب زندگی میں باقی کچھ بچا ہی نہیں ہے۔ سوائے ان سانسوں کے' یہ بھی جیسے تیسے پوری ہو ہی جائیں گی۔"

ارش دیکھ سکتا تھا کہ زرنیلا کے چہرے پر اُس وقت' عجیب سا دُکھ بکھرا ہوا صاف دیکھائی دے رہا تھا۔ وہ اُس لڑکی کو اب تک سمجھ نہیں پایا تھا۔

ویسے کا فنکشن اپنے اختتام کو پہنچا' تو اُس نے واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

ایئر پورٹ گھر سے زیادہ دُور نہیں تھا' اور اُن کی مطلوبہ فلائیٹ بھی قدرے لیٹ تھی' لہٰذا نوخیز کو اپنی روانگی کے متعلق بتا کر' وہ زرنیلا کے قریب چلا آیا' جو اب مریم کے پاس کھڑی' جانے کس بات پر دھیمے سے مسکرا رہی تھی۔

اُس کی تیاری بھی مکمل تھی۔

"ہیلو محترمہ' تیاری پکڑ لیں' آج رات بارہ بجے ہماری فلائیٹ ہے اور گیارہ بج چکے ہیں۔"

خود سے اُس کی بے نیازی پر وہ جلا تھا۔ جبکہ مریم نے اُسے گھورتے ہوئے زرنیلا کو ساتھ لگا لیا۔

اگلے کچھ لمحوں تک ایک دوسرے کو یکسر نظر انداز کیے تمام الوادعی امور نپٹا کر' وہ باہر سڑک پر آئے تو رات خاصی تاریک تھی۔

بادلوں میں چھپے چاند کی' چاندنی سے محرومی کے باعث' روڈ پر لگی ٹیوب لائٹس وغیرہ کی روشنی بھی' ناکافی پڑ رہی تھی۔ زرنیلا کو جب معلوم ہوا کہ ارش پیدل ہی ایئر پورٹ تک جانے کا اعلان کر کے گھر سے نکلا ہے تو وہ ٹھٹھک کر رُک گئی۔

"میں ایئر پورٹ تک پیدل نہیں جاسکتی۔"

سامان کا بھاری بیگ۔ ارش کے مضبوط کندھے پر ٹکا تھا' مگر اِس کے باوجود اُس کی چال میں تیزی تھی۔

"او کے' آؤ' سامان کے ساتھ ساتھ' تمہیں بھی بازوؤں میں اُٹھا کر' ایئر پورٹ تک لے چلوں۔" صرف ایک لمحے کیلئے وہ رُکا تھا۔

زرنیلا سٹ پٹا کر اُس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

"شٹ اپ۔"

"او کے' چلو پھر' میں فی الحال تمہارے ناز اُٹھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

وہ بھی سنجیدگی سے بولا تو ناچار زرنیلا کو اُس کے تیز قدموں کا ساتھ دینا پڑا۔

"ہمیں کوئی ایئر پورٹ تک چھوڑ کر بھی آ سکتا تھا۔ اِس ٹائم پیدل مارچ کرنے کی کیا تک بنتی ہے۔" کچھ ہی قدم چلنے کے بعد وہ پھر جھنجلائی تھی۔

ارش سُنی ان سُنی کرتے ہوئے تیز چلتا رہا۔

اب وہ اُسے کیا بتاتا کہ اس وقت قدم با قدم زرنیلا ریاض کا اُس کے ساتھ چلنا اُسے لطف دے رہا تھا۔

زرنیلا نے اونچی ایڑھی کے سینڈل پہنے رکھے تھے جس کی وجہ سے اسے ارش کے تیز قدموں کا ساتھ دینے میں دشواری کا سامنا ہو رہا تھا۔ بھاگ بھاگ کر اس کے برابر ہونے کی کوشش میں وہ ہلکان ہو کر نیچے بیٹھ گئی۔ ارش نے کافی آگے نکل کر یہ محسوس کیا کہ زرنیلا اس کے ساتھ نہیں ہے' تب ہی اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ خاصے فاصلے پر زمین پر دھرنا دیئے بیٹھی تھی' تیز تیز قدموں سے چلتا وہ اس کے سر پر پہنچا تو غصہ کنٹرول سے باہر تھا۔

"یہ کیا بچپنا ہے؟ فلائٹ میں محض آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے اور تمہیں یہ اٹھکھیلیاں سوجھ رہی ہیں۔"

اس کا بس نہ چلتا تھا کہ رکھ کر ایک تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیتا۔

"میں اٹھکھیلیاں نہیں کر رہی ہوں مگر تم سے قدم ملا کر چلنا بھی میرے بس کی بات نہیں ہے' میں اتنا تیز نہیں چل سکتی۔"

"تو ٹھیک ہے' پھر بیٹھی رہو' یہیں......"

قدرے درشت لہجے میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا تو ناچار زرنیلا کو اٹھ کر اس کے ساتھ جانا پڑا جو بے نیازی سے تیز تیز چل رہا تھا اور اس کا ساتھ دینے کی کوشش میں تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے ہی اس کا پاؤں مڑا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ ارش نے کوفت سے اسے دیکھا' پھر ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا۔

"ایک تو میں تم لڑکیوں کے اس فیشن سے سخت عاجز ہوں' جان چلی جائے مگر کسی سے پیچھے نہیں رہو گی تم۔"

اس کی اونچی ہیل کے جوتوں پر تنقید کرتے ہوئے وہ دانت پیس کر بولا تو زرنیلا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ مگر جہاز میں چاہنے کے باوجود بھی وہ خود کو اس سے لاتعلق نہ رکھ پائی۔ جونہی جہاز نے پرواز کی' اس نے بے حد گھبرا کر ارش کا بازو تھام لیا' پھر

جونہی جہاز نے لاہور کی سرزمین پر لینڈنگ کی' اس کی جان میں جان آئی' ارش نے ایئرپورٹ پر اترتے ہی اپنے ڈرائیور کو فون کیا' پھر اگلے بیس پچیس منٹ میں زرنیلا کو اس کے گھر ڈراپ کر کے وہ سیدھا اپنے بنگلے کی طرف چلا آیا کہ اب آنکھوں میں نیند اور تھکن کا خمار دھیرے دھیرے بڑھ رہا تھا۔

♥......♥......♥

زرنیلا مریم کی شادی سے لاہور واپس آئی تو ایک نئی ہی قیامت، شدت سے اس کی منتظر تھی۔

ریاض صاحب نے ایک مرتبہ پھر اپنی مرضی کرتے ہوئے اس کی نسبت فائیلہ کے سابقہ شوہر فقیر حسین کے ساتھ طے کر دی تھی۔

اس کی دو وجوہات تھیں۔

اول، یہ رشتہ ان کے بڑے بھائی نے خود آگے بڑھ کر مانگا تھا، لہٰذا وہ کسی صورت اپنے بھائی کی بات کو موڑ نہیں سکتے تھے۔

دوئم، زرنیلا کی عزت خاصی اچھل چکی تھی، لہٰذا ان کے خیال میں، فقیر حسین کا پرپوزل ایک طرح سے، نعمت خداوندی ہی تھا، وگرنہ وہ تو ہر وقت اس کے مستقبل کا سوچ کر ہولتے ہی رہتے تھے۔

اگلے روز ارش، آفس آیا تو انہوں نے مختصر الفاظ میں، انہیں زرنیلا کی نسبت سے متعلق آگاہ کیا۔ تاہم یہ نہیں بتایا کہ وہ اس کی شادی کس سے کر رہے ہیں؟

اپنی خوشی انہوں نے ارش سے شیئر کی تو ارش نے بھی خوش دلی سے انہیں یہ شادی دھوم دھام سے کر لینے کی نصیحت کی اور شادی کے سارے انتظامات کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی اپنے سر پر لے لی تھی۔ کچھ دن کی دوڑ دھوپ کے بعد اس نے لڑکے کو اوکے کر دیا تو ریاض صاحب نے باقاعدہ شادی کی تاریخ بھی طے کر ڈالی۔

عمر بھر شادی نہ کرنے کا ارادہ رکھنے والی' مرد ذات سے شدید متنفر' زرنیلا احمد تو دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔ نہ کسی نے اس سے پوچھا' نہ رائے لی اور کھٹ سے اس کی زندگی بھر کا فیصلہ کر ڈالا۔ بڑی بڑی کہانیاں لکھنے والی' عورتوں کے حقوق کی بات کرنے والی' کسی بے بس سے کھلونے کی مانند' اپنی ذات کا سودا ہوتے' چپ چاپ دیکھتی رہی' زندگی کبھی ایسے دوراہے پر بھی لا کھڑا کرے گی' اسے نے تو سوچا ہی نہیں تھا۔

وہ ایک شخص' جو اسے بہنوئی کے روپ میں شدید ناپسند تھا' اس کے باپ نے اسی شخص کو اس کا نصیب بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اپنی کہانیوں میں وہ یہ بات لکھنا تو بھول ہی گئی تھی کہ

عورت سب سے بڑھ کر قربانی تو بیٹی کے روپ میں دیتی ہے' ایک باپ ہی کبھی کبھی اسے عمر بھر کے لیے آنسوؤں کی سوغات سونپ دیتا ہے اور وہ اپنے دفاع میں اُف تک کہنے کی مجاز بھی نہیں ہوتی۔ ماں کی روئی روئی سرخ آنکھیں' اپنی بہن کے لبوں پر جامد خاموشی کا قفل اور بھائی کے گھر سے غیر حاضری نے اُسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اس تک یہ خبر پہنچنے سے قبل لوگ اس کے دفاع کا اسٹینڈ لے چکے ہیں۔ کل رات ہی ریاض صاحب نے اپنے کمرے میں اس کو طلب کیا تھا' جہاں اس کے تایا' چچا اور ان کے بیٹے' سبھی جمع تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے باپ نے نہایت خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کھردرے لہجے میں کہا تھا۔

''دیکھو زریں' آج جو بات میں تم سے کہنے جا رہا ہوں اسے کان کھول کر سن لو اور سمجھ لو' میں جانتا ہوں کہ تم انتہائی بدتمیز اور خود سر لڑکی ہو مگر میں بھی تمہارا باپ ہوں۔ اس بار اگر تم نے میرے فیصلے سے انحراف کیا تو زندہ زمین میں گاڑ دوں گا' سمجھیں تم......؟'' ان کے سخت کھردرے لہجے پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا' اس وقت اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کیا کہنا جا رہے ہیں۔

''سنو زرنیلا' میں فقیر حسین سے تمہارا رشتہ طے کر رہا ہوں اور یہ سب تمہاری ہی کرتوتوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ نہ تم فائیلہ کی زندگی میں زہر گھولتیں' نہ یوں آج اس کے شوہر سے نکاح کرنا پڑتا' میں ساری عمر اپنے بھائی سے دور نہیں رہ سکتا' اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارا نکاح فقیر حسین سے کر دوں تاکہ نہ تو جہیز وغیرہ کا کوئی مسئلہ ہو اور نہ ہی تمہیں ساری عمر چوکھٹ پر بٹھائے رکھنے کا بوجھ برداشت کرنا پڑے۔ یہ بھی میرے بھائی کا بڑا پن ہے کہ وہ میری عزت کو اپنی عزت سمجھتے ہوئے اپنے اتنے قابل بیٹے کے لیے آنکھوں دیکھی مکھی نگل رہے ہیں وگرنہ تمہیں تو ساری عمر خوب نام روشن کرنا تھا میرا......''

نجانے ان کے الفاظ تھے یا کوئی تیز دھار' نوکیلا خنجر' زرنیلا کو لگا اس کا دل پل کے پل میں ہی لہولہان ہو گیا ہو۔ سماعتوں میں یکدم سناٹا اتر آیا۔ اس کے سگے باپ نے اس کے لیے ان لفظوں کا استعمال کیا تھا' جو کسی غیر کی زبان سے ادا ہو کر بھی اسے پاش پاش کرنے کو کافی تھے۔ اس وقت وہ کیسے اپنے کرچی کرچی سے وجود کو سنبھالے وہاں سے اپنے کمرے تک واپس آئی' اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔ آنسو تھے کہ پلکوں کا بند توڑ کر گالوں پر بکھرنے کو بے تاب تھے مگر وہ انہیں آنکھوں کے اندر ہی جلاتی رہی۔ اس کا دل کسی بے بس سے پنچھی کی مانند' لاچاری کے آہنی پنجرے سے ٹکرا رہا تھا۔ رو رو کر اس نے آنکھیں سجا لی تھیں۔ اپنے آپ کو کمرے میں قید کر کے' خوب اپنی بدنصیبی پر آنسو بہائے مگر وہاں اس کے آنسوؤں کا اثر ہی کس پر تھا۔ کراچی سے مریم کا فون آیا تھا اور وہ خوب چہکتے ہوئے' حقیقت حال سے یکسر لاعلم اسے شادی کی مبارک باد دے رہی تھی' چھیڑ

چھاڑ کر رہی تھی۔ زرنیلا نے کس ضبط سے اس سے' اس وقت بات کی' یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔

ارش' ریاض صاحب کے ہمراہ' دولہا کے لیے انگوٹھی' زرنیلا کے لیے گولڈ کا سیٹ' کپڑے اور دیگر ضروری اشیاء کی خریداری میں پیش پیش تھا اور ریاض صاحب اس کی ان مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتے نہ تھک رہے تھے۔ ارش کو لگا تھا کہ اس نے اپنی زیادتیوں کا ازالہ کر دیا ہے بلکہ اپنے جرم سے کہیں بڑھ کر کفارہ ادا کر دیا تھا۔ زرنیلا بفضل خدا بالآخر گھر والی ہو رہی تھی مگر اس کا گھر والا کون تھا' کیا تھا' یہ تاہال اس نے جاننے کی زحمت گوارہ نہیں کی اور نہ ہی اسے اس سے کوئی دل چسپی تھی۔ اس کے اطمینان کے لیے یہی کافی تھا کہ لڑکا زرنیلا کا کزن ہے' تب ہی پُرسکون ہو کر اس نے ہمیشہ کے لیے اپنے مستقل دوبئی شفٹ ہو جانے کا پلان بنا رکھا تھا۔

اس روز آفس سے واپسی پر' وہ اپنے ایک دوست کی خبرگیری کے لیے قریبی ہوسپٹل آیا تو وہاں ریاض صاحب کو پریشان سا بیٹھے دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ انہی کے بتانے پر اسے معلوم ہوسکا کہ زرنیلا ہوسپٹل میں ایڈمٹ ہے اور اس کی حالت بہت خراب ہے۔ ریاض صاحب کی اپروچ چونکہ بہت محدود سی تھی' تب ہی وہ خود آگے بڑھا اور ڈاکٹرز سے زرنیلا کے سلسلے میں بات کی۔ ان کے مطابق زرنیلا کے دل و دماغ پر کسی گہرے صدمے کا اثر ہوا تھا اور وہ اپنا ذہنی توازن دھیرے دھیرے کھو رہی تھی۔ یہ سب سن کر اسے گہرا شاک لگا تھا' تب ہی ریاض صاحب کو ضروری انجکشن اور میڈیسن وغیرہ خریدنے کا آرڈر دے کر وہ زرنیلا کے پاس چلا آیا' جس کی حالت اس وقت بے حد قابل رحم تھی۔

سفید رنگ کے میلے چیکٹ کپڑوں میں' بکھرے بالوں اور دھنسی ہوئی آنکھوں والی وہ کم زور سی لڑکی' اسے ہرگز زرنیلا نہیں لگی' جس کی آنکھوں سے بے ہوشی کے باوجود پانی خشک نہ ہوا تھا۔

ریاض صاحب میڈیسن وغیرہ لے آئے تھے مگر زرنیلا کو تاحال ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ ایک کم زور سی حساس لڑکی' جس سے اس کا تعلق ماسوائے انسانیت کے اور کچھ بھی نہیں تھا' نجانے کیوں اس وقت اسے بے حد اذیت میں مبتلا لگی۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ کہیں ضرور کچھ غلط ہے۔ مگر کیا......؟ یہ فی الحال اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر مزید ٹھہرنے کے بعد وہ ابھی اٹھنے کا سوچ ہی رہا تھا' جب ریاض صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور دھیمے لہجے میں' عاجزی سے بولے۔

''سر! اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو پلیز کچھ دیر مزید یہاں رک جائیں' میں گھر جا کر اس کی ماں کو خیر خبر کی اطلاع دے آؤں۔'' ان کا انداز ایسا تھا کہ ارش چاہتے ہوئے بھی انکار نہ کر سکا اور اثبات میں سر ہلا کر وہیں زرنیلا کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں زرنیلا کو ہوش آ گیا۔ اس نے جونہی آنکھیں کھولیں' نجانے کب سے رکے ہوئے کتنے ہی آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر گالوں پر

لڑھک آئے۔ ارش لپک کر اس کے قریب آیا۔

''زریں' آر یو اوکے؟'' بے حد اپنائیت سے اس نے پوچھا تھا مگر زرنیلا نے کرب سے آنکھیں بھینچ لیں۔

''کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ کون سا دکھ پال لیا ہے تم نے دل میں؟'' بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ کر وہ پھر پرخلوص انداز میں بولا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے' پاگل ہوگئی ہوں میں' ہے اس مرض کا کوئی علاج تمہارے پاس؟'' وہ چلا کر بولی تھی۔ ارش نے چپ چاپ سر جھکا لیا۔

''کیا تم کبھی زندگی سے کمپرومائز نہیں کروگی زریں' ہمیشہ ایسے ہی ری ایکٹ کرتی رہوگی؟'' اسے دلی طور پر اس سادہ سی لڑکی کا یہ جذباتی پن' دکھ دیتا تھا' نجانے کیا بات تھی کہ وہ اسے ہنستا مسکراتا ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

''ہاں' نہیں کرنا مجھے زندگی سے کمپرومائز' نہیں زندہ رہنا چاہتی میں۔ تمہیں کوئی تکلیف ہے' کیوں ہر قدم پر الجھ جاتے ہو مجھ سے۔''

بے حد چڑ کر وہ اٹھ بیٹھی' ارش ابھی مزید اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسی پل ریاض صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو وہ چپ رہ گیا۔ پھر ریاض صاحب سے ایکسکیوز کر کے وہاں سے چلا آیا۔ زرنیلا کا یہ حالیہ رویہ اس کی سمجھ سے قطعی باہر تھا۔ وہ جتنا اس کے ساتھ اچھا بن کر پیش آ رہا تھا' وہ اتنا ہی اس سے چڑتی جا رہی تھی اور اس کا یہی بی ہیویر اسے مسلسل الجھا رہا تھا۔

وہ گھر پہنچا تو دل و دماغ میں عجیب سی بے قراری پھیل چکی تھی۔ بے حد کم زور' بکھری بکھری زرنیلا احمد کے اجڑے سے روپ رنگ نے جیسے اچانک ہی اس کے دل پر ہاتھ ڈالا تھا۔ خالی خالی نگاہوں میں اس کا بکھرا بکھرا سراپا جم کر رہ گیا تھا۔ طبیعت پر ایک دم سے بے کلی چھا گئی۔ دل جیسے کسی اَن دیکھے جذبے کی گرفت میں آ گیا تھا۔ سکون و قرار تو جیسے رخصت ہی ہو گیا۔ عجیب سی بے قراری بھر گئی تھی' سینے میں کہ کسی کل قرار نہیں تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟ میرا دل بے سکون کیوں ہو رہا ہے؟ خود پر سے میرا اختیار کیوں اُٹھ رہا ہے؟'' ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے وہ انہی سوالوں میں الجھا رہا اور آنسوؤں بھری دو جھیل سی آنکھیں بار بار اس کے تصور میں آ کر' اسے بے چین کرتی رہیں۔ اگلی صبح وہ بیدار ہوا تو بادامی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے نمایاں تھے اور سارے بدن پر عجیب سی تھکن کا احساس غالب تھا۔ ناشتے میں صرف چائے کا کپ پی کر وہ ہوسپٹل پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ زرنیلا کو کل رات ہی ڈسچارج کر دیا گیا تھا اور اس اطلاع پر وہ الجھا الجھا سا دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

زرنیلا کی شادی کے دن تیزی سے قریب آ رہے تھے' دونوں گھرانوں میں بالکل ایسے شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں جیسے یہ پہلی اور آخری شادی ہو۔ فاطمہ بیگم تو بستر کی ہو کر رہ گئی تھیں مگر ریاض صاحب کو ان کی قطعی پروا نہیں تھی۔ ادھر ہر گزرتے دن کے ساتھ ارش کو لگ رہا تھا کہ وہ کسی ریت کے پتلے کی مانند ڈھے رہا ہے' اندر سے کھوکھلا ہو رہا ہے۔ ابوظہبی سے اس کے ڈیڈ وقتاً فوقتاً فون پر اس سے ہیلو ہائے کرتے رہتے تھے مگر اب ارش کی آواز میں وہ پہلی سی کھنک نہیں رہی تھی اور احسن احمر صاحب نے اس بات کو خصوصی طور پر نوٹ کیا تھا ارش سے اس کا سبب بھی پوچھا تھا مگر وہ ہر بار بڑی سہولت سے ٹال دیتا۔

قدرت اللہ شہاب نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ اسے جب اپنی محبوبہ سے شدید محبت کا احساس ہوا تو اس کی محبوبہ کو مرے تین دن ہو گئے تھے' لگ بھگ ایسا ہی کچھ ارش احمر کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ محبت کے وجود سے منکر نہیں تھا مگر محبت یوں بغیر سوچے سمجھے' کسی بیماری کی طرح' بالکل اچانک دل پر اٹیک کرے گی' ایسا کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

اس نے تو کبھی زرنیلا کو اس نظر سے دیکھا ہی نہیں تھا' پھر اس کی محبت کا پودا' یوں اچانک حادثہ بن کر' کیوں اُگ آیا تھا' اس کے دل کی دھرتی پر' وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

عملی طور پر تو وہ اب بھی ریاض صاحب کے ساتھ' زرنیلا کی شادی کے انتظامات میں آگے آگے تھا مگر اب دل کی حالت بدل گئی تھی۔ آنکھیں بات بے بات بھر آنے کو بے تاب رہتی تھیں' اپنے دل کو سمجھانا بہت مشکل ہو رہا تھا' اسے جب ہی زیادہ سے زیادہ بزنس میں مصروف ہو کر پہلو بچا رہا تھا۔

پچھلے تین روز سے وہ شدید بخار میں مبتلا تھا اور اس کے محل جیسے شان دار بنگلے میں اس کا کوئی ایسا اپنا بھی تو نہیں تھا جو اسے ایک گھونٹ پانی ہی پلا دیتا۔ زرنیلا مایوں بیٹھ چکی تھی' ریاض صاحب بار بار فون کر کے اسے بلا رہے تھے' مشورہ کر رہے تھے اور ارش کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی سماعتیں جیسے ہی زرنیلا کی رخصتی کی خبر سنیں گی' اس کے جسم سے اس کی روح بھی پرواز کر جائے گی۔ گزشتہ ایک ماہ سے اس نے زرنیلا کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی' مگر پھر بھی اس کی زور آور محبت آگ بن کر لہو میں دوڑ رہی تھی۔

کچھ بھی خاص نہیں تھا اس میں۔ وہ بس ایک عام سی لڑکی تھی۔ نہ تو وہ آسمان سے اتری کوئی حور تھی' نہ کسی پرستان کی پری۔ مگر پھر بھی اسے ہر طرف ایک اسی کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا لٹا لٹا سا' بکھرا ہوا وجود تڑپا رہا تھا۔ بند پلکوں کے آنسو تکلیف دے رہے تھے۔ یہ وہ حقیقت تھی جسے اگر کسی افسانے میں پڑھتا' یا کسی فلم میں دیکھتا تو ہنس کر جھٹلا دیتا مگر اب تو بات زندگی کی تھی اور زندگی بھی اس کی اپنی۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ محبت یوں کسی آکٹوپس کی طرح' پل کے پل

میں ہی اس کے دل کو جکڑ لے گی تو وہ کبھی ہوسپٹل نہ جاتا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ خدا سے رو رو کر' گڑگڑا کر اس کا حصول مانگے یا اس کی دائمی خوشیوں کی دعا؟ اور اگر وہ ہاتھ پھیلا بھی لے تو کیا خدا اس کی صدا سنے گا؟ اس کی طرف توجہ کرے گا؟ وہ تو بے حد گنہ گار تھا' امیرانہ زندگی کی گہما گہمی نے اسے کبھی نماز' قرآن کی طرف تو آنے ہی نہیں دیا تھا۔ خدا کے حضور سجدوں اور تسبیح کے دانوں پر گن کر اس پاک و بے نیاز کے مقدس نام کے ورد کو وہ تو محض بڑھاپے کے فارغ وقت کی ضرورت سمجھتا تھا۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ زندگی ایک دن اسے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کرے گی' جہاں اسے ایک عام سی لڑکی کے لیے' اس بزرگ و برتر کے حضور گڑگڑا کر رونا پڑے گا۔

شدید بخار کے باوجود وہ مصلے پر بیٹھا تو گرم گرم کتنے ہی آنسو گالوں پر لڑھک آئے۔ اس نے ساری زندگی کبھی نماز کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی مگر اب' جب کہ اسے کسی کی طلب تھی' کچھ چاہیے تھا' تو وہ اس بزرگ و برتر کے حضور کا سوالی بن گیا جو ہر پل کہتا ہے کہ میری طرف ایک قدم بڑھاؤ' میں تمہاری طرف دس قدم بڑھاؤں گا۔ جو کہتا ہے اے میرے بندے' تو سچے دل سے مجھ سے کچھ مانگ کر تو دیکھ' عطا نہ کر دوں تو کہنا۔ تو مجھے پکار کر دیکھ' تجھے ہر دکھ سے بے نیاز نہ کر دوں تو کہنا۔ مگر وہ اپنی زندگی کے چھبیس سالوں تک' اس پاک بے نیاز کی کبریائی سے غافل' اپنی ہی ذات میں الجھا رہا۔

اس پوری رات وہ رو رو کر گڑگڑا کر خدا کے حضور اپنے گناہوں کی مغفرت اور دل کے سکون کی دعا مانگتا رہا اور یہ اس کے حضور سر جھکانے کا اعجاز ہی تھا کہ وہ سورج نکلنے سے قبل' پُرسکون ہو کر' نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

اگلے روز زرنیلا کی رخصتی تھی اور وہ خود پر ضبط کے کڑے بند باندھے ریاض صاحب کے بے حد اصرار پر ان کے گھر چلا آیا۔ کراچی سے نوخیز اور مریم کل ہی پہنچے تھے مگر مریم سے مل کر اس نے واضح محسوس کیا کہ وہ زرنیلا کی شادی سے قطعی خوش نہیں تھی اور کیوں خوش نہیں تھی' یہ سمجھنے سے وہ قاصر تھا کیوں کہ اس نے سوائے حال احوال کے' زرنیلا سے متعلق کوئی ایک بات بھی اس سے نہیں کی تھی۔ وہ بددل سا اسٹیج کی طرف چلا آیا' جہاں دولہا صاحب کے شان دار استقبال کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں' اسٹیج کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ ڈیکوریٹ کر کے' برات کو شایان شان طریقے سے "خوش آمدید" کہنے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی۔ سب کی نظریں دولہا صاحب کے انتظار میں رستوں پر بچھی تھیں اور وہ ایک طرف کھڑا آنسو پیتے ہوئے' خدا سے اپنے لیے صبر کی دعا مانگتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر میں برات اپنی پوری تیاری کے ساتھ آ پہنچی تو ہر طرف گہما گہمی میں چار چاند لگ گئے۔ بوکھلائے ہوئے سے ریاض صاحب حد درجہ خوش لگ رہے تھے۔ وہ ایک نظر ان

کے ہونے والے داماد پر ڈال کر اپنے بے قرار دل کو بمشکل سنبھالے گھر کے اندر آیا تو مریم اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کمرے میں لے گئی' جہاں میرون لہنگا کرتی میں' تیکھے نقوش والی وہ پیاری سی لڑکی' دلہن بنی' سیدھی دل میں اتر رہی تھی۔ آج سے پہلے اس نے کبھی اس چہرے کو جی بھر کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ کبھی اس وجود کو اس نے اتنا اہم نہیں سمجھا تھا مگر آج وہی عام سی لڑکی' کسی اور کے لیے سج سنور کر' اس کا دل کاٹ رہی تھی۔ دل کے اندر طوفان اٹھا رہی تھی۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنا ضبط نہ کھوئے مگر رتجگوں کی غماز آنکھیں' بے تحاشا سرخی لیے' آنسو لٹانے کو بے تاب تھیں۔

''اسے دیکھو ارش! اپنے بہنوئی سے نکاح کرنے جا رہی ہے یہ' اپنی بہن کے سابقہ شوہر سے۔ دیکھو اس ابنارمل لڑکی کو' جو اپنے حق میں آواز نہیں اٹھا رہی' پلیز اسے سمجھاؤ ارش' اسے سمجھاؤ کہ یہ یوں اپنی ذات کو قربان نہ کرے' کچھ تو کہے' کچھ تو بولے......''

مریم کی بھیگی ہوئی تیز آواز نے اسے چونکا ڈالا تھا' وہ جیسے کسی ٹرانس کی سی کیفیت سے باہر نکلا' کیا ہونے جا رہا تھا' کیوں ہو رہا تھا' وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔ تب ہی لٹے لٹے سے دل کے ساتھ' ایک تشنہ سی نظر اس کے دل کش سراپے پر ڈال کر' دوسرے ہی پل مریم سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔ پتھر کی مورت کی مانند' وہ ساکت سی بیٹھی' اس کا صبر لوٹ گئی کب سے رکے آنسو بالآخر بہ نکلے اور وہ سسک سسک کر رو پڑا۔

''تو مجھے صبر کیوں نہیں دیتا' تو ہر چیز پر قادر ہے' تو بنا دے اُسے میرا نصیب' جس کی محبت میرے دل میں جگائی ہے تو نے۔ اور اگر وہ میرے نصیب میں نہیں ہے تو مجھے صبر دے دے' صبر تو دے سکتا ہے ناں تو......''

پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے وہ خدا سے شکوہ کناں تھا۔ دائیں بازو کو دیوار سے ٹکائے پیشانی کو اس سے ٹکراتے ہوئے وہ کتنی ہی دیر روتا رہا۔ پورا بازو آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا' محبت میں دائمی جدائی کا یہ دکھ اس سے سہا نہیں جا رہا تھا۔ انسان ہر چیز سے لڑ سکتا ہے مگر اپنی تقدیر سے نہیں' اور یہ تقدیر ہی تھی جو اس خوبرو' کروڑ پتی انسان کو فقط ایک عام سی لڑکی کے لیے یوں رُلا رہی تھی۔ محبت اگر حسن کی محتاج ہوتی تو جانے وہ کب کا' یورپ کے قدم قدم پر بکھرے حسن میں کہیں اٹک چکا ہوتا مگر محبت حسن ہی تو نہیں ہوتی' یہ تو بس ایک نظر کا سوال ہوتی ہے اور اس ایک نظر کے سوال میں وہ اپنا آپ ہار گیا تھا۔

نکاح کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ زرنیلا کے تایا اور تائی کے نازنخرے آسمان سے باتیں کر رہے تھے' مولوی صاحب اسٹیج پر تشریف لے آئے۔ دولہا فقیر حسین کی آنکھوں میں بجائے کسی قسم کی خوشی کے ایک عجیب سا غرور اور نخوت تھی۔ مولوی صاحب نے اس سے مصافحہ کرنے کے

بعد نکاح کا رجسٹر کھولا اور ضروری سورتیں وغیرہ پڑھنا شروع کی ہی تھیں کہ اسی پل دولہا صاحب کے والد' اچانک دل پر ہاتھ رکھ کر دھڑام سے زمین پر گرے اور کچھ ہی پلوں میں بنا ایک بھی لفظ منہ سے نکالے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ہر طرف عجیب سی افراتفری پھیل گئی۔ عورتوں کے بین بلند ہونے لگے۔ شادی والا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ جہاں کچھ دیر پہلے قہقہے گونج رہے تھے' وہیں چیخ و پکار پھیل گئی۔ اس شادی کے بندھن کو نحوست قرار دیا جانے لگا۔ وہ عورتیں' جو ابھی تھوڑی دیر پہلے زرنیلا کو سراہتی نہ تھک رہی تھیں' اب اسے ڈائن' منحوس اور نجانے کن کن القاب سے پکار رہی تھیں۔ ارش تو حیران کا حیران ہی رہ گیا۔ بھلا ایسا کب چاہا تھا اس نے؟ اپنے تڑپتے دل کے قرار کے لیے، بھلا اس کی یہ رسوائی کب مانگی تھی اس نے اور زرنیلا' جو اندر کمرے میں بیٹھی' یہ سب القاب سن رہی تھی' کیسے سن سی بیٹھی رہ گئی۔ اگر کاتبِ تقدیر نے اس کی شادی کی تقریب میں کسی کی موت کا حادثہ لکھ ڈالا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ اگر خدانخواستہ اس کے گھر کے کسی فرد کو تایا کے گھر میں کچھ ہو جاتا تو کیا لوگ فقیر حسین کو منحوس کہتے؟ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے نصیب کی سیاہ بختی نے دل کی وادی میں بھونچال مچاتے آنسوؤں کو بغاوت کر کے پلکوں کا بند توڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تائی' ان کی پانچوں بیٹیاں اور دیگر رشتے دار زرنیلا اور اس کے گھر والوں کو کوسنے دیتے' میت لے کر اپنے گھر واپس چلے گئے۔ ریاض صاحب منت کرتے' پاؤں پکڑتے ہی رہ گئے۔ سادگی سے صرف نکاح کے دو بول پڑھوا کر' زرنیلا کو ساتھ لے جانے کا اصرار کرتے رہے مگر تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ کھڑا فقیر حسین' ٹس سے مس نہ ہوا اور بنا نکاح کیے اپنے باپ کی میت کے ساتھ واپس چلا گیا تو ریاض صاحب کسی ٹوٹے ہوئے درخت کی مانند' زمین پر بیٹھتے گئے۔

ارش نے افسوس سے انہیں دیکھا' تھکے تھکے سے قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب آ کھڑا ہوا اور اپنا ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھ دیا۔ پھر اسی وقت زرنیلا کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو مارے تشکر کے ریاض صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے عقیدت مندی سے اس کا ہاتھ چوم لیا۔ لوگوں کی زہر اگلتی زبانیں ایک دم خاموش ہو گئیں تھیں۔

سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا مگر اب خوشیوں کے رنگ بدل گئے تھے۔ فانیلہ آپی' مریم' نوخیز' فاطمہ بیگم اور خود ریاض صاحب کے علاوہ ان کے سبھی خیر خواہ دل سے مسکرا رہے تھے' سب کی آنکھوں میں سچی خوشی چھلک رہی تھی۔ فاطمہ بیگم فرطِ جذبات سے ارش کی پیشانی بار بار چوم کر اسے دعائیں دے رہی تھیں جب کہ فانیلہ آپی اور مریم کا تو بس نہ چلتا تھا کہ ہواؤں میں اڑنے لگیں۔

ابھی تھوڑی دیر قبل چونکہ گھر میں فوتگی ہو چکی تھی' تب ہی تمام رسموں کو سمیٹ کر' صرف سادگی سے نکاح کر دیا گیا۔

رخصتی کا وقت قریب آیا تو ریاض صاحب نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا' مگر وہ ان کے گلے لگ کر نہیں روئی' فاطمہ بیگم خوشیوں کے آنسوؤں کے ساتھ' اسے ڈھیروں پیار کرتے ہوئے خود سے لپٹا رہی تھیں۔ باری باری سب سے مل کر وہ ارش کی گاڑی میں آ بیٹھی' تو ریاض صاحب نے قدرے ندامت سے سر جھکا لیا۔

چونکہ ارش اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس شہر میں بالکل اکیلا تھا' تب ہی اس کی طرف سے بھی زرنیلا کے گھر والوں اور رشتہ داروں نے ہی ذمہ داریاں نبھائیں۔ نوخیز گل نے بالکل سگے بھائیوں اور مریم و فانیلہ آپی نے سگی بہنوں سے بڑھ کر اپنے فرائض سر انجام دیئے۔ امیر خان نے بھی اپنی پرخلوص دوستی کا حقیقی معنوں میں حق ادا کیا اور قطعی کسی طرح کی کمی محسوس نہیں ہونے دی مگر پھر بھی ارش کو اپنی خوشی کے اس خوب صورت موقع پر اپنے ڈیڈ مسٹر احسن احمر حیات صاحب' شدت سے یاد آئے اور اس نے اسی وقت انہیں کال کر کے اپنی شادی کی خوش خبری سنائی تو انہوں نے اس کی توقع کے عین مطابق اس خبر پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ زرنیلا کو خوب صورت سے بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا تو وہ مہمانوں کے درمیان سے اٹھ کر مسجد کی طرف آ گیا' جہاں اس نے خلوصِ دل سے حضورِ خدا میں شکرانے کے دو نوافل ادا کیے۔

خدا اپنے بندوں سے کہتا ہے "تُو سچے دل سے کچھ مانگ کر تو دیکھ' عطا نہ کر دوں تو کہنا" اور یہ بات بالکل صادق آ گئی تھی۔ اس کے دل سے نکلی سچی صدا' عرشِ بریں پر پہنچ کر قبولیت کا درجہ پا چکی تھی اور وہ اس پر بے انتہا خوش تھا۔

زرنیلا بالکل اچانک حادثاتی طور پر اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی مگر اسے لگ رہا تھا کہ جیسے پوری کائنات سمٹ کر اس کے قدموں تلے آ گئی ہو۔ رات کے تقریباً دو بجے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو نظر بے اختیاری طور پر بڑی بے تابی کے ساتھ' سامنے ہی بیڈ پر سجی سنوری بیٹھی زرنیلا احمد کے سراپے میں الجھ گئی' جو حسبِ سابق گم صم سی پتھر بنی بیٹھی تھی۔ دروازہ لاک کر کے نپے تلے قدم اٹھاتا وہ اس کے بالکل سامنے آ بیٹھا' دل عجیب سے وسوسوں کا شکار تھا۔ اس کی یہ چپ' یہ گہری سنجیدگی' اسے تکلیف دے رہی تھی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اگر وہ اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا تو جواب میں وہ بھی اس سے محبت کرتی مگر اس نے بھی خود سے عہد کر لیا تھا' اسے بے پناہ محبت دینے کا' اس کے اندر کی ہر غلط فہمی' محرومی دور کر کے اسے خود سے محبت پر مجبور کر دینے کا' تب ہی اسے یوں پتھرایا ہوا سا دیکھ کر بھی وہ مایوسی کا شکار نہیں ہوا۔

"کیا بات ہے جناب؟ ہم سے شادی کی خوشی میں کیا سکتہ ہو گیا ہے؟"

اس کے خوب صورت چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لے کر اس کا ایک ایک روپ

نگاہوں میں اتارتے ہوئے وہ قدرے شوخی سے بولا مگر زرنیلا کے سپاٹ چہرے پر قطعی کوئی رسپانس دکھائی نہ دیا۔ ارش نے سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے وہ اس کی سابقہ حرکتوں پر شدید خفا' اس سے اس شادی پر اپنی ناخوشی کا اظہار کرے گی' اپنی ناپسندیدگی جتائے گی اور وہ بہت پیار سے اسے منا لے گا' اس کی ہر ناراضگی' ہر دکھ' گلہ شکوہ دور کر دے گا مگر ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ تو کسی پتھر کے مجسمے کی مانند' ساکت سی چپ بیٹھی تھی۔

"کچھ تو کہو زریں' کم از کم مجھ سے نفرت کا اظہار ہی کرو' پلیز......"

اس کی خاموشی سے وہ خاصا ہرٹ ہوا تھا' تب ہی اس کا ہاتھ تھام کر ملتجی انداز میں بولا تو پہلی بار زرنیلا نے اپنا جھکا سر اٹھا کر اس پر نظر ڈالی۔

"نفرت کیسی ارش احمر؟ آپ نے تو ایک بسنے سے پہلے ہی اُجڑ جانے والی' بدنصیب منحوس لڑکی کو اپنا نام دے کر اس پر اور اس کے گھر والوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے' پھر میں نفرت کیسے کر سکتی ہوں آپ سے......؟ آپ کا جیسے من چاہے' آپ میرے ساتھ ویسا سلوک کریں' میں اُف بھی کہنے کی سزاوار نہیں ہوں۔"

اس کے دھیمے مگر بردبار لہجے پر وہ لمحے کے ہزارویں حصے سے قبل تپ گیا۔

"شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ زریں' تم واقعی ابنارمل ہو' ڈفر تھا میں' جو رو رو کر خدا سے تمہیں مانگتا رہا۔ مگر ایک بات میری کان کھول کر سن لو تم' اب تم میری بیوی ہو اور میں ان شوہروں میں سے ہرگز نہیں ہوں جو اپنی بیویوں سے لڑ جھگڑ کر' ناراض ہو کر اپنے جذبات مار لیں یا اپنا حق چھوڑ دیں۔ تم خواہ مجھ سے محبت کرو یا نہ کرو' کوئی زبردستی نہیں ہے مگر یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لو کہ اب تم میری بیوی ہو اور بیوی بن کر ہی رہو گی' انڈرسٹینڈ؟"

دھیمے مگر سرد لہجے میں شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کرنے کے انداز میں وہ بے حد درشتگی سے بولا۔

"اور ہاں' ایک بات اور سن لو اور سمجھ لو' یہ جو بڑی بڑی باتیں کرتی ہو ناں تم' یہ مجھ سے نہ کیا کرو' کیوں کہ میں کوئی فین نہیں ہوں تمہاری تحریروں کا اور نہ ہی ایسے لہجوں کا عادی ہوں۔ بڑا سیدھا سادھا سا بندہ ہوں' کوشش کرنا کہ مجھ سے ہمیشہ' میری طرح ہو کر ہی پیش آؤ' بصورت دیگر میں تربیت کرنا خوب جانتا ہوں' او کے......؟"

زرنیلا ٹکر ٹکر اسے سہمے ہوئے انداز میں دیکھے گئی اور وہ اپنی بات ختم کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جانے من میں کیا آیا کہ پلٹ کر اسے دیکھا اور قدرے ناراضی سے بولا۔

"سوری' ایمرجنسی میں شادی ہونے کے باعث میں تمہاری منہ دکھائی کے لیے کوئی گفٹ نہ لے سکا' اب پلیز اس بات کو دل پر لے کر مردوں کے خلاف کوئی نیا ناول لکھنے میں

مصروف نہ ہو جانا۔''

زرنیلا نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا' وہ غالباً اس کی تحریریں پڑھ چکا تھا' اسے شدید گلٹی فیل ہوئی مگر ارش اپنی بات کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اگلی صبح اس کے گھر سے فائیلہ آپی' مریم' نوخیز گل وغیرہ ناشتہ لے کر آ گئے۔ سفید شلوار سوٹ میں نکھرا نکھرا سا ارش احمر' کہیں سے بھی اس سے ناراض نہیں لگ رہا تھا۔ فائیلہ آپی اور مریم سے چھیڑ چھاڑ' ہنسی مذاق کرتے ہوئے وہ خود کو بہت خوش پوز کر رہا تھا مگر اتنی صلاحیت زرنیلا میں نہیں تھی' وہ اگر اندر سے ڈسٹرب تھی تو باہر سے خود کو مطمئن پوز نہیں کر سکتی تھی اور اس کا یہی انداز فائیلہ کے ساتھ ساتھ مریم کو بھی الجھا رہا تھا' تب ہی وہ تنہائی ملتے ہی اس کے سر ہو گئی۔

''کیا تم ارش احمر کے ساتھ شادی پر خوش نہیں ہو زریں؟''

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اس کے بال سنوارتے ہوئے وہ عام سے انداز میں بولی تو زرنیلا سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

''کیا مجھے اس حادثاتی شادی پر خوش ہونا چاہئے مریم؟''

اس کے سوال کے جواب میں اس نے اپنا سوال داغ دیا تو اس کے اس انداز نے بے ساختہ مریم کو چونکا ڈالا۔

''کیوں......؟ کیوں خوش نہیں ہونا چاہئے تمہیں' کیا برائی ہے ارش میں۔ لاکھوں لڑکیاں جس کے حصول کا محض خواب دیکھ سکتی ہیں' اسی شخص کو خدا نے اپنی رحمت سے بنا مانگے تمہیں نواز دیا ہے' تو کیا تمہیں اس پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔''

''نہیں' کیوں کہ میں نے اسے کبھی خدا سے نہیں مانگا۔'' اس کے ہٹیلے انداز پر مریم نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''دیکھو زریں' مت بھولو کہ اس نے تمہیں کتنے بڑے طوفان سے نکالا ہے۔ اگر وہ تمہیں اس وقت اپنے نام کا سہارا نہ دیتا' جب لوگوں کی زبانیں زہر اُگل رہی تھیں' تو آج تمہاری حیثیت دو کوڑی کی بھی نہ ہوتی۔ تم نہیں جانتیں زریں' جس لڑکی کی برات اس کی دہلیز سے واپس لوٹ جائے' یہ معاشرہ اسے عزت سے جینے کا کوئی حق نہیں دیتا' ہزار باتیں نکلتی ہیں' لاکھ داستانیں جنم لیتی ہیں' ڈھیروں بہتان لگتے ہیں۔ ذرا سوچو! اگر ایسا کچھ خدانخواستہ تمہارے ساتھ ہو جاتا تو کیا تم سکون سے زندگی بسر کر سکتی تھیں' عزت سے سر اٹھا کر زندہ رہ سکتی تھیں؟ ارے تمہیں تو ارش کا شکرگزار ہونا چاہیے' جس نے تم پر کوئی آنچ آنے ہی نہیں دی۔ تمہارے ساتھ ساتھ گھر والوں کی عزت بچا کر اس نے لوگوں کے چلتے منہ بند کر دیے اور ساتھ میں اس رب العزت کے حضور شکرانے کے نوافل ادا کرو' جس نے بنا مانگے ہی ارش احمر جیسا خوب صورت' آئیڈیل شخص'

تمہارے نصیب میں لکھ دیا۔ ورنہ اس فقیر حسین جیسے بندے کے پیچھے لگ جاتیں تو چل پتہ جاتا اور کان کھول کر سن لو زریں! اگر تم نے اپنی کسی بھی بے وقوفی سے اس کا دل دکھایا یا اسے اذیت دی تو میں ہمیشہ کے لیے تم سے اپنا تعلق ختم کر لوں گی' سمجھیں تم۔''

قدرے درشتگی سے بولتی وہ جونہی خاموش ہوئی' ہلکے سے دروازہ ناک کر کے ارش احمر اندر چلا آیا۔

''یار کیا کر رہی ہو تم......؟ اتنی بد صورت بیوی تو نہیں ہے میری کہ اسے دیکھنے کے لائق بنانے کے لیے تمہیں چار گھنٹے لگ جائیں۔'' کرسی اٹھا کر عین زرنیلا کے مقابل بیٹھتے ہوئے وہ قدرے شوخ انداز میں بولا تو مریم کھل کھلا کر ہنس دی۔

''جی بد صورت تو نہیں ہے مگر قدرے پاگل ہے' علاج کراؤ اس کا۔''

''او میڈم' خبر دار جو میری مسز کو پاگل کہا' پاگل ہو گی تم خود' تمہارا وہ گھامڑ شوہر۔ میری مسز تو بس تھوڑی سی حساس ہے۔'' گہری نگاہیں اس کے خوب صورت سراپے پر جماتے ہوئے وہ محبت سے بولا تو زرنیلا جز بز سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اسی پل نوخیز کمرے میں داخل ہوا۔

''یہ تم گھامڑ کسے کہہ رہے ہو اور یہاں پاگل کون ہے بھئی؟'' وہ سن تو چکا تھا مگر لطف لے رہا تھا۔ ارش کان کھجانے لگا جب کہ مریم ہنس پڑی۔

''کچھ نہیں' یہ کہہ رہا تھا کہ میں گھامڑ ہوں اور میری بیوی پاگل ہے' لہٰذا ہمارا کوئی علاج کرو۔''

مریم کے کھنکتے لہجے پر ارش اور نوخیز دونوں کا بڑا بے ساختہ قہقہہ پڑا تھا جب کہ زرنیلا کوفت زدہ سی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

شادی پر مدعو تمام مہمانوں نے باری باری اپنے اپنے گھروں کا راستہ ناپ لیا' فائیلہ آپی اور مریم وغیرہ بھی ان دونوں کو ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت ہو گئے۔ وہ ان کے ساتھ ہی اپنے گھر جانا چاہتی تھی مگر ریاض صاحب نے یہ مناسب نہیں سمجھا' تب ہی وہ لوگ اس کی خواہش رد کر گئے۔ اصل میں ریاض صاحب کو ارش کی تنہائی کا خیال تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ زرنیلا میکے چلی آئے اور وہ اکیلا دیواروں سے سر ٹکراتا پھرے۔ مگر زرنیلا سمجھ کر بھی ان کی بات کو سمجھنا نہیں چاہتی تھی' وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی کہ اب شادی کے بعد اس کے باپ کو اس کی صورت دیکھنا بھی گوارہ نہیں اور یہی خیال اس کی آنکھوں میں آنسو لے آیا تھا۔ ارش' فائیلہ اور مریم وغیرہ کو رخصت کر کے واپس آیا تو وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی' آنسو بہا رہی تھی۔ اس نے افسوس سے اسے دیکھا پھر اس کے پہلو میں جگہ بنا کر بیٹھتے ہوئے محبت سے بولا۔

''زریں! میں جانتا ہوں کہ تم اس حادثاتی شادی پر بے حد ڈسٹرب ہو' میں یہ بھی مانتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں بلکہ شدید نفرت ہے اور شاید یہ نفرت جائز بھی ہے۔ مگر میرا یقین

کرو جان، میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا، میں دلی طور پر اس سب کے لیے بے حد شرمندہ ہوں۔ پلیز بلیوی زریں، میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا، میں تمہیں محض ایک بگڑی ہوئی رئیس زادی سمجھتا تھا، تب ہی تمہارا دماغ درست کرنے کے لیے میں نے وہ سب کرنے کا سوچا، جس پر بعد میں حقیقت جان کر مجھے بے حد شرمندگی ہوئی۔ میں تمہارا گنہ گار ہوں زریں، مگر تم نے اس گناہ کے لیے جو سزا منتخب کی ہے، وہ بہت سخت ہے، پلیز چیخو، چلاؤ، جھگڑا کرو مجھ سے۔ روٹھو مگر پلیز، پلیز میری جان، یوں انجان مت بنو مجھ سے پلیز۔

زرنیلا گم سم سی اسے دیکھتی رہی اور وہ اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبائے عاجزی سے کہتا رہا۔

”میں بہت ترسا ہوں محبتوں کے لیے، ہمیشہ ہر پل، ہر سانس کے ساتھ، پیدا ہونے سے لے کر آج تک مجھے کوئی ایسا کندھا نہیں ملا، جس پر سر رکھ کر میں آنسو بہا سکتا، کوئی ایسی آغوش نہیں ملی، جس میں آنکھیں موند کر میں اپنے دل کا ہر دکھ ہلکا کر سکتا۔ ممتا تو مجھے دنیا میں لا کر ہی ہمیشہ کے لیے روٹھ گئیں مجھ سے۔ اور ڈیڈ، انہیں کبھی یہ سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا کہ زندگی کی ہر آسائش کے ساتھ مجھے محبت بھرے کچھ لمحے بھی چاہئیں۔ تھوڑی سی اپنائیت، تھوڑے سے پیار کی گرمی اور تھوڑا سا وقت، جس پر صرف میرا حق ہو، میں ساری عمر ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے ترستا رہا مگر یہ مجھے کبھی نہ ملیں۔ یہاں تک کہ میرا معصوم بچپن، مجھے جوانی کی دہلیز پر چھوڑ کر مجھ سے اپنا ہاتھ چھڑا گیا، تب میں نے جانا کہ اگر میں پوری رات بھی اپنے کمرے میں پڑا آنسو بہاتا رہوں گا تو کوئی محبت بھری ہستی مجھ سے آ کر نہیں پوچھے گی کہ میں کیوں رو رہا ہوں، اسی لیے پاکستان چلا آیا کہ شاید میری دوری ہی میرے پاپا کے دل میں میری محبت جگا دے مگر یہ بھی محض میری خوش فہمی ہی رہی۔ وہ دن میں دس، دس بار فون کر کے میرا حال تو پوچھتے ہیں مگر کبھی یہ نہیں کہتے کہ وہ میرے بغیر تنہا رہ گئے ہیں، اکیلے پڑ گئے ہیں یا انہیں میں یاد آتا ہوں۔ میں بھی تو ایک انسان ہوں زریں، میرے سینے میں بھی ایک دل دھڑکتا ہے، کیا میرا کوئی حق نہیں ہے؟ میں مانتا ہوں کہ میں نے تمہیں دکھ دیا ہے، تمہیں ستایا ہے، مگر تمہیں رلا کر، سکون سے میں بھی تو نہیں جی سکا اور نہ ہی جی سکتا ہوں، پلیز...... پلیز زریں مجھے معاف کر دو، پلیز......“

پلکوں کے ساتھ ساتھ اس کا لہجہ بھی بھیگ گیا تھا۔ تب ہی وہ زرنیلا کو گلے لگا کر رو پڑا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اسے چپ کیسے کرائے۔ کوئی مرد بھی یوں رو سکتا ہے، آنسو بہا سکتا ہے، اس کا تو تصور بھی نہیں تھا اس کے پاس، تب ہی کچھ دیر تک وہ اسے روتے ہوئے دیکھتی رہ گئی، پھر اس کے پہلو سے اٹھ کر کچن کی طرف چلی آئی کہ اسے اس وقت اپنے سر میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔

♥......♥......♥

شادی کے ابتدائی دن، خوشیوں، خوابوں اور محبتوں کے یادگار دن ہوتے ہیں مگر زرنیلا کے رویے نے ارش کی زندگی کے ان خوب صورت دنوں کو ایک سوالیہ نشان بنا دیا تھا۔ اس نے ہر ممکن حد تک اس کا دل صاف کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ایک بیوی کی طرح وہ اپنا ہر فرض ادا کر رہی تھی مگر اس کے دل میں ارش کے لیے وہ محبت جگہ نہ بنا سکی جو شادی کے بعد ایک لڑکی کے دل میں اپنے شوہر کے لیے ہوتی ہے مگر اس نے بھی، خود سے ضد باندھ لی تھی کہ وہ زرنیلا کی محبت جیت کر ہی رہے گا۔

”سنو...... وہ کراچی میں نوخیز اور مریم ہماری دعوت کرنا چاہ رہے ہیں، کب چلیں ہم؟“

وہ کچن میں اپنے لیے چائے بنا رہی تھی، جب نوخیز اور مریم سے فون پر بات کرنے کے بعد وہ وہیں کچن میں چلا آیا اور کچی گاجر چباتے ہوئے صلح جو انداز میں بولا تو پتیلی میں دودھ انڈیلتی زرنیلا کے ہاتھ ایک پل کے لیے تھم سے گئے۔

”مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔“ اپنے کام میں دوبارہ محو ہو کر وہ بے نیازی سے بولی تو ارش چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”کیوں؟“

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو؟“

”پتہ نہیں۔“ اس کے تفتیشی انداز پر وہ بے حد چڑ کر اکتاہٹ سے بولی تو ارش اس کے بے رنگ سے سراپے پر ایک افسردہ نظر ڈال کر رہ گیا۔

”زریں! تم کس سے بھاگ رہی ہو، مجھ سے یا پھر خود اپنے آپ سے......؟“

”مجھے کیا ضرورت ہے تم سے یا پھر اپنے آپ سے بھاگنے کی، بس میرا سفر کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تو نہیں جا رہی۔ مگر تم تو ایک شوہر ہو نا، مجازی خدا، تمہیں کہاں چین پڑے گا مجھے مجبور کیے بنا، محض اپنا کہا منوانا ہی تو مردانگی ہے تمہاری۔“

وہ بے ترشی سے بولی تھی۔ ارش کی دماغ کی رگیں باوجود ضبط کے بھی تن گئیں۔ پل کے پل میں ہی چہرہ سرخ ہو گیا۔

”کتنی مرتبہ کہوں تم سے کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، پھر کیوں سمجھ میں نہیں آتی تمہیں میری بات؟“ ہاتھ اس کے بازو میں گاڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے وہ ترشی سے بولا تو زرنیلا ایک نظر اس کی آنکھوں میں ڈال کر سر جھکا گئی۔

”تمہیں کب میری محبت کا اعتبار آئے گا زریں......؟ اور کتنا امتحان لو گی میرے صبر کا؟“

سر جھکا کر ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ اسے سخت اذیت کے عالم میں لگا، جو مسلسل درگزر

سے کام لے رہا تھا۔ بابا کی طرح اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا' اس کی ہٹ دھرمیوں پر اسے کوئی سزا نہیں دے رہا تھا اور یہی چیز اسے مسلسل ٹارچر کر رہی تھی' ذہنی اذیت میں مبتلا کر رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ جب دنیا کے سارے مرد ایک جیسے ہیں تو پھر ارش احمر کب تک اپنے چہرے پر' انفرادیت کا یہ خوب صورت نقاب پہنے رہے گا' آخر ایک نہ ایک دن تو اسے دنیا کے تمام مردوں کی طرح ردعمل ظاہر کر کے اپنا اصلی روپ دکھانا ہی ہے اور وہ اسی دن کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ تب ہی اسے یوں مسلسل ستا کر' وہ اس کا ضبط آزما رہی تھی۔ ارش اس پر ایک افسردہ سی نظر ڈال کر باہر نکل گیا تھا۔ جب کہ وہ سر جھٹک کر پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ارش اپنا آفس جوائن کر چکا تھا' اس روز بھی وہ معمول کی مانند آفس کے لیے تیار ہونے لگا تو جانے کیوں پاگل دل مچل اٹھا' ضد کر بیٹھا' کر زرنیلا ابھی' ایک محبت کرنے والی بیوی کی مانند' اسے پیار سے آفس کے لیے روانہ کرے۔ تیار ہونے میں اس کی مدد کرے اور اپنی اس معصوم سی خواہش کی تکمیل میں اس نے جان بوجھ کر اپنی شرٹ کا بٹن توڑ ڈالا اور چلا چلا کر زرنیلا کو آوازیں دینے لگا۔ جو کچن میں ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ اس کے یوں پکارنے پر وہ گھبرائی گھبرائی سی کمرے میں آئی۔ تو وہ بٹن ہاتھ میں پکڑے اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

''زریں! مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے مگر یہ بٹن دیکھو' پلیز پریس کرنے سے پہلے کپڑوں پر ایک نظر ڈال لیا کرو۔''

اس کے پریشان پریشان سے چہرے کو مزے سے دیکھتے ہوئے وہ قدرے شکایتی انداز میں بولا۔ تو زرنیلا ایک نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے بٹن پر ڈالتے ہوئے کسی اور شرٹ کی تلاش میں وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی اور اس کا ارادہ بھانپ کر وہ جلدی سے اس کے سامنے آ گیا۔

''پلیز اتنا ٹائم نہیں ہے میرے پاس' مہربانی ہوگی اگر اسی کو ٹانک دو تو؟''

''او کے۔''

اس کے التجائیہ انداز پر وہ سوئی لے کر اس بٹن کو ٹانکنے لگی۔ پھر بٹن مضبوط کر کے جونہی دھاگہ توڑنے کے لیے اس نے چہرہ شرٹ کے قریب کیا ارش نے بازو پھیلا کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر اس کی پیشانی پر مہر محبت ثبت کرتے ہوئے وہ قدرے شوخ ہوا' تو زرنیلا اس کی اس درجہ قربت اور مدہوش کر دینے والے پرفیوم کی خوشبو کے سحر سے نکل کر قدرے فاصلے پر گم صم سی کھڑی ہو گئی۔

ارش دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلا کر اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس کے گالوں کو ہلکا سا چٹکی کر کے کھلکھلاتا ہوا اس کے قریب آ گیا اور اپنا منہ اس کے کان کے پاس

لا کر سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ ''اس جسارت کے لیے معذرت' خدا حافظ۔''

وہ ہکا بکا بے بس سی کھڑی رہی اور وہ نگاہوں میں اس کا خوب صورت عکس لیے سیٹی پر دل کش سی دھن بجاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ زبردستی محبت کی وصولی کے اس فرسٹ مظاہرے پر زرنیلا اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی' وہیں قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ارش کی قربت اور اس کے مخصوص پرفیوم کی مسحور کن خوشبو اس کے حواس معطل کر گئی تھی۔ ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگی تھیں اور دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ مرد کو صرف ظلم اور زیادتی کرنا ہی آتی ہے مگر اسے یوں پیار کر کے عورت کو بے بس کرنا بھی آتا ہے۔ یہ عقدہ پہلی مرتبہ کھلا تھا اس پر۔

بہ مشکل اپنے آپ کو نارمل کر کے' وہ ناشتے سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے کشمکش میں فون ریسو کیا تو دوسری طرف مریم کی آواز سنائی دی۔

''زریں! تم ٹھیک تو ہو ناں' اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔''

''مگر مجھے کیا ہوا ہے؟'' وہ بے حیران ہوئی تھی۔

''ارش بتا رہا تھا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے' اسی لیے تم کراچی نہیں آ سکتیں۔ پلیز بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں؟'' واقعی مریم بے حد پریشان لگ رہی تھی۔ زرنیلا کو ارش کی بات رکھنے کے لیے بہانہ بنانا مشکل ہو گیا۔

''نہیں مریم' ایسی بات نہیں ہے' بس یونہی تھوڑا سا فلو ہو گیا تھا۔ اب ٹھیک ہوں' تم سناؤ تم کیسی ہو؟''

''تھینک گاڈ میں تو ایک دم اے ون ہوں۔'' دوسری طرف اس نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''اور نوخیز بھائی؟''

''وہ بھی فرسٹ کلاس ہیں' تم اپنی سناؤ ارش کا خوب خیال رکھ رہی ہو ناں؟''

''ہاں اچھا میں اب فون رکھ رہی ہوں۔ تھوڑا کام ہے او کے بائے۔''

مریم کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر وہ جلدی سے رابطہ منقطع کر گئی۔ کیونکہ ارش احمر کا موضوع اسے کسی صورت کہنا سننا گوارہ نہیں تھا۔ فون بند کر کے وہ ابھی بیٹھی ہی تھی جب اچانک اس کا دل میکے جانے کا مچل اٹھا۔ ارش احمر کو اذیت دینے کا یہ ایک اور خوب صورت موقع تھا۔ سو بنا اس کی نصیحتوں کو خاطر میں لائے وہ اس کی اجازت کے بغیر ہی گھر سے چلی آئی۔ ذہن کے کسی کونے میں یہ بھی تھا کہ جب مرد کہیں بھی جانے کے لیے اپنی بیوی سے نہیں پوچھتے اسے مطلع کرنا ضروری نہیں سمجھتے' تو میں کیوں اپنے شوہر سے پوچھوں' ایک بیوی کیوں اپنے شوہر کی اجازت پر ہی اپنی ہر خواہش دبا کر بیٹھی رہے۔ انہی سوچوں میں الجھی وہ اپنے گھر پہنچ گئی۔ گھر میں اس وقت

سوائے فاطمہ بیگم کے اور کوئی نہیں تھا۔ انہی سے مل کر رخصتی چاہی اور مارکیٹ کی طرف نکل آئی۔ موسم صبح ہی سے ابر آلود ہو رہا تھا۔ آسمان بادلوں سے بھرا پڑا تھا اور اسے یہ موسم دل کی گہرائیوں سے بے حد پسند تھا۔ سو قطعی موسم کی پروا کیے بغیر وہ گھر سے نکل پڑی تھی۔ کچھ ضروری گھریلو چیزوں کی خریداری کے بعد وہ ابھی گھر واپس لوٹنے کا ارادہ ہی کر رہی تھی جب اچانک بوندا باندی شروع ہوگئی۔ اس نے جلدی سے پے منٹ کی اور شاپرز سنبھال کر تیز تیز قدم اٹھانے لگی ارد گرد کسی ٹیکسی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ کچھ دیر تو وہ سڑک کے کنارے کھڑی بھیگتی ری۔ پھر لوگوں کو ادھر ادھر بھاگتے دوڑتے دکھ کر وہ بھی پیدل ہی آگے بڑھ گئی کہ مسلسل وہاں کھڑے ہو کر ٹیکسی کا انتظار کرنا بے کار تھا۔ بارش دھیرے دھرے تیز ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ ٹیکسی تو جانے کب ملے کیوں نہ خود ہی گھر تک کا راستہ ناپ لیا جائے اور اپنی اسی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ تیز تیز چلنے لگی۔ ذہن میں تھا کہ راستے میں جیسے ہی کوئی ٹیکسی ملے گی وہ بیٹھ جائے گی۔

یہی سوچتے وہ بازار سے کافی دور نکل آئی۔ آگے راستہ قدرے ویران سا تھا۔ دل ہی دل میں درود پڑھتی وہ تیز چل رہی تھی۔ جب اچانک سامنے سے ایک آوارہ نوجوانوں کا ٹولہ بارش میں موج مستی کرتے سامنے آ گیا۔ مسلسل تیز بارش کی وجہ سے اس کے کپڑے بری طرح بھیگ کر جسم سے چپک چکے تھے اور وہ بے حد شرم محسوس کر رہی تھی۔ سامنے سے آتے لڑکوں کی نظر جونہی اس بھیگی کبوتری کی مانند نازک سی لڑکی پر پڑی خود بہ خود ان کے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ زرنیلا خدا سے مدد مانگتی' گڑگڑا کر اس مصیبت کے ٹل جانے کی دعائیں مانگتی' روہانسی سی ہو گئی۔ دل چاہ رہا تھا کہ اس وقت زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے کیونکہ اب وہ لڑکے اس کے بالکل قریب آ گئے تھے اور وہ بے بسی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

ارش آفس سے نکلا تو جانے کیوں اس کا دل آج لفٹ سائیڈ والے راستے سے ڈرائیو کر کے گھر جانے کو مچل اٹھا اور جب وہ مین روڈ کراس کر کے سنگل سڑک پر آیا تو یونہی اتفاقاً اس کی نظر ان چار لڑکوں کے درمیان گھری' بے بسی سے آنسو بہاتی زرنیلا پر جا پڑی جو مدد کے لیے لاچاری سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ بے حد حیران سا وہ گاڑی اس کے قریب لے گیا۔ پھر افسردہ سی اِک نظر اس پر ڈال کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ لڑکے جو کسی شرارت کے موڈ میں تھے۔ ارش کو اس کے قریب دیکھ کر سیٹیاں بجاتے ہوئے سائیڈ سے گزر گئے۔ جب کہ زرنیلا سے مارے ندامت کے سر اٹھانا مشکل ہوگیا۔ ارش نے اپنا کوٹ اتار کر اس کے گرد لپیٹا پھر اسے گاڑی میں بٹھا کر چند منٹ میں گھر لے آیا۔

اس روز پہلی مرتبہ ہی اسے یہ معلوم ہوا کہ ظلم اور زیادتی کرنے والا مرد ایک عورت کا سب سے بڑا محافظ ہوتا ہے۔ اپنی ہی صنف سے عورت کی عزت کو بچا کر اس کی ذات کا غرور اور

اس کا وقار قائم رکھتا ہے۔ اس کا دل یہ سوچ کر ہی کانپ اٹھتا تھا کہ آج اگر خدا ارش کو یوں اچانک اس کی مدد کے لیے نہ بھیجتا تو اس کا کیا ہوتا؟ نہ جانے وہ لڑکے اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟

آج پہلی مرتبہ اسے ارش بے حد اچھا لگا۔ بلیک لیدر کی پینٹ شرٹ میں چہرے پر دنیا جہان کی سنجیدگی طاری کیے اس سے یکسر بے نیاز اور خفا خفا سا' وہ دل کے بے حد قریب محسوس ہوا۔ وہ لوگ گھر پہنچے تو شام کے دھندلکے مزید گہرے ہو رہے تھے۔ بارش کی شدت میں تھوڑی کمی آ گئی تھی۔ ارش گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جب کہ وہ شرمندہ سی' واش روم کی طرف بڑھ گئی' پھر نہا کر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئی تو ارش بیڈ پر بیٹھا اسی کا منتظر تھا۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں اتنی بارش میں مارکیٹ جانے کی اور وہ بھی اکیلے۔'' اس کا لہجہ کافی سخت تھا۔ زرنیلا خاموشی سے سر جھکا گئی۔

''تم کیا سمجھتی ہو کوئی عورت اگر اپنے خاوند سے اجازت لے کر کہیں جاتی ہے تو اس میں اس کی توہین ہے؟ محترمہ کان کھول کر سن لو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فوقیت دی ہے۔ عورت کی تخلیق کا مقصد ہی مرد کی خوشنودی ہے' اپنے شوہر کو بتا کر اگر عورت کہیں جاتی ہے تو اس میں اس کی ناک نہیں کٹ جاتی بلکہ شوہر کو پتا ہوتا ہے کہ اس کی بیوی کہاں گئی ہے کیوں گئی ہے؟ وہ با حفاظت اسے واپس لا سکتا ہے کیا تم عورتیں اپنے شوہر کی حفاظت کر سکتی ہو؟''

اس کے کسی سوال کا زرنیلا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ تب ہی اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے نازک انگلیاں مروڑتی دھیمے لہجے میں بولی۔ ''جب میں گھر سے نکلی تھی تو بارش نہیں تھی۔ پھر کچھ چیزوں کی خریداری بھی بہت ضروری تھی۔ اسی لیے مجھے جانا پڑا۔''

''او کے مگر آئندہ تمہیں جو چیز چاہیے ہوگی تم مجھے بتا دینا میں لا دوں گا۔''

اس کے سادہ سے چہرے پر نظریں جما کر وہ ہنوز سنجیدگی سے بولا تو زرنیلا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''گڈ اب جلدی سے ایک کپ چائے پلا دو سردی بہت لگ رہی ہے۔''

اگلے ہی پل وہ رخ پھیر کر نارمل انداز میں بولا تو زرنیلا دل ہی دل میں جان بچ جانے پر شکر ادا کرتی کچن میں چلی آئی۔ ارش کو غصے سے سرخ دیکھ کر اسے فوراً اپنے باپ کا چہرہ یاد آ گیا تھا اگر اماں سے ایسی ہی کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو وہ کیسے گالیوں کا بے دریغ استعمال کرتے ہوئے انہیں بری طرح پیٹ ڈالتے تھے۔ ٹانگیں توڑ کر رکھ دینے کی دھمکی دیتے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آج تو ضرور اسے بھی اپنی ماں کی طرح مار پڑے گی۔ مگر ارش صرف غصے ہو کر رہ گیا تھا۔ ہاتھوں کا استعمال نہیں کیا تھا اس نے۔

وہ کمرے سے نکلی تو ارش تھکے تھکے سے قدموں سے چلتا کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ بارش تو تھم گئی تھی مگر سرد ہواؤں کا سلسلہ ابھی جاری تھا آسمان جانے اپنے کب سے جمع آنسو بہا کر خاموش ہو چکا تھا۔ بے اختیار ہی اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ ساری عمر وہ محبتوں کو ترسا تھا۔ پیدا ہوتے ہی ماں کی آغوش سے محرومی، ہوش سنبھالتے ہی باپ کی قربت سے محرومی، رشتہ داروں، اپنوں کی اپنائیت سے محرومی نے اسے بے حد تشنہ لب سا بنا دیا تھا۔ ترس گیا تھا وہ کسی اپنے کی محبت کے دو بولوں کو، ساری عمر ملک سے باہر کتابوں کی دنیا میں کھو کر، وہ اندر سے اکیلا ہی رہ گیا۔ کسی مشینی سے انسان کی مانند پیار و محبت، عشق، وفا کے جذبوں سے یکسر بے نیاز، محبت اس کے نزدیک محض چند خوب صورت لمحوں کا حاصل تھی۔ یورپی حسن کو اپنی بے تحاشا دولت سے کیش کروا کر وہ کبھی سوچ ہی نہ سکا کہ حقیقی محبت کیا ہوتی ہے؟ اور کیسے ہو جاتی ہے؟ مگر جب محبت کا یہ خوب صورت احساس اس کے دل میں جاگا، اس نے پہلی مرتبہ سنجیدگی سے کسی کو چاہا تو کاتب تقدیر نے جواب میں اسے محض اذیت و آنسوؤں کے علاوہ کچھ بھی نہ دیا۔ اس کا شدت سے من چاہتا تھا کہ زرنیلا عام بیویوں کی طرح اس سے پیار کرے، ناز دکھائے، اس کے دیر سے گھر آنے پر جھگڑا کرے، اپنی ضرورتوں کے لیے اس سے پیسے مانگے، چھوٹی چھوٹی فرمائشیں کرے اگر وہ کبھی روٹھے تو سو سو جتن کر کے اسے منائے اپنے دل کی ڈھیر ساری کھٹی میٹھی باتیں، رات کو دیر تلک اس سے شیئر کرے۔ اس سے آفس سے جلد لوٹ آنے کی ریکویسٹ کرے اور دیر ہو جائے تو اس کی راہ دیکھے بے تابی سے اس کا انتظار کرے۔ اس کا یہ پیارا سا گھر ننھے منے بچوں کی معصوم کلکاریوں سے گونجنے لگے۔ مدتوں سے جمی تنہائی کا جمود کبھی تو ٹوٹے مگر زرنیلا تو اس کی ہزار کوششوں کے باوجود اول روز کی طرح اس سے یکسر بے نیاز، کسی اجنبی شخص کی مانند اس کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں، خواہشوں، بے قراریوں کا کوئی اثر نہیں تھا اس پر اور یہی چیز اسے مسلسل ہرٹ کر رہی تھی۔

زرنیلا چائے لے کر آئی تو اس نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے مگر وہ اس کی بھیگی پلکیں دیکھ چکی تھی۔ تب ہی چپ چاپ اسے چائے کا کپ تھما کر پھر سے کچن میں چلی آئی۔ وہ اسے دانستہ دکھی کرنا دل سے نہیں چاہتی تھی مگر اپنے اندر جمے اس خوف کا کیا کرتی۔ جو مرد ذات کے مختلف بھیانک اور تکلیف دہ روپ دیکھ کر اس کے دل میں گڑ چکا تھا۔ برسوں سے چھایا مرد ذات کے خلاف نفرت کا جمود بھلا چند دنوں میں صرف ایک شخص کے اچھے سلوک سے کوشش سے کیسے ٹوٹ جاتا جب کہ شخص بھی وہ جسے سمجھنے سوچنے پرکھنے کی اس نے کوئی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

دیر تلک بلاوجہ خود کو کچن میں مصروف رکھنے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو ارش بیڈ پر لیٹا بے خبر سو رہا تھا۔ اس کی بلیک شرٹ ہلکی ہلکی بھیگی ہوئی تھی اور وہ بنا لحاف اوڑھے، سردی کی شدت سے کپکپا رہا تھا۔ تب کسی بے اختیار سے لمحے کی گرفت میں آ کر اس نے لحاف اٹھایا اور اچھی طرح

اس کے گرد لپیٹ دیا اور خود دونوں بازو گھٹنوں کے گرد باندھے اس کے قریب بیٹھ کر بے سبب ہی اسے دیکھتی رہی۔

سرخ و سفید چہرے پر ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو چوڑی پیشانی پر بے ترتیبی سے بکھرے سلکی بال اور بند غلافی آنکھیں بلاشبہ وہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا۔ مگر ساری مصیبت تو یہی تھی کہ وہ ''کسی بھی'' لڑکی ہی تو نہیں تھی۔ دل کے کسی کونے میں صرف ایک پل کے لیے یہ خواہش ضرور ابھری کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس کی خوب صورت پیشانی پر بکھرے بال سمیٹ دے مگر دوسرے ہی پل وہ خود کو سرزنش کرتے ہوئے رخ بدل کر لیٹ گئی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

''پاپا آپ میرے وطن میں اس لیے نہیں آتے کہ یہاں آپ کی محبت، آنکھیں سو رہی ہے۔ بانہیں پھیلائے بین کر رہی ہے۔ ان خوب صورت فضاؤں میں، سسکیاں بھر رہی ہے۔ آپ پا کر بھی اپنی محبت کو نہیں پا سکے مگر مجھ بد نصیب کو دیکھیے میں جسے ٹوٹ کر چاہتا ہوں۔ اسے حاصل تو کر لیا مگر پا نہیں سکا۔ اے کاش میں بھی آپ کی طرح ساری عمر خالی دامن ہی رہتا، کبھی اپنی محبت کو حاصل نہ کرتا مگر میرے پاس محبت کو پا لینے کا غرور تو ہوتا۔ میں فخر سے کہہ تو سکتا کہ کوئی ہے جو مجھے چاہتا ہے جسے میری فکر، میری پروا ہے۔ جو صرف میرا ہے صرف میرا اور میں اسی مان کو سینے سے لگائے ساری عمر کے لیے خوشی خوشی ملک بدر ہو جاتا مگر کاتب تقدیر نے میری قسمت میں یہ مان نہیں لکھا پاپا میں کیا کروں، کیا کروں میں؟؟''

پابندی سے ڈائری لکھنا، اس کی بچپن کی عادت تھی۔ وہ ساری باتیں جو وہ کسی سے نہیں کرتا تھا۔ کاغذ کے ان بے جان ٹکڑوں کے سپرد کر کے ہلکا پھلکا ہو جاتا، اس وقت بھی وہ آفس میں فارغ ہونے کے بعد ڈائری لکھنے بیٹھ گیا۔ پھر سرد آہ بھرتے ہوئے ڈائری کو رکھا اور موبائل ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے اپنے روم سے باہر نکل گیا۔

آفس ٹائم تو نہ جانے کب کا آف ہو چکا تھا مگر وہ خیالوں کے تانے بانے میں الجھا کب سے اکیلا بیٹھا تھا۔ سوچوں کے چکروں سے آزاد ہوا تو یاد آیا کہ اس کا ایک عدد گھر، اور بیوی بھی ہے۔ جو اس وقت گھر پر تنہا ہے۔ لہٰذا خاصی ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ گھر پہنچا تو زرنیلا کہیں دکھائی نہیں دی۔ وہ اسے ڈھونڈتا اسٹڈی روم میں آیا تو دیکھا کہ وہ دروازے کی جانب پیٹھ کیے زمین پر بیٹھی کسی کام میں مصروف تھی۔ ارش کے قدموں کی چاپ سنی تو چونک کر پلٹی پھر ارش کو آتے دیکھ کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ خوب صورت جھیل سی آنکھوں میں آنسو تھے اور اس نے دونوں ہاتھ پیچھے کیے ہوئے تھے۔ حیران حیران سے ارش نے آگے بڑھ کر اس کے پیچھے کیے ہاتھ چھڑائے تو ایک پل کے لیے اسے چکر سا آ گیا۔ زرنیلا کے دونوں ہاتھ خون سے سرخ ہو رہے

تھے اور ان زخمی ہاتھوں میں ٹوٹا ہوا وہ خوب صورت ڈیکوریشن پیس تھا جو اس کے ڈیڈ نے اس کی شادی پر بڑی خوشی کے ساتھ اسے ارسال کیا تھا۔ ارش کو دکھ تو بہت ہوا مگر وہ ضبط کر گیا کیونکہ زرنیلا کا رنگ مارے خوف کے پیلا پڑ رہا تھا اوپر سے اس کے زخمی ہاتھوں سے خون بری طرح رس رہا تھا۔

''مم میرا یقین کرو میں نے یہ جان بوجھ کر نہیں گرایا۔ مم...... میں تو کتاب لینے آئی تھی۔ پپ...... پتا نہیں کیسے یہ گر گیا۔''

کپکپاتے ہونٹوں سے وضاحت دیتی وہ اسے بے حد خوف زدہ لگی۔ جھیل جیسی آنکھوں میں ڈر یوں پھیل گیا تھا جیسے اس نے کسی کو قتل کر ڈالا ہو۔ ارش نے لپک کر اس کا بازو تھاما پھر اسے واش روم میں جا کر اس کے دونوں ہاتھ دھلوائے اور ان پر پٹی باندھی۔ اس کے بعد ڈیکوریشن پیس کے بکھرے ٹکڑے احتیاط سے سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈالنے لگا۔ زرنیلا سہمی ہوئی پھٹی پھٹی سی نگاہوں سے اسے کام میں محو دیکھتی رہی اگر اس کے گھر میں کسی کے ہاتھوں ایسا کوئی نقصان ہو جاتا تھا تو اس کا باپ انسان سے حیوان بن جاتا تھا۔ پورے گھر میں ایک سناٹا سا پھیل جاتا مرگ کی سی کیفیت چھا جاتی ان سب کے دلوں پر۔ خوف و ہراس کا ایک عجیب سا ماحول انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتا اور وہ لوگ اپنے بکتے جھکتے باپ کے گھر سے باہر نکلتے ہی کانپتی ہوئی ٹانگوں سے بھاگ کر اپنی ماں کی گود میں چھپ جاتے اور ان سے لپٹ کر اپنی رکی ہوئی سسکیوں کو آزاد کرتے اور اس کے بعد ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے کہ ان سے آئندہ کوئی معمولی سے معمولی نقصان بھی نہ ہو۔ جس سے ان کے باپ کو غصے میں آنے کا موقع ملے۔ مگر وہ ہمیشہ ہی اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو پاتے تھے۔ جتنا وہ محتاط رہتے تھے مارے بوکھلاہٹ کے اتنا ہی ان کے ہاتھوں کوئی نہ کوئی نقصان ہو جاتا اور اس طرح خوف و دہشت کا ایک مستقل ماحول ان کا نصیب بنا رہتا۔

اس کے اندر برسوں سے جما یہی خوف تھا جو اسے اس قدر خوف زدہ کر گیا تھا اور وہ مسلسل یہی سوچ کر سہم رہی تھی کہ نہ جانے اپنی بے حد عزیز ترین چیز کے نقصان پر ارش احمر اس کا کیا حال کرے؟ گو وہ بہت اچھا تھا۔ اس نے کبھی اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا تھا جس کو لے کر وہ اس سے ڈرتی مگر دل کے اندر یہ خیال موجود تھا کہ وہ بھی ایک مرد ہے۔ دنیا کے تمام مردوں کی طرح سوچنے سمجھنے اور ردعمل ظاہر کرنے والا مرد۔ تب ہی وہ ٹوٹے بکھرے ٹکڑوں کو چن کر انہیں پھر سے جوڑنے کی ناکام کوشش میں اپنے ہاتھ لہولہان کر بیٹھی تھی۔

''یہ کیا حرکت تھی زریں؟''

سنجیدہ سے ارش نے فارغ ہو کر اس کے روبرو کھڑے ہوتے ہوئے قدرے رعب سے پوچھا۔ تو وہ جی جان سے کانپ گئی کب سے رکے آنسو ایک دم گالوں پر بکھر گئے۔

''مم...... میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا ارش' مم...... میرا یقین کرو۔'' مارے خوف کے

اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ اپنی صفائی کیسے پیش کرے۔

''او کے مگر تم اتنی ڈر کیوں رہی ہو اور پھر تم کیا سمجھتی ہو کہ کانچ سے بنی ان چیزوں کا نقصان محبت بھرے دلوں کو ٹوٹنے سے بڑھ کر ہے۔'' اس کے بکھرے بال کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے وہ محبت سے مخمور لہجے میں بولا تو زرنیلا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''مم...... میں سمجھ رہی تھی کہ تم اتنی قیمتی چیز کے نقصان پر میری پٹائی کرو گے۔ مگر میرا یقین کرو میں نقصان کرنا نہیں چاہتی تھی۔'' دائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ اندر کا خوف اس پر عیاں کر گئی تو ارش نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''دل تو میرا نہ جانے کب سے چاہ رہا ہے کہ تمہاری پٹائی کروں اتنی پٹائی کروں کہ اس چھوٹے سے دماغ سے خوف و ہراس' برتری کمتری کی ہر بات نکل جائے مگر کیا کروں تمہاری ان معصوم سی آنکھوں میں کھو کر تو میں خود کو بھی بھول جاتا ہوں پھر کوئی بات یاد کیسے رہے؟'' ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ لے کر وہ اس کی سرخ ناک کو اپنی ناک سے رگڑتے ہوئے بولا۔ تو زرنیلا کنفوژ سی ہو کر سر جھکا گئی۔

''اچھا چلو یوں کرتے ہیں کہ آج شام کا کھانا ہم باہر کسی شاندار سے ریستوران میں چل کر کھاتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟'' اس وقت اس کا موڈ بے حد فریش تھا۔ زرنیلا نہ چاہنے کے باوجود اس کے ساتھ ڈنر کے لیے چلنے پر آمادہ ہو گئی۔ کپڑے وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو ارش کے ذہن میں جانے کیوں اس وقت ماضی کے وہ سب عکس جھلملا گئے۔ جب...... جب زرنیلا سے اس کا ٹکراؤ ہوا تھا۔

ارش کے لبوں پر دھیمی دھیمی سی مسکان تھی۔ جب کہ زرنیلا اردگرد سے بے نیاز ہوئی بیٹھی تھی۔ وہ اس وقت چونکی جب گاڑی ایک شاندار سے ریستوران کے سامنے جا رکی۔ ارش احمر کی ہمراہی میں وہ ایک پرسکون سے کارنر والی ٹیبل پر آ بیٹھی۔ ارش نے اس کی پسند سے مینو سلیکٹ کرتے ہوئے کھانے کا آرڈر دے دیا۔ کھانے کے دوران ہی اس کی نظر اچانک سامنے والی ٹیبل پر جا پڑی۔ جہاں داؤد ابراہیم اپنی نئی بیگم اور بچے کے ساتھ ڈنر کر رہا تھا۔ وہ بھی شاید اسے دیکھ چکا تھا۔ تب ہی کھانے سے فارغ ہو کر ان کی طرف بڑھ آیا۔

''ہیلو زریں کیسی ہو؟ تم لاہور کیا آئیں خیر خبر کی اطلاع دینے سے بھی گئیں۔''

وہ بہت اپنائیت وخلوص سے بولا تھا مگر زرنیلا تو یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی جہاں ایک عجیب سی ویرانی ڈیرا ڈال چکی تھی۔

اس کی سیکنڈ وائف بے حد حسین تھی مگر پھر بھی اسے داؤد ابراہیم کے چہرے پر خوشی کا کوئی عکس نہ ملا۔

"ہاں...... وہ...... میری شادی یہاں ہوگئی تھی...... مم...... مگر تم لاہور میں کیسے؟" حیران حیران سی وہ اسے دیکھتی بوکھلا کر بولی تو داؤد پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

"جناب میری شادی بھی یہیں ہوگئی ہے آئی مین ہماری وائف لاہور کی رہنے والی ہی ہیں۔ سو یہاں آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔"

وہ ہنس کر اپنی خوشی کا بھرم رکھنا چاہ رہا تھا مگر ناکام رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اس کے لفظوں کا ساتھ دینے سے قاصر تھیں زرنیلا ارش سے ایکسکیوز کر کے اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر قدرے فاصلے پر آ کر بہت دھیمے لہجے میں داؤد سے پوچھا۔ "کیا تم فروا کو بھلا چکے ہو داؤد' کیا گزرتے' شب و روز کی تنہائیوں میں وہ کبھی تمہیں یاد نہیں آئی؟"

اس نے دیکھا تھا کہ اس کے سوال پر داؤد کی آنکھوں میں یک لخت ہی بہت سا پانی بھر آیا تھا۔ جسے اس نے منہ پھیر کر بہ مشکل چھپایا۔

"کیا ہر پل دل میں رہنے والوں کو کبھی بھلایا جا سکتا ہے زریں؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہاں کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا۔ بہت سے لوگ جن کے بغیر ہم ایک پل بھی جینے کا تصور نہیں کرتے ان کے نہ ہونے پر بھی ہم مر تو نہیں جاتے مگر زندہ انسانوں کی طرح زندہ بھی نہیں رہتے زریں جانے والے ہمارے دلوں میں اپنا اک خلا چھوڑ جاتے ہیں۔ جو کبھی پر نہیں ہوتا اگر محبت کو بھلانا اتنا ہی اختیار میں ہوتا تو شاید قیس پتھر کھا کھا کر موت کو گلے نہ لگاتا۔ فرہاد دودھ کی نہریں نہ نکالتا اور پنوں صحراؤں کی خاک نہ چھانتا ان میں خاک نہ ہوتا۔ محبت اختیار میں کہاں ہوتی ہے زریں بلکہ کچھ بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں انسان کو بہت سے ایسے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جنہیں وہ کرنا نہیں چاہتا مگر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے یہی دنیا کی ریت ہے اور دنیا کی ریت سے منہ موڑ کر جینا ایک معاشرتی حیوان کے لیے ممکن نہیں۔"

وہ بول رہا تھا اور زرنیلا سن سی کھڑی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"چلو میری مسز ادھر ہی دیکھ رہی ہیں خواہ مخواہ شک کر لیں گی۔"

باتوں کے دوران ہی اس نے کہا تو زرنیلا بھی گم صم سی اثبات میں سر ہلا کر اس کے پیچھے ہی چلی آئی ارش کھانے سے فارغ ہو چکا تھا لہٰذا وہ داؤد کے بیٹے کو ڈھیر سارا پیار کرنے کے بعد ارش کی ہمراہی میں گھر واپس چلی آئی۔ ہوٹل سے نکلنے سے قبل وہ داؤد کو اپنے گھر آنے کی دعوت دینا نہیں بھولی تھی۔ ارش نے داؤد ابراہیم سے متعلق اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا بلکہ اسے گھر ڈراپ کرتے ہی وہ جانے کہاں نکل گیا تھا زرنیلا ڈسٹرب سے ذہن کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی آئی داؤد ابراہیم کا ہر ہر لفظ اس کی سماعتوں میں تا حال گونج رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کی محبت' مرد کی آنکھوں میں درد بن کر ٹھہر جائے سچی

محبت کرنا تو صرف عورت جانتی ہے پھر داؤد فروا کو بھلا کیوں نہیں پایا؟

اس رات ارش تقریباً بارہ ایک بجے گھر واپس آیا تھا اور وہ اس وقت تک مسلسل اپنی سوچوں میں الجھی ارش سے مکمل بے نیاز تھی۔

"زریں! میں بزنس کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لیے دوبئی جا رہا ہوں۔ کل صبح ہی میری فلائٹ ہے۔ تم ایسا کرو کہ ضروری پیکنگ کر لو جب تک میری واپسی نہیں ہوتی تم امی وغیرہ کے پاس رہ لینا۔"

اس کی اس نئی اطلاع پر زرنیلا نے چونک کر اسے دیکھا۔ جو اپنی بات کہہ کر واش روم میں گھس چکا تھا۔

"ہوں بزنس کے سلسلے میں اصل بات تو یہ ہے ارش احمر کہ دنیا کے دوسرے تمام مردوں کی طرح تم بھی مجھے داؤد کے ساتھ تنہا باتیں کرتے دیکھ کر جل گئے ہو۔ شک آ گیا ہے تمہارے دل میں تب ہی راستہ بدل رہے ہو کہہ دو کہ تم کبھی لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ مجھے ہمیشہ کے لیے میرے باپ کے گھر بٹھا دو گے۔ ہاں ارش احمر تم ایسا ہی کرنے والے ہو۔ مگر میں بھی کوئی بے وقوف نہیں ہوں۔ خوب جانتی ہوں تم مردوں کے بارے میں عورت سے دل بھر جائے تو تم ایسے ہی دامن چھڑاتے ہو۔ چلو تمہاری نام نہاد محبت کا کسی طرح اینڈ تو ہوا خواہ اسی طرح سہی۔"

رات بھر وہ ایسی ہی سوچوں میں الجھی رہی یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اس نے اپنا سامان پیک کیا اور ارش کے بیدار ہونے سے قبل ہی تیار ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"تم مجھے چھوڑ کر آؤ گے یا میں خود ہی چلی جاؤں؟"

ارش کی آنکھ کھلی تو اس کی سماعتوں میں اترنے والا زرنیلا کا پہلا جملہ یہی تھا۔ وہ قدرے حیران سا اسے دیکھنے لگا۔ پھر خاموشی سے اٹھ کر وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا۔ اگلے پچیس تیس منٹ اسے تیار ہونے میں لگے۔ تب تک زرنیلا چائے بنا چکی تھی۔

"تمہاری اس مسلسل خاموشی کا مطلب کہیں داؤد ابراہیم تو نہیں؟"

وہ بریڈ پر جیم لگا رہا تھا۔ جب اچانک زرنیلا کے سوال پر اس کے ہاتھ تھم گئے۔ مگر اگلے ہی پل وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"تھینک گاڈ تمہیں احساس تو ہوا میری خاموشی کا ورنہ میں تو کل سے یہی سوچ سوچ کر جل رہا تھا کہ کل میں نے بہ مشکل تمہیں اپنے ساتھ باہر چلنے پر رضا مند کیا تھا مگر تم باتوں میں لگ گئیں اس محترم داؤد کے ساتھ اور چونکہ کل تم نے مجھے جلایا لہٰذا میں نے سوچا تھوڑا سا پریشان تو تمہیں بھی کیا جائے تب ہی فلائیٹ والا جھوٹ بولا کہو کیسی رہی؟"

وہ ہنس رہا تھا اور زرنیلا تپ کر اسے گھور رہی تھی۔ وہ اتنا بڑا ڈرامے باز ہو گا یہ عقدہ

آج پہلی مرتبہ کھلا تھا اس پر۔

"تمہیں میرا داؤد کے ساتھ بات کرنا برا نہیں لگا؟" جانے وہ اپنے کون سے شک کا یقین چاہ رہی تھی۔ ارش ناشتے سے ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں میں نے کیا تم سے شادی کر کے تمہیں خرید لیا ہے۔ جو اپنے علاوہ کسی سے بھی تمہارے بات کرنے پر پابندیاں لگا دوں اور پتا ہے زریں میرے ڈیڈ کیا کہتے تھے وہ کہتے تھے ارش جو تمہاری بیوی بنے گی ناں وہ بے چاری تو ساری عمر تمہارے ناز نخرے اٹھاتے ہی فوت ہو جائے گی مگر دیکھو یہاں میں بیوی کے ناز نخرے اٹھا رہا ہوں اس کو کہتے ہیں نصیب کی ستم ظریفی۔"

بلاشبہ وہ بھرپور شوخی کے موڈ میں تھا مگر زرنیلا بے زاری ہو کر ٹیبل سے اٹھ گئی۔ کیونکہ ارش اور اس کے ڈیڈ کی باتوں میں دل چسپی اسے کبھی نہیں رہی تھی اور اس کے اس انداز پر ارش نے کتنی تکلیف محسوس کی تھی یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ تب ہی وہ چائے کا آخری گھونٹ بھر کر خود بھی اٹھ کھڑا ہوا اور خاصے بوجھل قدموں سے چلتا آفس کے لیے روانہ ہو گیا۔

وہ یہ حقیقت اچھی طرح سمجھتا تھا کہ محبت زبردستی کا سودا نہیں ہے۔ ہم کسی کی پیشانی سے پستول لگا کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم سے محبت کرو مگر وہ دل کے ہاتھوں بے بس ہو چکا تھا۔ لڑکیوں کے ناز نخرے اٹھانے کا تجربہ تو اسے کبھی بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے ایک اشارے پر دس دس لڑکیاں اپنی باہیں وا کرتی تھیں مگر تقدیر نے اسے جس لڑکی کے ناز اٹھانے پر مجبور کیا وہ اس پر اپنی باہیں وا نہیں کر رہی تھی اور یہ دکھ اسے شب و روز اندر ہی اندر گھن کی مانند کھوکھلا کر رہا تھا۔

زرنیلا' ارش کے آفس کے لیے روانہ ہونے کے بعد ڈاکٹر رضوانہ قمر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ جنہوں نے پرسوں ہی اس کی طبیعت کے اچانک خراب ہو جانے پر اس کا تفصیلی میڈیکل چیک اپ کیا تھا اور جس کی رپورٹ لینے کا اسے کوئی موقع ہی نہ مل سکا تھا کہ اسی وقت ایک ایمرجنسی کیس آ گیا تھا اور وہ اس سے ایکسکیوز کر کے اس مریض کی طرف چلی گئی تھیں جس کی حالت بے حد سیریس تھی اسے چونکہ دیر ہو رہی تھی لہٰذا ڈاکٹر صاحبہ کی واپسی کا انتظار کیے بغیر وہ گھر واپس آ گئی تھی اور آج انہیں فون کر کے اپنی رپورٹ کے متعلق پوچھنا چاہ رہی تھی۔ اس نے نمبر پریس کیا اور چوتھی بیل پر ڈاکٹر صاحبہ نے کال ریسو کر لی۔ تب اس کی رپورٹ کے بارے میں پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے اور ان کی یہ اطلاع اسے کچھ لمحوں کے لیے گم صم کر گئی۔ وہ خالی خالی سے ذہن کے ساتھ فون رکھ کر پلٹی تو اس کی بیل پھر سے بج اٹھی اس نے ریسور اٹھا کر کان سے لگایا مگر دوسری طرف سے جو اطلاع دی گئی اس نے زرنیلا کے زمین آسمان ایک کر دیئے۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

♥......♥......♥

وفا جب مصلحت کی شال اوڑھے
سرورُت کا رُوپ دھارے
دل کے آنگن میں گزرتی ہے
تو پلکوں پر ستاروں کی دھنک مسکانے لگتی ہے
کبھی خوابوں کے ان چھوئے ہولوں سے بھی
ان دیکھی' ان جانی سی خوشبو آنے لگتی ہے
کسی کے سنگ بنتے ان گنت لمحوں کی زنجیریں
اچانک زمین میں جب گنگناتی ہیں
نفس کے تار میں سناٹا ایک دم چیخ اُٹھتا ہے
تو یوں محسوس ہوتا ہے
ہوائیں آ کے سرگوشی سی کرتی ہیں
محبت کا تمہیں ادراک اب تو ہو گیا ہوگا
یہ جو بھی زخم دیتی ہے کبھی سینے نہیں دیتی
محبت رُوٹھ جائے تو کبھی جینے نہیں دیتی۔

گھر سے آفس جاتے ہوئے ارش کا ذہن بے حد ڈسٹرب تھا' زرنیلا کی بے رُخی' اس کی ہر کوشش کے جواب میں لاتعلقی' بیگانگی نے اسے شدید ہرٹ کیا تھا اور اس وقت بھی اس کی آنکھوں میں ایسے ہی کچھ منظر رقص کر رہے تھے اور وہ بالکل خالی ذہن کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا' جب ہی وہ سامنے سے آتا ٹرک نہ دیکھ سکا اور اگلے ہی لمحے اس کی کار ٹرک سے ٹکرا کر کئی فٹ بلند اچھل کر دور جا گری۔ ارش کو تو کچھ پتہ ہی نہ چل سکا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قبل ایک زوردار دھاکے کے ساتھ اس کا ذہن مکمل تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

زرنیلا قالین پر کسی مجسمے کی مانند ساکت بیٹھی تھی۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے' جسم کے ایک ایک عضو سے جیسے روح ہی نکل گئی تھی۔ اسے ارش سے پیار نہیں تھا اور نفرت کا رشتہ بھی وقت کے ساتھ ختم ہو گیا تھا پھر بھی اسے لگا جیسے اس کے اندر کوئی شے ٹوٹ گئی ہو۔ زبردست ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ارش احمر' ایمرجنسی وارڈ میں تھا اور ڈاکٹرز اس کی زندگی کے بیچ

جانے پر ففٹی پرسنٹ بھی پُرامید نہیں تھے۔

''تو...... تو کیا ارش مر جائے گا' ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا میری زندگی سے......
مم......مگر وہ تو ہیرو ہے' میری کہانی کا ہیرو اور ہیرو بھلا کیسے مر سکتا ہے' ہیرو تو کبھی نہیں مرتا' نہیں نہیں' ارش کو کچھ نہیں ہوگا' اسے کچھ ہو ہی نہیں سکتا......''

عجیب ہذیانی سی سوچوں نے اس کے دماغ کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ کیسے اس نے ریاض ہاؤس کے نمبرز ڈائل کیے اور ریاض صاحب کے فون اٹینڈ کرنے پر کن الفاظ میں انہیں ارش کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دی' وہ کچھ نہیں جان سکی۔ دل و دماغ ایک دم جیسے خالی ہوگئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟

ریاض صاحب بے حد پریشان ہوکر ہسپتال پہنچے تو ڈاکٹر ارش کی زندگی سے مکمل نا امید ہو چکے تھے۔ اس کی صرف سانس چل رہی تھی مگر اس کے علاوہ زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ پھیلتے پھیلتے یہ خبر زرنیلا کے پورے خاندان میں پہنچ گئی۔ عورتیں کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ استغفار کر رہی تھیں۔ زرنیلا کی نحوست کو' اپنے اپنے انداز میں بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی تھیں اور وہ پتھر کی مورتی بنی یوں گم صم سی بیٹھی تھی' جیسے اس کے وجود میں جان ہی نہ ہو' جیسے ابھی ابھی جو قیامت ٹوٹی تھی' اس کا محرک اس کی ذات نہیں' کوئی اور ہو۔

لاہور کے ڈاکٹرز نے مکمل طور پر مایوس ہوکر ارش کو اسلام آباد لے جانے کی ہدایت کی تھی۔ ارش کے آفس سے تمام سینئر ورکرز' ہسپتال میں جمع ہو چکے تھے۔ کراچی سے نوخیز گل اور مریم کے دونوں بڑے بھائی بھی لاہور پہنچ گئے تھے۔ مریم امید سے تھی مگر وہ زرنیلا کی ہمت بندھانے کے لیے' نوخیز کے ساتھ ہی لاہور چلی آئی تھی۔ ارش کو اگلے پندرہ بیس منٹ میں ہی لاہور سے اسلام آباد لے جانے کی تیاری شروع ہوگئی۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اسے خون کی بھی اشد ضرورت تھی مگر اس کا مطلوبہ خون نہیں مل رہا تھا۔ نوخیز نے گھر فون کر کے زرنیلا کی بجائے مریم کو تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا اور اسے ہدایت کی تھی کہ فی الحال وہ زرنیلا کو ارش کی سیریس حالت کے بارے میں کچھ نہ بتائے' تب ہی مریم نے یہ بات اس سے چھپا لی اور اس کا ذہن بٹانے کے لیے لہجے کو ہشاش بشاش بنا کر ادھر اُدھر کی بے معنی سی باتیں کرنے لگی۔

''زریں! پتہ ہے' وہ زینت تھی ناں' میری ملازمہ' اس کا گھر دوبارہ بس گیا ہے' کیا بتاؤں کہ اس کا خاوند کتنا شرمندہ تھا اس سے۔ بے چارے نے دوسری شادی تو کر لی' مگر دوسری بیوی سے کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی' نہ بیٹا' نہ بیٹی' تب ہی اسے خدا کے عذاب سے خوف آیا اور وہ دوبارہ زینت کی طرف راغب ہوگیا۔ وہ بے چاری بھلا کیا کہتی' آخر مان ہی گئی۔ پہلے اس کے خاوند نے بچیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا' پھر اس نے دوبارہ زینت سے نکاح کر لیا۔ اب دونوں

ہنسی خوشی رہ رہے ہیں۔ سچ زینت' مرد کے بغیر عورت کی کوئی زندگی نہیں' مرد کے بغیر تو عورت' فقط ایک بنا چھت کے مکان جیسی ہے۔ ایک ایسی راہ گزر کی مانند ہے' جہاں ہمہ وقت آنا جانا' ہر نامحرم اپنا حق سمجھ لیتا ہے۔ خدا ارش کو بھی عمر دے' اگر وہ نہ ہوتا تو نجانے آج تمہاری زندگی کن حالات میں گزر رہی ہوتی۔'' وہ دھیمے لہجے میں متانت سے بول رہی تھی اور زرنیلا چپ چاپ سر جھکائے اپنی آنکھوں میں مچلتے آنسو پیتی رہی۔

''زینت کو تو اس کا خاوند مل گیا مریم۔ مگر...... کیا میرا ارش مجھے واپس مل سکے گا؟'' وہ مچل کر بولی تھی' مریم نے محبت سے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''اللہ سے اچھی امید رکھو جان' وہ اپنے پیاروں کی دعا کبھی نہیں ٹالتا اور ارش کو اس وقت دواؤں کی نہیں' دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' اسے ساتھ لگا کر وہ پُرخلوص انداز میں بولی تو زرنیلا اپنے بے تاب پھسلتے آنسوؤں کو چاہتے ہوئے بھی روک نہ پائی۔ ارش کی ایک ایک حرکت اس کے تصور میں آ رہی تھی' وہ پہلی بار اس کا میوزک کنسرٹ میں ٹکرانا' پھر داؤد کی شادی میں وہ دوسری ملاقات' کیسے وہ پھسل کر اس کے گلے لگا تھا اور اس نے بنا سوچے سمجھے اسے ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ پھر اس کا وہ انتقامانہ انداز' بینک میں اپنے چہرے پر پڑنے والا اس کا جان دار تھپڑ' پھر رستے میں اس پر کیچڑ اچھال کر اس کا طنز کرنا اور بعد میں خود ہی اس کا ایک ایک آنسو اپنی انگلی کے پوروں پر چن لینا۔

اس کے لبوں سے صرف ایک محبت بھرا جملہ سننے کو بے قرار رہنا' اس کی خوشی سے صرف ایک لمحے کی قربت کے لیے ترسنا' اس روز اس نے ریستوران میں جو درد داؤد کی آنکھوں میں ٹھہرا دیکھا تھا' پچھلے کئی دنوں سے ویسا ہی درد' ارش کی آنکھوں میں بھی تو ٹھہر گیا تھا مگر وہ جان کر بھی انجان بنی رہی' دیکھ کر بھی' کچھ نہ سمجھنے کی کش مکش میں مبتلا رہی۔ وہ اسے اذیت دے کر' ستا کر' آزمانا چاہتی تھی اور وہ کتنی بڑی اذیت' کتنی بڑی تکلیف میں مبتلا ہوگیا تھا۔ کیا قصور تھا اس کا' صرف یہی کہ اس نے محبت کی تھی' اس لڑکی سے محبت' جو سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا جانتی تھی' وہ کبھی سوچ ہی نہ سکی کہ مجنوں نے ایک عام سی صورت کی مالک لیلیٰ کے عشق میں پتھر کیوں کھائے؟ مینہوال نے مٹی کے برتن بنانے والے ایک معمولی سے آدمی کی بیٹی کے لیے دولت و امارت چھوڑ کر' جنگلوں میں کیوں بسیرا پسند کیا؟ اگر دنیا کے سارے مرد ایک جیسے ہی ہوتے تو ان کی محبت کی داستانیں امر کیوں ہوتیں؟

وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو تھے کہ بہے چلے جا رہے تھے۔ ابھی تو اسے ارش کو خوش خبری سنانا تھی۔ اسے یہ بتانا تھا کہ اس کی ذات سے کوئی دل چسپی نہ ہونے کے باوجود بھی وہ اس کے بچے کو جنم دینے سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس کا دل مرد ذات کی طرف سے مکمل

صاف نہیں ہوا تھا مگر یہ بھی درست تھا کہ ارش' دنیا کے عام مردوں سے بہت مختلف لگا تھا اسے۔ اس نے بعد میں بھولے سے بھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی' جسے لے کر وہ اس سے نفرت کو قائم رکھتی۔ اگر وہ شادی کے بعد' اس کے اپنے باپ کی طرح' جاہلانہ سلوک کرتا' تو وہ بھلا اس کا کیا کر سکتی تھی؟ اس کی محبت پا کر' ارش کون سا کوئی میڈل جیت لیتا' تو پھر' پھر کیوں اذیت دی گئی اسے؟ وہ مسلسل اسی سوچ میں الجھی رہی۔

اسلام آباد سے نوخیز گل کا دوبارہ فون آیا تھا اور اس نے کہا کہ ارش کے زندہ بچ جانے کی کوئی امید نہیں رہی ہے۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ اپنے آخری سانس پورے کر رہا ہے لہٰذا اس کے لیے دعا کی جائے اور مریم کو گمان تک نہ ہوسکا کہ نوخیز کی یہ بات' دوسرے کمرے میں رکھے فون سیٹ پر زرنیلا چھپ کر سن چکی ہے۔

''ارش کے زندہ بچ جانے کی کوئی امید نہیں ہے مریم' تم پلیز زرنیلا کو سنبھالو' وہ آخری سانس لے رہا ہے۔ دعا کرو اس کے لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح نکلنے میں آسانی پیدا کرے۔''

نوخیز کے الفاظ تھے یا جلی آگ میں سینکی ہوئی سلاخیں' زرنیلا کو لگا اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔ سانسیں برف کی مانند جم گئی ہوں۔ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا' کیا وہاں کوئی ہمدردی تھی' کیا ایک بیوی کی حیثیت سے' شوہر کی متوقع موت کا افسوس تھا' ایک اچھے انسان کے' یوں بھری جوانی میں دنیا سے چلے جانے کا دکھ تھا۔؟

نہیں' اس کے دل میں تو ایسا کوئی بھی جذبہ نہیں تھا' وہاں تو کوئی اور ہی درد بھونچال اٹھا رہا تھا' کوئی اور ہی جذبہ بین کر رہا تھا۔ مگر کون سا جذبہ......؟ کیا محبت......؟ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر دیوار کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی کیوں کہ اس کا دل دھڑک دھڑک کر ایک ہی رٹ لگا رہا تھا۔ ''ہاں' ہاں' ہاں!''

مگر کیسے......؟ میں نے کبھی اسے نہیں چاہا' کبھی دل بھر کر اسے دیکھا بھی نہیں' فرصت سے اچھے معنوں میں اسے سوچا تک نہیں' تو پھر...... پھر یہ محبت' میرے دل میں اپنے پنجے کیوں گاڑ گئی......؟ نہیں' نہیں' یہ نہیں ہوسکتا' زرنیلا احمد ریاض کو کسی مرد سے محبت نہیں ہوسکتی' ارش احمر سے بھی نہیں۔

وہ چلا چلا کر رونا چاہتی تھی اپنی شکست پر' ارش احمر کی جدائی پر' اپنی بدنصیب محبت کے دائمی آنسوؤں پر مگر آنسو پتھر بن کر اس کی پلکوں میں ہی اٹک گئے اور اسے لگا کہ اگر ارش کو کچھ ہوگیا تو وہ ایک منٹ کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اس کا دم سینے کے اندر ہی کہیں گھٹ کر رہ جائے گا۔ کسی موذی مرض کی مانند' محبت کے اس اچانک اٹیک پر' وہ اندر سے باہر تک چور چور ہوگئی۔

بعض اوقات محبت محض ایک نظر کا سوال ہو جاتی ہے مگر بعض اوقات' یہ برسوں ہمارے اندر کنڈلی مارے بیٹھی رہتی ہے اور ہمیں اس کے وجود کا احساس تک نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ شخص' جس کی محبت حکمران بن کر ہمارے دل میں بس رہی ہوتی ہے' ہم سے دور' بہت دور چلا جاتا

ہے' اتنی دور کہ جہاں سے اسے ہمارے آنسو' ہماری آہیں' ہماری سسکیاں' ہماری صدائیں' کوئی بھی واپس نہیں لاسکتیں یا پھر ہمیں اس کے وجود کا احساس اس وقت ہوتا ہے' جب ہمارا مطلوب' کسی اور کا نصیب بن جاتا ہے اور ہم ساری عمر ناکام محبت کے زخم' سینے سے لگائے' زندہ لاش کی مانند' اپنے فرائض ادا کرتے چلے جاتے ہیں۔

زرنیلا کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا تھا۔ ارش کی محبت نجانے کب سے کنڈلی مار کر اس کے دل میں بیٹھ گئی تھی مگر وہ مسلسل آنکھیں چرائے' اس کی حقیقت' اس کے وجود سے انکاری رہی مگر آج ارش کی دائمی جدائی کے خوف نے اس کی انا کا بت پاش پاش کر دیا تھا۔ اس نے یہ تو کبھی نہیں چاہا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو جائے۔

آنسو تھے کہ آنکھوں سے بہے چلے جا رہے تھے۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی' سسک رہی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے ارش کی زندگی کی بھیک مانگے۔ کس سے کہے کہ وہ ارش کے بغیر نہیں جی سکتی۔ کیسے بتائے کہ ارش' فقط چند ہی گھنٹوں میں اس کے لیے کیا سے کیا ہوگیا تھا۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں' تب وہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے لگائے اس کے ہاتھ خود بخود دعا کے لیے اٹھ گئے' حلق میں جیسے غم کا پھندا سا پھنس گیا تھا' اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ خدا سے کیا مانگے؟ کیسے مانگے؟ تب ہی اس کے لب آہستہ سے ہلے۔

''اے خدا! تو میرے دل کی حالت بخوبی جانتا ہے' میرا ارش اس وقت زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے۔ سب کہہ رہے ہیں کہ وہ جی نہیں سکتا' ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ وہ اسے بچا نہیں سکتے' مگر کوئی ہے جو اسے زندہ رکھ سکتا ہے' اسے سانسیں لوٹا سکتا ہے' اور وہ تُو ہے میرے مولا۔ تُو انہیں بھی دیتا ہے جو تجھ سے نہیں مانگتے اور انہیں بھی کبھی مایوس نہیں کرتا' جو مٹی اور پتھر سے بنی مورتیوں کے سامنے سر جھکا کر ان سے اپنی خوشی طلب کرتے ہیں' کوئی تجھے مسجد میں پکارتا ہے تو کوئی چرچ میں' کوئی گردوارے میں' مگر سب کا مخاطب صرف تو ہی ہے میرے مالک' تیرے علاوہ اور کون ہے جو ہمارے دلوں میں جھانک کر ہمارا درد سمجھے' دکھ جانے' اس کائنات کے نظام خوب صورتی سے جاری و ساری رکھے۔

پروردگار! میں نے آج تک کبھی تجھ سے کچھ نہیں مانگا' تو نے غم دیئے' تکلیفیں دیں' آنسو دیئے' میں نے کبھی شکوہ نہیں کیا' ہمیشہ صبر و شکر کے ساتھ' تیرے ہر فیصلے' ہر رضا پر سر خم کیا ہے مگر آج میں تیرے حضور جھولی پھیلا رہی ہوں' تجھ سے گڑگڑا کر' اپنے ارش کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں' تجھے تیرے حبیب کا واسطہ' کالی کملی والے کا واسطہ' میرے مان کو بچالے' تیرے علاوہ اور کون ہے جس کے سامنے میں اپنا سر جھکاؤں اور اپنی دعا کی قبولیت کی امید رکھوں۔

اے رب العزت! میں مانتی ہوں کہ میں بہت گنہ گار ہوں' مگر کیا تُو گنہ گاروں کا خدا

نہیں ہے؟ تیرے گنہ گار بندے' قدم قدم پر تیرے عذاب سے غافل' گناہ کرتے ہیں' پھر توبہ استغفار کرتے ہیں اور تُو انہیں معاف کر دیتا ہے۔ وہ پھر گناہ کرتے ہیں' پھر معافی مانگتے ہیں اور تُو پھر انہیں معاف کر دیتا ہے' یہی سلسلہ ساری زندگی چلتا ہے اور تُو ساری زندگی' ان پر اپنے کرم کا سایہ کیے رکھتا ہے۔ میں بھی تو تیری گنہ گار بندی ہوں' مجھے بھی معافی دے کے سرخرو ہونے کا اعجاز بخش' بس میرے ارش کی زندگی دے دے' اگر میں نے زندگی میں کوئی ایسی نیکی کی ہے' جو تجھے پسند آئی ہے تو میرے ارش کی سانسیں لوٹا دے۔ تُو دلوں میں بستا ہے' میرے دل کی نگری کو' ویران ہونے سے بچالے' بخش دے میرے ارش کو۔''

آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بکھر رہے تھے۔ حلق درد کی شدت سے زخمی ہو رہا تھا اور وہ چلا رہی تھی۔

''میرے ارش کے لیے سانسیں نہیں ہیں تو میری سانسیں بھی چھین لے' مجھے ارش کے بغیر زندہ نہیں رہنا۔ میں اس کے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتی' اگر میں واقعی منحوس ہوں' میری قسمت میں سہاگن بن کر جینا نہیں ہے تو مجھ سے میری سانسیں بھی چھین لے' میں نے پہلی بار تیرے سامنے ہاتھ پھیلائے ہیں' پہلی بار تجھ سے کچھ مانگا ہے تُو میرے ارش کی زندگی واپس کر دے۔''

ہچکیاں بھرتے بھرتے اس پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی۔

فون کی بیل کب سے بج رہی تھی مگر مریم' زرنیلا کو سنبھالنے میں اس قدر ہلکان ہو رہی تھی کہ اسے فون کی بیل اپنی جانب متوجہ ہی نہ کر سکی۔ مسلسل تین' چار منٹ بجنے کے بعد فون خاموش ہو گیا۔ دن دھیرے دھیرے ہاتھ سے گیلی ریت کی مانند پھسلتا ہوا گزر رہا تھا' شام کے دھندلکے چاروں طرف پھیلنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ سورج عجیب سی اداسی کا تاج پہنے بڑی بے دلی کے ساتھ آہستہ آہستہ غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا اور مریم محل جیسے شان دار بنگلے میں' بالکل اکیلی اس نازک سی حساس لڑکی کے لیے پریشان ہو رہی تھی' جسے اب تیز بخار نے جکڑ لیا تھا۔ وہ کسی تندور کی مانند جل رہی تھی۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد دوائیاں دے کر اگلے چند گھنٹوں میں بخار اتر جانے کا بتایا تھا مگر پچھلے چار گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی وہ مسلسل تیز بخار میں جل رہی تھی اور اس کے لبوں پر صرف ایک ہی آواز تھی۔ ''امی......ارش...... میرا ارش......''

وہ کراہ رہی تھی' سخت اذیت کے عالم میں لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سوجے پپوٹے ہولے ہولے لرز رہے تھے مگر ان کپکپاتے ہونٹوں پر بار بار یہی لفظ مچل رہے تھے۔
''امی......ارش...... میرا ارش......''

فون کی بیل ایک مرتبہ پھر بجنے لگی۔ اس بار مریم اس سے غفلت نہ برت سکی اور لپک کر ریسور اٹھا لیا۔ دوسری طرف نوخیز تھا' مریم کا دل ایک لمحے کے لیے جیسے خون میں ڈوب گیا۔

''خدا کے لئے نوخیز' کوئی ایسی خبر نہ سنا دینا کہ جینے کا احساس ہی ختم ہو جائے۔'' وہ بے حد دل گرفتہ تھی' دوسری طرف نوخیز نے سرد آہ بھری۔

''پلیز بی ریلکس مریم' حادثے انسانوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ تم خواہ مخواہ ٹینشن مت لو' بہر حال میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ باہر سے کچھ ڈاکٹرز اچانک وزٹ پر آئے ہیں' وہی ارش کا کیس ہینڈل کر رہے ہیں' زندگی موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے مگر پلیز تم دعا کرو کہ خدا کوئی معجزہ ہی کر دے۔ کاش ان ڈاکٹرز کے ہاتھوں ہی ارش کے زندہ بچ جانے کا کوئی چانس نکل آئے۔'' وہ خود بھی بے حد بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ مریم کی سسکاری نکل گئی۔ آنسو پلکوں کا بند توڑ کر گالوں پر بہ گئے۔

''کیا ایک بہن' اپنے بھائی کی زندگی کے لیے دعا نہیں کرے گی نوخیز' اگر بارگاہِ الٰہی میں میری دعا قبولیت کا درجہ پا لے تو مجھ گنہ گار کی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور کیا ہوگی۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں آہستگی سے کہا اور دوسری طرف نوخیز کے خدا حافظ کہنے پر خود بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

زرنیلا کا بخار بڑھتا ہی جا رہا تھا اور مریم بے حد پریشان' کسی جلے پیر کی بلی کی مانند' ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ ڈاکٹر' دو تین مرتبہ زرنیلا کو چیک کر چکا تھا مگر اسے ہوش ہی نہیں آ رہا تھا۔ تب ڈاکٹر کی ہدایت پر' بے حد مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اسے اسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا۔ اس کے پاس ذاتی موبائل بھی نہیں تھا اور اسلام آباد میں نوخیز کا نمبر بھی۔ رہ رہ کر بُرے بُرے خیال اس کے من میں آ رہے تھے۔ پتہ نہیں نوخیز نے کتنی بار فون کیا ہوگا؟ کیا کہا ہوگا؟ نجانے وہاں کیا ہوا ہوگا......؟ یہی وہم اسے پچھلی رات سے بے چین کیے رہے' یہاں تک کہ اگلا پورا دن بھی تیزی سے شام کے دھندلکوں میں گم ہو گیا۔ زرنیلا کو ہوش آ گیا تھا مگر وہ مسلسل نڈھال تھی۔ مریم' ڈاکٹرز کی اجازت سے' زرنیلا کو اسپتال سے ڈسچارج کرا کے گھر واپس لے آئی۔

گھر واپس آ کر وہ بہت اصرار کے بعد زرنیلا کو دوا کھلا رہی تھی' جب فون ایک مرتبہ پھر چیخ اٹھا۔ مریم نے لپک کر فون اٹینڈ کرنا چاہا مگر زرنیلا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''نہیں' فون میں سنوں گی۔'' اس کا ہاتھ تھام کر فون کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے سرد انداز میں کہا اور ریسیور اٹھا لیا مگر اس کی ٹانگوں اور ہاتھوں کی واضح لرزش اس کے اندر کے حال کو بخوبی عیاں کر رہی تھی۔

''ہیلو مریم' کل سے کہاں تھیں تم؟ نمبر ملا ملا کر میرے تو ہاتھ تھک گئے' خیر خوش خبری

سن لو ارش کو اللہ تعالیٰ نے زندگی بخش دی ہے۔ وہ موت کی وادی سے بچ کر نکل آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری سن لی مریم' زرنیلا کو یہ خوش خبری سنا دو۔'' وہ فرطِ جذبات سے نجانے کیا کیا بول رہا تھا مگر زرنیلا کو تو آگے کچھ سننا ہی بند ہوگیا۔ گرم سیال آنسوؤں کا لاوا' گالوں پر پھر سے پھوٹ پڑا۔ مریم لپک کر اس کے قریب آ گئی۔

''خیریت......؟'' کس دل سے اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا اور زرنیلا اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اللہ نے میری سن لی ہے مریم' اس نے مجھے اپنے حضور ٹھکرایا نہیں' اس نے میرے مان کی لاج رکھ لی۔ میرے ارش کو زندگی دے دی' بچا لیا اسے......'' وہ جذباتی ہو رہی تھی۔ مریم کے دل میں یکا یک بہت سے پھول کھل گئے اور اس نے زرنیلا کو باہوں میں بھینچ لیا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے بکھرے بال سنوار کر اسے تسلی دینے لگی۔

ارش پورے دو ماہ اسلام آباد اسپتال میں ایڈمٹ رہنے کے بعد ڈسچارج ہو کر گھر واپس روانہ ہوگیا۔ ڈاکٹرز اس کی ذہنی حالت کے بارے میں تھوڑے سے فکر مند تھے کیوں کہ اس کے دماغ پر چوٹیں کافی تعداد میں آئی تھیں جس کی وجہ سے اس کی یاداشت کے کھو جانے کا خدشہ بھی تھا' کچھ ارش کی گم صم سی کیفیت نے ان کے شک کو مزید وسعت دی مگر صد شکر کہ وہ ریاض صاحب' نوخیز' ساحل' اسجد اور اپنے آفس ورکرز کو بھی بخوبی پہچان رہا تھا' تب ہی ڈاکٹرز نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے اسے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ ڈسچارج کر دیا تھا۔ وہ تا حال اس ذہنی کش مکش سے نکل نہیں پا رہے تھے کہ صرف ایک رات پہلے مکمل موت کی وادی میں اترا مسافر دوسری ہی رات زندگی کی طرف واپس کیسے پلٹ آیا۔ محض چند گھنٹوں میں ایسا کون سا جادو ہوا تھا جو اس کے اندرونی اعضاء نے کام کرنا شروع کر دیا تھا' سانسیں نارمل بیٹ (Beat) پر آ گئی تھیں۔ وہ سوچ سوچ کر بھی یہ معجزہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

کیا واقعی' جب دوا کام نہیں کرتی تو دعا اپنا اثر دکھاتی ہے؟

♥......♥......♥

ارش نے جس وقت گھر کی دہلیز پر قدم رکھا' اس کا دل بے حد اداس تھا۔ انتہا سے زیادہ بیزار اور بجھا ہوا۔ اس حادثے نے زرنیلا پر کیا اثر ڈالا ہوگا' وہ قطعی بے خبر تھا۔ نوخیز' ساحل' اسجد' ریاض صاحب' سب اس کے ساتھ تھے۔ اسے سنبھالے ہوئے سہارا دیئے ہوئے تھے کیوں کہ خون کافی مقدار میں بہ جانے اور کم زوری ہو جانے کے باعث وہ ابھی چلتے ہوئے لڑکھڑا جاتا تھا۔ اس کے بازوؤں اور ماتھے پر ابھی بھی پٹیاں بندھی تھیں مگر اسے دل کے زخم کے سوا باقی یہ سب زخم معمولی محسوس ہو رہے تھے۔

آہٹ پر زرنیلا چونک کر بیڈ سے اتری اور دوپٹے کی پروا کیے بغیر بھاگ کر کمرے کی دہلیز پار کر لی مگر وہ چوکھٹ پر ہی پتھر کی ہوگئی۔ اس کی نگاہوں نے زندہ سلامت ارش کا دیدار کیا۔ وہ اپنے پاؤں پر چل کر گھر آیا تھا اور اب لاؤنج میں کھڑا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ بے حد ناراض' شکوے بھری نگاہوں سے وہ پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھے گئی۔

''اندر چلو زرنیلا بیٹی اور جا کر دوپٹہ اوڑھو' ارش اب خدا کے کرم سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔'' ریاض صاحب کی بھاری آواز نے ہی اس کی محویت کو توڑا اور اسے ناچاہتے ہوئے بھی ارش کے چہرے سے اپنی پیاسی نگاہیں ہٹانا پڑیں۔ وہ پورا دن اور پوری رات اس نے کس حال میں خود پر ضبط کے بندھ باندھے گزاری' یہ صرف اس کا دل جانتا تھا یا اس کا خدا۔ ارش اس کے پاس تھا مگر وہ اسے جی بھر کر دیکھ نہیں سکتی تھی' اسے پیار نہیں کر سکتی تھی' ایک لفظ تک نہیں کہہ پا رہی تھی۔

پھر وہ جس وقت اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئی' ارش نیند کی دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ نوخیز' مریم' ساحل' اسجد وغیرہ سب کراچی چلے گئے تھے۔ ریاض صاحب اور فاطمہ بیگم بھی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی رخصت ہوئے تھے۔ فائلہ آپی تو شام میں ہی رخصت ہوگئی تھیں کہ امیر بھائی کو پچھلے تین روز سے بخار تھا۔ دھیرے دھیرے چلتی وہ ارش کے قریب آئی اور بیڈ پر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

گو وہ مکمل طور پر خطرے سے نکل آیا تھا مگر اس کی پیشانی' بازو اور ٹانگ پر بندھی پٹیاں اب بھی زرنیلا کو رُلا رہی تھیں۔ تب ہی وہ اس کا ہاتھ تھام کر اپنی پلکوں سے لگاتے ہوئے رو پڑی۔ فقط چند ہی دنوں میں آنکھیں یہ حسین سی صورت دیکھنے کو کتنا ترس گئی تھیں۔ ارش کی آنکھیں کھلیں تو وہ اس کے پہلو میں بیٹھی' دیوانوں کی طرح اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''مجھے زندہ دیکھ کر بہت دکھ ہو رہا ہوگا تمہیں' مگر پلیز بی لیوی زرین' میں نے قطعی نہیں چاہا تھا کہ میں زندہ رہوں' نجانے کس کی دعائیں' صدائیں' آنسو مجھے زندگی کی طرف پھر سے لے آئے۔'' ارش کا لہجہ بے حد بوجھل تھا' زرنیلا تڑپ کر رہ گئی۔ پھر اپنا سر اس کے کشادہ سینے پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ ارش کے دل میں تو جیسے زلزلہ سا آ گیا۔ زرنیلا کی آنکھوں میں آنسو اور وہ بھی اس کے لیے، جسے وہ نظر بھر کر دیکھنا گوارہ نہیں کرتی تھی اور اب کچھ ہی دنوں میں کیا حال کر لیا تھا اس نے اپنا' وہ تو اسے اس حال میں دیکھ کر ہی چکرا گیا تھا' اوپر سے اس کے یہ آنسو اور وہ بھی اس کے لیے' وہ حیران نہ ہوتا تو کیا کرتا؟

''تمہیں بہت شوق ہے ناں مجھ سے جدا ہونے کا' تنگ آ گئے ہو ناں مجھ سے' تو مار ڈالو اپنے ہاتھوں سے' قصہ ہی ختم کر دو میرا' مگر میری زندگی میں جدائی کی بات مت کرو ارش' چلے جانے کی بات مت کرو' میں تم سے اجنبی بن کر' لڑ جھگڑ کر' روٹھ کر زندہ رہ سکتی ہوں مگر جدا ہو کر نہیں۔ ایک پل کے لیے بھی نہیں......'' زخمی حلق سے آواز بڑی مشکل سے نکل رہی تھی۔ رو رو کر

آنکھیں ویران ہو رہی تھیں۔ خوب صورت ریشمی بال' بے توجہی سے بکھر کر گردن سے چپک گئے تھے اور وہ بچوں کی مانند بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ارش کا سانس تو جیسے سینے میں ہی کہیں اٹک گیا۔ اسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہ آیا۔ اسے لگا زرنیلا اب بھی اسے محض ستانے کے لیے جوک کر رہی ہے۔ وہ جیسے ہی اس کی بات پر یقین کرے گا' وہ کھل کھلا کر ہنس پڑے گی اور اس کے بے وقوف بن جانے پر اس کا مذاق اڑائے گی۔

''تم نے تو میری جان ہی لے لی تھی ارش' تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میرا کیا ہوگا؟ تمہارے بغیر میں کیسے جیوؤں گی؟ ہاں میں گنہ گار ہوں' مجھے میری خطاؤں کی سزا ملنی چاہیئے' تمہیں دکھ دینے کی' ستانے کی' اذیت دینے کی سزا ملنی چاہیے مجھے' مگر اتنی بڑی نہیں ارش' اتنی بڑی نہیں۔''

آنکھوں کے کٹورے لبالب آنسوؤں سے بھرے تھے۔ پورا چہرہ اشکوں سے تر تھا اور وہ ہاتھوں کے پیالے میں اس کا حیران' بے یقین سا چہرہ تھامے کسی بھکاری کی مانند فریاد کر رہی تھی۔ ارش کے دل کو' اس کے آنسوؤں نے جیسے مٹھی میں جکڑ لیا۔ آنکھیں پل کے پل میں نم ہوگئیں اور اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کے سرد پڑتے ہاتھ تھام لیے۔ یہ وہ زرنیلا تو نہیں لگ رہی تھی' جسے اس کی صورت تک سے شدید چڑ تھی جس کے لبوں سے صرف تکلیف دینے والے الفاظ ہی نکلتے تھے' یہ تو کوئی دیوانی تھی' کوئی ہیر' کوئی مجنوں کی لیلیٰ' کوئی پنوں سے بچھڑی سسی' محبت میں نڈھال کوئی پاگل سی لڑکی' جو زار وقطار روئے جا رہی تھی۔

ارش ہاتھوں کے پیالے میں کچھ دیر تو اس کا یہ سُتا سُتا چہرہ لیے اس کا اداس سا سراپا اپنی نگاہوں میں اتارتا رہا' پھر کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اپنی مضبوط بانہوں کے حلقے میں اس کا نازک سا وجود چھپا لیا۔ کب سے سینے کے اندر مچلتی پیاس عود آئی اور وہ اس کے سینے سے لگی' کسی معصوم سے بچے کی مانند تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔

''بس کرو پاگل لڑکی' سارے آنسو کیا ابھی بہا ڈالو گی' تھوڑے سے بچا کر رکھ لو' ہوسکتا ہے کل کو میں سچ مچ مر جاؤں تو دنیا دکھاوے کے لیے تھوڑے سے آنسو تو ہونے چاہئیں ناں تمہارے پاس......''

وہ اب پیار سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھ کر' اسے ستانے کو بولا تو زرنیلا نے تڑپ کر اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''اوکے' اوکے مگر پلیز اب یہ دریائے گنگا بہانا بند کرو' تمہارے آنسو پونچھ پونچھ کر تو اب میرے ہاتھ بھی جواب دینے لگے ہیں۔ ویسے میڈم' کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گی کہ یہ اچانک معجزہ ہوا کیسے......؟'' وہ اب شرارتی موڈ میں آ کر اس کا من بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زرنیلا نے چپ چاپ اپنا سر اس کے چوڑے سینے پر رکھ دیا' پھر اس کے شرٹ کے بٹنوں کو چھیڑتے

ہوئے آہستگی سے بولی۔

''میں یہ خود بھی نہیں جانتی ارش کہ میرے دل میں یہ اچانک ہی تم سے محبت کا بھونچال کیوں اور کیسے آ گیا۔ مگر شاید یہی حقیقت ہے ارش کہ تمہاری محبت' تمہارے سچے جذبوں کی جیت ہوگئی اور میں محرومیوں کی ماری' ایک عام سی لڑکی' اپنی انتہا پسندی کے ساتھ آخر ہار گئی۔''

''اے میڈم' خبردار جو خود کو عام سی لڑکی کہا تو' ارش احمر کی مسز کوئی عام سی لڑکی نہیں ہو سکتی' انڈر اسٹینڈ؟'' شہادت کی انگلی اٹھا کر اس کی ٹھوڑی کو ذرا سا اوپر کرتے ہوئے وہ قدرے شوخ انداز میں بولا تو زرنیلا نے دھیمے سے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

''ارش' مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا تھا......'' بدستور نگاہیں جھکائے وہ شرمائے شرمائے سے لہجے میں بولی تو ارش جو پہلے ہی مدہوش سا ہو رہا تھا' چونک کر اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''ایسے نہیں' پلیز پہلے تم اپنی آنکھیں بند کرو۔'' نازک انگلیاں مروڑتی وہ شرم کے مارے سرخ ہوئی جا رہی تھی اور ارش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے ایسی کون سی خبر سنانے جا رہی ہے جو اسے یوں بیر بہوٹی بننا پڑ رہا ہے۔ اسی شش و پنج میں اس نے زرنیلا کے اصرار پر حیرانی سے بالآخر پلکیں موند لیں۔ زرنیلا کچھ دیر تو اسے یوں حکم کی تعمیل میں آنکھیں بند کیے دیکھتی رہی' پھر اپنا منہ دھیرے دھیرے اس کے کان کے پاس لے جا کر سرگوشی میں بولی۔

''ارش......تم پاپا بننے والے ہو......''

ارش نے جھٹ آنکھیں کھولیں مگر وہ اسے کوئی بھی موقع دیئے بغیر ہنستی ہوئی باہر بھاگ گئی اور ارش کو لگا جیسے ابھی ابھی اس نے جو سنا تھا' وہ محض اس کی سماعتوں کا وہم ہو ورنہ وہ بھلا ایک ساتھ اتنی خوشیوں کے قابل کہاں تھا۔ اس کا بس نہ چلا کہ ہنس ہنس کر ساری دنیا کو اپنے ساتھ شریک کرے۔ خوشیوں کے یہ چند لمحے' ساری عمر کی محرومیوں پر گھٹا بن کر چھا گئے اور وہ خوشی سے بے حال ہوگیا۔ مارے خوشی کے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ وہیں بیڈ پر خدا کے حضور سجدے میں گر گیا۔

♥......♥......♥

چند دن قبل زندگی کتنی بوجھل تھی مگر اب لگ رہا تھا کہ جیسے ہر طرف بہاریں ہی بہاریں رقصاں ہوں۔ ارش اگلے چند ہی دنوں میں مکمل صحت مند ہوگیا۔ ہنسی تو اب جیسے اس کے ہونٹوں پر چپک کر رہ گئی تھی' بات بے بات ہنس پڑتا اور زرنیلا اسے یوں کھل کھلاتے دیکھ کر بعض اوقات ڈر جاتی' وہ اتنا خوب صورت لگتا تھا کہ نظر لگ جانے کا احتمال رہتا تھا۔ تب ہی وہ اکثر اسے یوں کھل کھلا کر ہنسنے پر ٹوک دیتی اور وہ اس کی اس محبت پر جیسے نہال ہی تو ہو جاتا۔

زرنیلا کے دل میں جانے یہ کیسی محبت نے سر اٹھایا تھا کہ اس کا من چاہا' ارش ہر پل بس نگاہوں کے سامنے رہے' کہیں نہ جائے' کچھ نہ کرے' اسے سوائے اس کے اور کوئی نہ ملے اور

وہ دن رات اسے اپنے سامنے بٹھائے' کسی داسی کی طرح یک ٹک اسے دیکھے جائے' کتنا ترس گئی تھی آنکھیں' فقط چند ہی روز میں یہ حسین صورت دیکھنے کو۔

گو ارش اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا' ریاض صاحب نے اس کے صدقے کے لیے بیک وقت دس کالے بکروں کی قربانی کر کے قریبی مدرسے میں بھجوا دیے تھے۔ زرنیلا بھی اب پانچوں نمازوں میں باقاعدگی سے خدا کے حضور' اپنے خوش حال گھرانے کی سلامتی اور ارش کی لمبی عمر کی دعائیں مانگتی نہ تھکتی تھی۔ ارش بھی اب پابندی سے پانچوں ٹائم کی نماز پڑھنے لگا تھا۔ زرنیلا نے ہر جمعرات کو صدقہ خیرات کرنا بھی اپنا معمول بنا لیا تھا۔ اس روز بھی وہ بچوں میں تقسیم کرنے کے لیے کھیر پکا رہی تھی' جب ارش اسے ڈھونڈتا وہیں کچن میں چلا آیا۔

''ہیلو مائی ڈیئر وائف' کیا ہو رہا ہے؟'' اسے بانہوں کے گھیرے میں لے کر ٹھوڑی اس کے بائیں کندھے پر ٹکا کر وہ لاڈ سے بولا۔

''کھیر پکا رہی ہوں' بچوں میں تقسیم کرنی ہے۔ کیوں تمہیں کوئی کام تھا؟''

''کیا یار' ہر وقت کام' کام اور بس کام' منع کیا ہے ناں میں نے تمہیں محنت مشقت سے۔ پھر کیوں اثر نہیں ہوتا تم پر......؟ لوگ کہیں گے' بچی بیچاری پہلی بار ماں بن رہی ہے' شوہر نے خیال نہیں کیا' ساس سسر ہوتے تو پروا کرتے' شوہر کو تو کام چاہیے تھا کام......'' وہ قطعی غیر سنجیدہ تھا مگر لہجے میں تھوڑی سی ناراضگی ضرور تھی۔ زرنیلا اس کے انداز پر کھل کھلا کر ہنس دی۔

''او مائی گاڈ' ارش! تمہیں لوگوں کی پروا کب سے ہونے لگی......؟ اور پھر دیکھو ناں' صدقہ خیرات کرنا تو اچھی بات ہے۔ اس سے ہزاروں ان دیکھی بلائیں ٹلتی ہیں۔'' ارش کی ناک اپنی چٹکی میں دبا کر وہ لاڈ سے بولی تو اس نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور چاہت سے مخمور آواز میں بولا۔

''میں جانتا ہوں' خدا پر تمہارا یہ یقین ہی مجھے موت کی وادی سے واپس لایا ہے' بس یہ پیار یونہی قائم رکھنا۔''

اور اس کے اس انداز پر زرنیلا اس کے جمے جمائے سلیقے سے بنے بال بکھیر کر ہنس پڑی تو ارش نے بھی مطمئن ہو کر آنکھیں موند لیں۔

♥......♥......♥

زندگی ایک دم سے کتنی خوبصورت ہو گئی تھی۔

ارش کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگے۔

اُس روز زرنیلا اپنے کمرے میں گھسی' ارش کی وارڈ روب کی صفائی کر رہی تھی' جب وہ گنگناتے ہوئے اُسے آوازیں دیتا' اُس کے سر پر پہنچ گیا۔

وہ ابھی ابھی آفس سے لوٹا تھا اور غالباً مارکیٹ سے ہوتا ہوا آیا تھا تب ہی اس کے دونوں ہاتھوں میں ڈھیروں شاپرز تھے' زرنیلا حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ارش...... یہ سب کیا ہے......؟'' شاپرز اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے وہ چاہ کر بھی اپنی حیرانی چھپا نہیں پائی۔

''یہ......؟ جناب یہ سب میری پیاری سی ہونے والی بیٹی کے لیے' کچھ چیزیں ہیں' دیکھ کر بتاؤ' میری چوائس کیسی رہی......؟''

مگر ارش ضروری تو نہیں بیٹی ہی جنم لے' جناب اگر بیٹا ہو گیا تو کیا کرو گے؟ اسے یہ فراکیں پہناؤ گے......؟'' وہ شاپرز سنبھال کر بیڈ پر رکھتی قدرے شوخی سے بولی تو ارش بوٹ کے تسمے کھولتے ہوئے بے اختیار ہنس پڑا۔

''لو' ایسے کیسے بیٹا جنم لے گا' محترمہ میں نے کل اللہ میاں سے ریکویسٹ کی تھی کہ پیارے اللہ میاں' میرے گھر تو میری پیاری سی گڑیا بیٹی کو ہی بھیجنا۔ اب دیکھو ناں' کل کلاں کو میری تم سے لڑائی ہو جائے اور تم غصے میں آ کر میرا حقہ پانی اوسوری' حقہ تو میں پیتا ہی نہیں' ہاں دانا پانی بند کر دو تو بتاؤ بھلا' میں کس کی ماں کو ماسی کہوں گا؟ اب ایسے میں اگر میری بیٹی ہو گی تو وہ میرا خیال تو رکھے گی ناں' ویسے بھی تمہارے ہاتھ کے بے مزا کھانے کھا کھا کر میری قوت برداشت لوز بھی تو ہو سکتی ہے ناں' تو پھر میری بیٹی' مجھے اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے مزے مزے کے کھانے پکا کر تو کھلائے گی اور رات میں مجھے نیوز پیپر سناتے ہوئے کبھی سر دباتے ہوئے جب کمپنی دے گی تو میں تم سے لڑ جھگڑ کر بے فکر ہو کر تو رہوں گا۔'' مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کے کناروں میں دبی تھی اور وہ اپنی گفتگو کو خود ہی انجوائے کر رہا تھا۔ زرنیلا تو ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔

''ٹھیک ہے' خبردار جو آج کے بعد میرے ہاتھ کا پکا کچھ بھی کھایا تو' جب تک بیٹی کے ہاتھ کا پکا نہ مل جائے' تب تک ہوٹلنگ کرو۔'' بمشکل ہنسی کو بریک لگا کر وہ قدرے ناراضی سے بولی تو ارش نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''تھینک یو' تھینک یو مائی ڈیئر وائف! اس اجازت کے لیے بہت بہت شکریہ۔ اندھا کیا چاہے' دو آنکھیں' لہٰذا جا رہا ہوں میں کسی اچھے سے ریسٹوران میں' وہاں کوئی ٹینا روزی مل جائیگی عیش کریں گے۔ گڈ بائے......'' وہ اپنا کوٹ اٹھا کر کندھے پر ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تو زرنیلا فوراً سے بیشتر تپ گئی۔

''تم مل کر تو دکھاؤ کسی ٹینا اور روزی سے' کھڑے کھڑے خون نہ پی جاؤں تو کہنا۔'' ارش نے کس مزے سے اس کا پھولا پھولا سا سرخ چہرہ دیکھا۔

''کس کا......؟ آئی مین کس کا خون پی جاؤ گی تم......؟'' نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر

وہ اس کی جیلسی سے بھرپور لطف اٹھا رہا تھا۔

"تمہاری ان چڑیلوں کا' جن سے ملنے جاؤ گے تم۔" وہ بے حد جل کر بولی تو ارش کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"او کے' او کے' نہیں جاتا میں۔ خوش......؟ مگر پلیز تم یہ غصہ کم کرو' پہلے ہی چڑیا سا دل ہے تمہارا' ایویں پھڑک پھڑک گیا تو میں کس کی ماں کو ماسی کہوں گا۔"

"میری ماں کو کہہ لینا۔" اس کی شرارت جان کر وہ بھی ہنستے ہوئے بولی اور اس سے پہلے کہ ارش اسے پکڑتا' وہ بھاگ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

♥......♥......♥

ایک طویل عرصے کے بعد ابوظہبی سے ساجد بھائی کا خط ملا' جس میں انہوں نے لکھا کہ وہ وہیں شادی کر کے اپنا گھر بسا چکے ہیں اور اس خبر نے ریاض ہاؤس کے مکینوں کو کس درجہ دکھ سے ہم کنار کیا' یہ صرف ان کے دل جانتے تھے یا ان کا خدا۔ ایک بیٹے کی' بھائی کی' شادی کا ارمان بھلا کس ماں کس بہن کو نہیں ہوتا اور وہ بھائی' وہ بیٹا اگر اکلوتا ہو تو یہ ارمان سانسوں میں پنپ جاتا ہے۔ فاطمہ بیگم کے لیے یہ صدمہ کسی طور بھلنے والا نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ فقط چند ہی دنوں میں برسوں کی بیمار دکھائی دینے لگیں۔

فائلہ اور زرنیلا کی آنکھیں تو جیسے آنسوؤں کا تالاب بن گئیں اور ریاض صاحب' وہ تو گویا کچھ بولنا ہی بھول گئے۔ ان کی اپنی اولاد' جنہیں کسی ظلم پر اُف تک کرنے کی اجازت نہیں دی' وہ ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر ایسا کوئی قدم اٹھا سکتی ہے' کبھی سوچا بھی نہیں تھا انہوں نے' مگر اب وہ کسی کو کیا کہتے؟ یہ سب کانٹے تو ان کے اپنے ہی بکھیرے ہوئے تھے۔ پھر اب اگر پاؤں میں چبھ گئے تھے تو تکلیف کا شکوہ کس سے کرتے؟

فاطمہ بیگم کے ہونٹوں پر تو ایک جامد چپ لگ چکی تھی۔ بیٹے کی اس حرکت نے انہیں اندر تک توڑ کر رکھ دیا تھا' جس اولاد کی خاطر وہ زندگی بھر دکھ سہتی رہیں' صرف اس امید پر کہ کبھی تو یہ پودے بڑے ہو کر چھاؤں مہیا کریں گے' اب اسی اولاد نے انہیں زندگی کے اتنے اہم فیصلے میں' کسی قابل نہیں سمجھا۔ ان کی ہر امید دم توڑ گئی' ان کے لختِ جگر نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ اس کا یہ قدم اس کے باپ کے ساتھ ساتھ ماں اور بہنوں کو بھی کس قدر تکلیف سے دوچار کرے گا۔

زرنیلا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ بھائی کے اس تکلیف دہ عمل پر آنسو بہائے یا اپنی ماں کو سمجھائے' انہیں تسلی دے جب کہ وہ خود تخلیق کے عمل سے گزر رہی تھی' وہ فاطمہ بیگم کی کیا خدمت کرتی' کراچی سے مریم کا فون آیا تھا اور اس نے خوش خبری دی تھی کہ وہ ایک پیارے سے بیٹے کی ماں بن گئی ہے۔ مریم کی یہ خوشی زرنیلا کے لیے بھی بہت اہم تھی' وہ اس کی

اس خوشی کو سلیبریٹ کرنا چاہتی تھی مگر کیا کرتی کہ اس وقت خود ان کے دل غموں سے چور تھے۔

ہر گزرتا دن درد کی اذیت کو مزید بڑھا دیتا مگر ایک نہ ایک دن تو انہیں حقیقت کو قبول کرنا ہی تھا سو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی فاطمہ بیگم کو اپنی بیٹیوں کے لیے اپنا آپ سنبھالنا پڑا۔ وہ اب اپنا خیال رکھنے لگیں۔ زندگی بھر بڑی سے بڑی تکلیف کو ہنس کر سہ جانے والی فاطمہ بیگم بیٹے کی طرف سے ملنے والے فقط ایک ہی دکھ کے جھٹکے سے ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گئیں۔ کتنا ٹھہراؤ آ گیا تھا ان کی شخصیت میں' کتنی بھی تکلیف میں ہوتیں کبھی اپنی تکلیف کو ظاہر نہیں کرتی تھیں۔ اگر تیز بخار میں جل بھی رہی ہوتیں تب بھی روز مرہ کے کام معمول کی مانند سر انجام دیتی رہتیں اور کسی کو گمان تک نہ ہوتا کہ وہ کس تکلیف سے گزر رہی ہیں۔

ہر روز شام میں زرنیلا اور ارش ان کے پاس آ جاتے اور کتنی ہی دیر اپنی باتوں' اپنے قہقہوں میں ان کا من بہلانے کی کوشش کرتے رہتے اور اپنی اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی رہتے۔ زرنیلا ان کی طرف سے کسی قدر مطمئن ہوئی تو ایک دن ارش کی ڈائری پڑھتے ہوئے یوں ہی اچانک اس کے ڈیڈ کے بارے میں سوچنے لگی۔ بیٹے کے اتنے بڑے حادثے' پھر اس کی شادی تک پر پاکستان نہ آنا' قطعی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تب ہی ایک دن وہ یہ الجھن ارش سے شیئر کر بیٹھی۔

"ارش...... ہمارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا' آپ موت کے منہ سے نکل کر واپس آئے ہیں مگر اس کے باوجود بھی پاپا پاکستان نہیں آئے' آخر کیوں......؟"

اس کے اس سوال پر ارش نے پل بھر نظر اٹھا کر اسے دیکھا' پھر دوبارہ سے اپنے کام میں مشغول ہو کر بولا۔

"وہ پاکستان نہیں آئیں گے زرنیلا...... شاید کبھی بھی نہیں اور جہاں تک میرے ایکسڈنٹ کا سوال ہے' تو اس کے متعلق انہیں کچھ خبر نہیں ہے کیوں کہ جن دنوں میرا ایکسیڈنٹ ہوا' پاپا ان دنوں دوبئی میں نہیں تھے' ان کا موبائل بھی تبدیل ہو چکا ہے اور ان کا کوئی اور رابطہ نمبر بھی میرے پاس نہیں تھا' اسی لیے انہیں خبر نہ دی جا سکی۔ اب سوچتا ہوں کہ جب سب کچھ اللہ کی مہربانی سے ٹھیک ہو چکا ہے تو انہیں فضول میں پریشان کیوں کروں۔"

"مگر ارش' وہ پاکستان کیوں نہیں آنا چاہتے؟" سوال پچھلے بہت دنوں سے اس کے ذہن میں کلبلا رہا تھا' مگر اس وقت لبوں سے بے اختیار پھسلا۔

"یہ بہت لمبی کہانی ہے زرین' یوں سمجھ لو کہ محبت کی کتاب میں ایک باب' جو اپنے دردناک انجام کے ساتھ کلوز ہو گیا' وہ میرے ڈیڈ کا ہے' محبت کا دکھ انہیں ان فضاؤں میں آنے نہیں دیتا' انہیں لگتا ہے وہ یہاں آ کر سانس لیں گے تو یہ ہوائیں ان کی سانسوں کو جکڑ لیں گی۔

محبت میں بے وفائی کرنے کے جرم میں کسی کی سسکیاں انہیں جلا کر بھسم کر دیں گی۔ وہ مر کر بھی چین نہ پا سکیں گے۔ بس یوں سمجھ لو کہ ڈیڈ اپنی محبت کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں اسی لیے جلا وطنی کی سزا دی ہوئی ہے خود کو' ہو سکتا ہے میرے ایکسیڈنٹ کی خبر انہیں کھینچ کر پاکستان لے آتی مگر میں جانتا ہوں زریں' وہ یہاں کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔"

"اس کا مطلب ہے وہ جنہیں چاہتے تھے وہ ہستی ابھی زندہ ہے' کیا تم انہیں جانتے ہو ارش۔"

"نہیں' میں انہیں جانتا تو نہیں' ہاں ان کے بارے میں ڈیڈ سے سنا بہت کچھ ہے۔ وہ کیسی تھیں' کیسے بولتی تھیں' کیسے ہنستی تھیں' کیسے چلتی تھیں' کیا کھاتی تھیں' کیا پیتی تھیں۔ سب سنا ہے میں نے' ڈیڈ نے کبھی اپنی زندگی کی کوئی بات مجھ سے نہیں چھپائی بلکہ تمہیں یہ سن کر تھوڑی حیرانی ہو کہ انہوں نے ماما کے بارے میں کبھی مجھ سے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے دل میں صرف ایک عورت کی محبت ہمیشہ سب کی زندگی پر بھاری رہی۔ میں' ماما' دادا' دادی' پھوپھو' سب ان کی شدید محبت کے لیے ہمیشہ ترستے ہی رہے۔ تم کہتی ہو ناں زریں کہ محبت کرنا اور کر کے نبھانا صرف عورت کو ہی آنا ہے مگر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مرد کے لیے بھی محبت کا احساس اتنا ہی دل کش اور طاقت ور ہے جتنا کہ ایک عورت کے لیے کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج میرے پاپا اپنی ناکام محبت کا روگ یوں دل کو لگائے دربدر بھٹک نہ رہے ہوتے' جانتی ہو زرنیلا مرد ہو یا عورت' محبت جب حاصل ہو جاتی ہے تو زندگی میں سکون در آتا ہے' ٹھہراؤ آ جاتا ہے مگر جب یہ حاصل نہیں ہو پاتی تو دھیرے دھیرے عشق کا روپ دھار لیتی ہے اور عشق تو انسان کو پاگل کر دیتا ہے زریں' ساری دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔"

"تم شاید سوچتی ہو گی کہ جب ڈیڈ کسی کو اس قدر ٹوٹ کر چاہتے تھے تو انہوں نے میری ماما سے شادی کیوں کی' ہے ناں......؟" اچانک نظریں اٹھا کر اس نے زرنیلا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال پوچھا تو آپ ہی آپ اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔

"ڈیڈ کو مما سے محبت نہیں تھی' ترس' ہمدردی' خیال' کچھ بھی نہ تھا مگر پھر بھی انہیں اپنی محبت کی قربانی دے کر ماما سے شادی کرنا پڑی۔ جانتی ہو کیوں......؟ کیوں کہ دنیا کے پینتالیس فیصد مردوں کی طرح وہ بھی مجبور ہو گئے تھے اپنے والدین کے حکم' ان کی محبت کے سامنے' یہ نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی محبت کے حصول کے لیے کوئی احتجاج نہیں کیا' بہت احتجاج کیا تھا انہوں نے' مگر میرے دادا جی' خاندان سے باہر شادی کے سخت خلاف تھے' پھر پاپا کی محبت تو ان کی کاسٹ سے بھی الگ تھی۔ دادا جان ایک غیر خاندان' غیر کاسٹ کی لڑکی کو' کسی صورت اپنے گھرانے کی بہو بنانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نتیجتاً پاپا کو دادی کے آنسوؤں' ان کی ممتا کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑے اور انہوں نے میری ماما سے شادی کر کے اپنی محبت سے منہ پھیر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری پیاری

ماما کو پورے تین سال تک' سسک سسک کر سمجھوتے کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ مجھے ساری عمر اُن کی محبت کے لیے ترسنا پڑا اور ان کی محبت کو بغیر کوئی جرم کے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک پل' ایسی اذیت میں گزارنا پڑا کہ جس سے موت کہیں درجے بڑھ کر آسان تھی۔ خود کو اذیت میں سلگانے کی یہ سزا انہوں نے خود چنی اور ایک ایسے شخص سے شادی کر لی جو دونوں ٹانگوں سے معذور تھا۔ بوڑھا اور بد دماغ تھا جو خود سے ہل کر ایک گلاس پانی پینے کی ہمت بھی نہیں رکھتا تھا۔ اپنے والدین' بہن بھائیوں' دوستوں' سب سے کٹ کر وہ کہاں چلی گئیں' کسی کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اور بس' تب ہی پاپا بھی ہمیشہ کے لیے ملک سے باہر چلے گئے' شادی کے تین سال بعد مما میرے وجود کو اس دنیا میں لا کر ہمیشہ کے لیے پاپا کی زندگی سے نکل گئیں' اپنی زندگی میں بھی وہ دادا جان اور دادی جانے کے گزرنے کے بعد بارہا ڈیڈی سے دوسری شادی کے لیے کہتی رہیں' اپنے اندر کے دکھ کو تھپک تھپک کر سلائے وہ ہمیشہ پاپا کے دکھ پر دکھی ہوتی رہیں۔ ایک عورت کے لیے بھلا ٹھکرائے جانے کے دکھ سے بڑھ کر بڑا دکھ کیا ہو سکتا ہے؟ وہ یہ دکھ بھی ہمیشہ اندر ہی اندر پالتی رہیں' جس کے لیے وہ سب کچھ چھوڑ کر آئی تھیں' اسی کی بے اعتنائی کو سینے سے لگائے' ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند گئیں اور میں ہمیشہ ایک کھلونے کی مانند' اپنے زندہ رہنے کا مقصد ہی تلاش کرتا رہا اور جب اجنبی فضاؤں میں جی جی کر اوب گیا تو یہاں پاکستان چلا آیا۔ اپنی ماما کے دیس میں' ان فضاؤں میں جہاں انہوں سانس لیے تھے' جن میں کبھی ان کے قہقہے گونجتے تھے' سرگوشیاں بلند ہوئی تھیں اور انہی فضاؤں نے مجھے تمہارے روپ میں جینے کا مقصد بھی دے دیا زریں...... سوچتا ہوں اگر تم نہ ہوتیں تو میں کیسے جیتا؟"

ارش کی پلکیں نم ہو گئی تھیں' آواز بھر آئی تھی۔ زرنیلا نے ارش کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ کسی لڑکی کی محبت کے لیے کوئی مرد اتنا سریس ہو سکتا ہے' آج سے پہلے وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ کیا ارش......؟ جو تقدیر میں لکھا وہ وہ ہم ٹال تو نہیں سکتے ناں......؟ پھر یہ آنسو کیوں آئے تمہاری آنکھوں میں۔" اسے حقیقتاً ارش کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر دلی تکلیف ہوئی تھی۔ ارش اس کی طرف دیکھ کر نم آنکھوں کے باوجود مسکرا دیا۔

"تم نہیں جان سکتیں زرین کہ آج تم سے اپنا غم شیئر کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ پتہ ہے زریں' آج مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی ہے جسے میرے آنسو تکلیف دیتے ہیں' میرا دکھ جسے اپنا دکھ لگتا ہے' جس سے میں دل کی ہر بات بلا جھجک شیئر کر سکتا ہوں اور جب زندگی میں کوئی ایسا اپنا آ جائے ناں زرنیلا تو پھر یہ آنسو خوشی کے آنسو ہوتے ہیں۔ غم کے نہیں۔"

زرنیلا نے مسکرا کر محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا' پھر آہستگی سے اس کے بال محبت سے بکھیرتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی اور ارش دونوں ہاتھوں کو کہنیوں کے بل ٹیبل پر ٹکا کر ان پر اپنا چہرہ رکھے کتنی ہی دیر اُلوہی جذبوں کی یلغار میں گھرا' اسے کام میں مصروف دیکھتا رہا جب کہ زرنیلا پر آج یہ دوسرا بھید کھلا تھا کہ مرد بھی محبت کرنا جانتا ہے۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ارش بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا اور اس کے ماہانہ ٹیسٹ کی کچھ ضروری رپورٹس آج ہی ڈاکٹر سے لینا تھیں تب ہی زرنیلا کو مجبوراً اسپتال آنا پڑا ورنہ اس نے گھر سے باہر نکلنا تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا۔ ارش سے بات کرتی تو وہ یقیناً اسے کبھی اسپتال جانے نہ دیتا کیوں کہ وہ جتنا اپنے بارے میں' اپنی ذات کے بارے میں بے پروا تھا اتنا ہی اس کے بارے میں کیئرفل' زرنیلا کو کانٹا بھی چبھ جائے' اسے یہ گوارہ نہیں تھا مگر دوسری طرف اب یہی حال زرنیلا کا تھا۔ اس کے لیے ارش کی صحت کے بارے میں چھوٹی سی چھوٹی پرابلم کا جاننا' اسے ہر تکلیف سے دور رکھنا' بے حد ضروری تھا۔ تب ہی وہ ڈاکٹر سنوان صدیقی سے ارش کی رپورٹس وغیرہ کے بارے میں بات چیت کرنے اور معلومات لینے کے لیے اسپتال چلی آئی۔

چونکہ وہ ایک مرتبہ پہلے بھی ریاض صاحب کے ساتھ یہاں آ چکی تھی اس لیے یہاں آنے کا تو کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا مگر پرابلم یہ ضرور تھی کہ وہ ڈاکٹر سنوان صدیقی سے مکمل طور پر لاعلم تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ کسی نرس سے ڈاکٹر صاحب کا پوچھ کر وہ ان تک پہنچ جائے گی مگر نرس سے تو پوچھنے کی نوبت ہی نہ آ سکی اور وہ راستے میں ہی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کسی سے بری طرح ٹکرا گئی۔ قصور دونوں فریقوں کا تھا' وہ تھوڑی کنفیوزنگ کا شکار ہو کر ادھر ادھر دیکھتی اوپر کی طرف بڑھ رہی تھی جب کہ سامنے والی شخصیت غالباً بہت تیزی میں نیچے اتر رہی تھی' تب ہی ان دونوں کی ٹکر ہوگئی اور زرنیلا اپنا سر سہلاتی رہ گئی جب کہ سامنے کھڑے سنوان نے جونہی سنبھل کر اسے دیکھا وہ تو گویا اپنی جگہ پتھر ہی ہوگیا' نگاہیں جھپکنا بھول گئیں' دل دھڑکنا بھول گیا' سماعتیں کچھ بھی سننے سے قاصر ہوگئیں اور لب ہلنے سے انکاری۔ زرنیلا نے اس سے کیا کہا' وہ کتنا ناراض ہوئی' اس کے ہونٹوں سے کون کون سی باتیں نکلیں' وہ کچھ نہ سن سکا۔ سب کچھ جیسے ایک ہی محور پر ٹھہر گیا۔ نجانے وہ کب تک یونہی پتھر بنا رہتا کہ ڈاکٹر ارسلان نے آ کر اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا' پھر اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

''او بھائی میاں' یہ کرسی پہ بیٹھے سو جانا تو اکثر سنا تھا' تم یہ کھڑے کھڑے کب سے سونے لگے......؟'' ارسلان کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں واپس لے آئی' آنکھوں میں آپ ہی آپ ہلکی سی نمی اتر آئی تھی۔ اس نے سرد آہ بھر کر اوپر دیکھا۔

اس نے چھو کر مجھے پتھر سے پھر انسان کیا
مدتوں بعد میری آنکھ میں آنسو آئے

کتنا بکھرا ہوا لہجہ تھا اس کا' ارسلان چونک کر اسے غور سے دیکھنے لگا' پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے بازو سے تھام کر اپنے آفس میں لے آیا۔

''سنوان! تم ٹھیک تو ہو؟'' قدرے تشویش سے اس نے پوچھا تھا۔ سنوان نے نڈھال ہوکر' سر کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

''وہ آج پھر مجھے ملی تھی ارسلان' پورے چار سال آٹھ ماہ تین ہفتوں اور پانچ دن کے بعد' بالکل ویسی ہی' ساری دنیا سے الگ۔'' یونہی آنکھیں موندے وہ بڑبڑایا۔ ارسلان اپنی جگہ سے تقریباً اچھل ہی پڑا۔

زرنیلا کی بات کر رہے ہو؟'' بے حد حیران ہوکر اس نے پوچھا تھا' سنوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تو......تو پھر تم نے اسے روکا کیوں نہیں' اس کا اتا پتا' کیوں نہیں پوچھا......؟ کیوں نہیں بتایا اسے کہ تم پچھلے چار سالوں سے پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہے ہو' خود کو برباد کر رہے ہو اس کی محبت میں' روگ بنا لیا ہے تم نے اپنی زندگی کو اس کے لیے۔''

''کیسے کچھ کہتا یار......؟ میں تو اسے دیکھتے ہی پتھر کا ہوگیا تھا۔ پتہ نہیں کیا جادو کرتی ہے وہ' مجھے تو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔''

ارسلان کو اس کی آنکھوں میں عجیب سا درد تیرتا دکھائی دیا۔ وہ اسے مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سنوان بیزار سا ہو کر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''ڈاکٹر سنوان' پلیز بات سنیں۔'' وہ کمرے سے نکل کر آگے بڑھا ہی تھا جب ایک سینئر نرس کی آواز پر رک گیا۔ پھر پلٹ کر پیچھے دیکھا تو ایک مرتبہ پھر جیسے ہر منظر ہی بدل گیا۔ سسٹر بانو کے ساتھ وہی دشمن جاں کھڑی تھی' جس کے لیے اس نے اپنی زندگی تک کو خود پر حرام کر لیا تھا۔ والدین تک سے قطع تعلق کر کے تنہائیوں کو گلے سے لگا لیا تھا۔ ہر خوشی سے منہ موڑ کر دن رات جس کی یادوں کو' خیالوں کو اپنی عادت بنا لیا تھا۔

''ڈاکٹر سنوان' یہ مس زرنیلا ارش ہیں' مسٹر ارش احمر حیات صاحب کی وائف' ارش صاحب کی رپورٹس کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔'' دھڑ دھڑ دھڑ' ایک دم سے جیسے سات کے سات آسمان اس کے سر پر آن گرے۔ کسی نے تیز دھار خنجر سے دل سینے سے نکال کر پاؤں تلے کچل دیا' زمین آسمان جیسے حقیقی معنوں میں ایک ہو گئے۔ اسے لگا وہ پھر سے پتھر کا مجسمہ بن گیا ہو' خالی ذہن' خالی دل' خالی آنکھوں والا بے جان پتلا یا پھر ریت سے بنا ایسا مکان'

جس کیلئے اپنا آپ بچائے رکھنا بھی بے حد دشوار ہو۔

"پلیز بانو' ان سے کہہ دیں کہ یہ کل پرسوں آ کر مجھ سے مل لیں' اس وقت میں گھر جا رہا ہوں' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" کس مشکل سے وہ چند لفظ ادا کر پایا تھا' پھر لمبے لمبے ڈب بھرتا اسپتال سے باہر نکل آیا۔ سینے میں سانس جیسے الجھ سا گیا تھا' آنکھیں یکبارگی ہی جلنے لگی تھیں۔

"مسز ارش احمر حیات کی وائف...... مسز ارش احمر حیات کی وائف......"

یہی جملہ بار بار اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا' اسے لگا ابھی اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی اور وہ ہمیشہ کے لیے مر جائیگا۔

"تم نے ایک ماں کا دل دکھایا ہے سنوان' تمہیں کبھی چین نہیں ملے گا' ایک لڑکی کے لیے تو نے اپنی ماں کی آرزوؤں کا خون کیا ہے' تو کبھی خوش نہیں رہ سکے گا' کبھی سکون نہیں ملے گا تمہیں' تم بھی آخر یونہی تڑپو گے' جیسے آج اس ماں کو تڑپتا چھوڑ کر جا رہے ہو......" قریب ہی کہیں اس کی مما مسز آسیہ ہمدانی کی آواز گونجی تھی اور اس نے بے خود سا ہو کر گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔

"میں تمہیں اپنے دل' اپنے گھر اور اپنے بزنس سے بے دخل کرتا ہوں' آج کے بعد میرا کوئی بیٹا نہیں ہے' اسی وقت نکل جاؤ میرے گھر سے اور دوبارہ کبھی پلٹ کر یہاں قدم مت رکھنا۔"

مسٹر ایاز ہمدانی بھی قریب ہی کہیں چلائے تھے اور اسے محسوس ہوا جیسے وہ آہستہ آہستہ کسی بت کی مانند ٹوٹ رہا ہو۔ گزرتا وقت کبھی ایسے دوراہے پر بھی لاکھڑا کرے گا' اس نے سوچا تک نہیں تھا۔ اپنے پیار میں اندھا ہو کر وہ یہ تصور ہی نہیں کر پایا کہ وہ اس کے علاوہ بھی کسی اور کی ہو سکتی ہے۔ کبھی یوں کسی موڑ پر کسی اور کے لیے پریشان کسی اور کے حوالے سے اچانک مل سکتی ہے۔

"میں زندہ کیوں ہوں' جب برسوں اس کی دید کے لیے ترسنے کے بعد میں نے اس کی صورت دیکھی اور کہہ دیا کہ وہ کل پرسوں آ کر ملے تو جان کیوں نہیں نکلی میرے جسم سے......؟ کچھ ہوا کیوں نہیں مجھے......؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی مے نوش کو ترس کے جام ملے اور وہ اسے چھلکا دے' کیوں......؟ کیا اس لیے کہ وہ کسی اور کی ہو گئی ہے؟ اور میرا دل یہ طوفان برداشت نہیں کر پایا؟"

وہ بلک بلک کر رونا چاہتا تھا' پھوٹ پھوٹ کر آنسو بہانا چاہتا تھا' اپنی زندگی کی سب سے بڑی شکست پر رو رو کر' چلا چلا کر بین کرنا چاہتا تھا مگر نہیں کر سکا۔ دل کی خواہشیں اگر یونہی پوری ہونے لگیں تو بھلا زرنیلا کیوں بچھڑتی اس سے۔ گاڑی کے بونٹ پر بیٹھ کر' نڈھال سا' چپ چاپ وہ کتنی ہی دیر بیٹھا روتا رہا' آنسو بہاتا رہا۔

کتنی ہی دیر تنہا بیٹھے آنسو بہانے کے بعد وہ گاڑی میں آ بیٹھا اور گاڑی اپنے شان دار بنگلے کے راستے پر ڈال دی۔ ذہن میں عجیب سا طوفان بھونچال اٹھا رہا تھا تب ہی ٹریفک کے اژدھام کے باعث ون وے روڈ پر اسے گاڑی روکنا پڑی' سخت کوفت کا شکار ہو کر جھنجلاتے ہوئے

اس نے جونہی رخ دائیں طرف پھیرا' اس کے سائیڈ میں رکی گاڑی کا منظر اسے خون کے آنسو رلا گیا۔ زرنیلا ایک ہینڈسم سے مرد کا ہاتھ پکڑے دھیمے دھیمے مسکرا رہی تھی اور وہ خوب صورت سا ہینڈسم شخص جانے سرگوشیوں میں اس سے کیا کہہ رہا تھا کہ اس کے پرکشش چہرے پر گلال بکھر رہے تھے۔

گرین لائٹ روشن ہوئی اس کے ساتھ ہی لوگ اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن ہو گئے۔

زرنیلا کی گاڑی بھی نکل چکی تھی مگر وہ گم صم سا پتھر بنا جانے کب تک اسی سمت میں خالی خالی سی آنکھوں سے دیکھتا رہا' تن بدن میں عجیب سی جلن ہونے لگی تھی' ذہن ماؤف ہونے لگا۔ دل کی حالت کسی اجڑے سے خالی مکان کی مانند ہو گئی اور وہ لٹا لٹا سا وہیں اسٹیئرنگ سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔

وہ گھر پہنچا تو خود پر سے اس کا اختیار اٹھ چکا تھا۔ تب ہی اس نے اپنے بیڈ روم میں سامنے والی دیوار سے اپنا سر کچھ اتنی شدت سے ٹکرایا کہ زبردست آواز کے ساتھ خون کا فوارہ ابل پڑا۔ بنگلے میں اس وقت کوئی بھی ملازم موجود نہیں تھا' تیزی کے ساتھ بہنے خون نے اسے اگلے کچھ ہی لمحوں میں ہوش و حواس کی دنیا سے بے خبر کر دیا۔

ارسلان بالکل اچانک' اتفاقاً اس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ شوخ سی دھن گنگناتے وہ سنوان کو آوازیں دیتا جونہی اس کے شان دار سے بیڈ روم میں داخل ہوا' سامنے اسے خون میں لت پت بے ہوش دیکھ کر خود اس کے ہوش اڑ گئے۔ دل ایک پل کے لیے جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا۔ لپک کر وہ اس کی طرف آیا' اس کا تیزی سے بہتا خون دیکھ کر گم صم سا ہو گیا۔ پھر اگلے ہی پل اسے اپنی بانہوں میں اٹھا کر باہر گاڑی میں ڈالا اور فوراً اسپتال لے آیا۔

خون زیادہ مقدار میں بہ جانے کی وجہ سے اس کا کیس خاصا سیریس ہو گیا۔ ڈاکٹرز کی لائنیں لگ گئیں' فوراً خون کا انتظام کیا گیا اور اس تمام وقت میں ایک ایک پل ارسلان کو کانٹوں پر گھسیٹتا رہا۔ آج پہلی مرتبہ حقیقی طور پر وہ اپنا دماغی توازن کھونے لگا تھا۔ سنوان اس کا وہ دوست تھا جس کی آنکھوں میں فقط ایک آنسو بھی اسے گوارہ نہیں تھا مگر آج تو اس نے پاگل پن کی انتہا کر دی تھی۔ پوری رات سنوان بے ہوش رہا اور وہ پوری رات اس کے سرہانے بیٹھا' اس کے لیے جاگتا رہا۔ نگاہوں میں اس کا تھکا تھکا سا چہرہ بھرے بے بسی سے ٹہلتا رہا۔ اس کی لمبی عمر' صحت مندی' خوشیوں کی ڈھیروں دعائیں مانگتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح کی سپیدی نمودار ہو گئی۔ تب وہ اٹھ کر واش روم میں گھس گیا۔

♥......♥......♥

"یہ کیا پاگل پن تھا سنی......؟ تمہیں کچھ ہو جاتا تو......؟" صبح دس' گیارہ بجے کے قریب اسے ہوش آیا تو اس کے بیڈ کے پاس ہی کرسی پر ٹکا' ارسلان نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔ سنوان نے ایک پل آنکھیں کھول کر اسے دیکھا' پھر اگلے ہی پل آنکھیں موند لیں تو

دو گرم گرم آنسو پلکوں سے لڑھک کر گالوں پر پھسل آئے۔

''کچھ ہوتا ہی تو نہیں ہے یار...... نہ وہ ملتی ہے نہ ہی موت۔'' اس کا لہجہ درد سے چور تھا' ارسلان نے سٹ پٹا کر اپنا سر تھام لیا۔

''اچھے خاصے پڑھے لکھے انسان ہو کر بھی یہ جاہلوں جیسی حرکتیں کیوں کر رہے ہو تم......؟ تم کیا سمجھتے ہو تمہاری اس طرح کی حرکتوں سے وہ اپنا بسا بسایا گھر اجاڑ کر تمہارے پاس آ جائے گی؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔'' وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہوا تھا' سنوان آنکھیں کھول کر بے بسی سے اس کی پشت دیکھنے لگا۔ جو اس سے رُخ پھیرے کھڑا تھا۔

''تم جانتے ہو سنی' ایک عورت کے لیے اس کا گھر' اس کا شوہر اور اس کا فرض کیا ہوتا ہے......؟ ایک شوہر خواہ ساری عمر اپنی بیوی کو سولی پر لٹکا کر رکھے' بیوی تب بھی اس سے علیحدگی کا کبھی خود سے تصور بھی نہیں کر سکتی۔ عاشق اور شوہر میں بڑا فرق ہوتا ہے سنی' پلیز بھول جاؤ اسے' وہ اپنے گھر میں خوش ہے' آباد ہے' بس اسی میں تمہاری خوشی ہونی چاہئے۔ اگر تم واقعی اسے سچا پیار کرتے ہیں ہو تو پلیز اس محبت کو اپنے دل میں دبا لو سنی' جس کا اظہار اسے سوائے آنسوؤں کے اور کچھ نہیں دے گا اور کیا تم چاہو گے سنی کہ تمہاری وجہ سے اسے آنسو ملیں؟'' کمرے کی مکمل خاموشی میں اس کی آواز کسی بازگشت کی مانند گونج رہی تھی۔

''دیکھو سنی' محبت فقط جسم کو پا لینے کا نام نہیں ہے' محبت تو وہ ہے کہ خود محبت کرنے والے کو اس کی گہرائی کا اندازہ نہ ہو سکے' لیکن اگر تم اس کی روح سے نہیں' اس کے جسم سے پیار کرتے ہو تو جاؤ گریبان چاک کر کے گلیوں میں زرنیلا' زرنیلا چلاتے پھرو' شاید اس طرح وہ تمہیں مل جائے۔'' ارسلان اچھا خاصا جذباتی ہو گیا تھا۔ سنوان نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔

''میرے دوست! والدین سے بڑھ کر اس دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے' کوئی ایک لڑکی' خواہ وہ کتنی بھی اچھی ہو' ہمارے والدین کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ وہ والدین جن کی مہربانیوں سے آج تم ایک کامیاب انسان ہو' کبھی سوچا ہے تم نے کہ تمہارے یوں چلے آنے کے بعد کیا حال ہوا ہو گا ان کا......؟ کیسے جیتے ہوں گے وہ تمہارے بغیر' ان اینٹوں اور پتھروں سے بنے بے جان محل میں؟ جدائی کا درد جانتے ہو ناں تم......؟ محبت کی تڑپ کا احساس ہے ناں تمہیں؟ تو پھر کیوں نہیں اندازہ کر پاتے تم ان کے درد' ان کی تڑپ کا؟ کیا انہوں نے تمہیں اس لیے جنم دیا' پالا پوسا' بڑا کیا' پڑھایا لکھایا کہ ایک دن جب تم ان کا سہارا بننے لگو تو کسی اجنبی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر ان کی محبتوں کو ٹھوکر مار کر چلے آؤ؟ بھلا وہ اپنی زندگی میں ان کی محبت' ان کی اہمیت' ان کا ہر احسان؟ اور انہیں پل پل آنسو بہانے کے لیے تنہا چھوڑ دو؟ سنی! زندگی کوئی کھلونا نہیں کہ جس سے جب دل چاہا کھیلا اور جب ہمارا دل بھر گیا اسے توڑ دیا۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ انمول نعمت اس لیے دی ہے کہ

کھاؤ پیو' دنیا میں عیش کرو' عشق کرو اور مر کر میرے پاس آ جاؤ' اس زندگی کا کوئی مقصد ہے سنی' پلیز اسے پہنچانو' اپنے ہر ہر پل کو کسی اچھے مقصد میں گزارو' یہ عشق وشق ہمارا مقصد نہیں ہے یار' تمہیں پتا ہے ہمارا ملک آج اسی لیے ترقی کی دوڑ میں اتنا پیچھے ہے کہ ہم آج تک اپنی اپنی الجھنوں سے ہی نہیں نکلے ہیں۔ دنیا سائنس پر ریسرچ کر رہی ہے اور ہم ابھی تک گلی کوچوں' سڑکوں' کالجوں' بس اسٹاپوں پر کھڑے' لڑکیوں کے چکر میں الجھے ہیں' انہیں اپنانے' پھنسانے' منانے میں اپنی ہر اہلیت کو ضائع کر رہے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے سنی' کیا ہماری زندگی کا مقصد صرف ''لڑکی'' ہے؟ آج جو ساری دنیا میں ہم پاکستانیوں کو وہ عزت' وہ اہمیت نہیں مل رہی' جو کسی بھی دوسرے ملک کے باشندے کو مل رہی ہے تو اس میں قصور کس کا ہے؟ کل صبح جب تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم نے اتنے طویل عرصے کے بعد زرنیلا ریاض کو دیکھا ہے تو میرا دل خوشی سے بھر گیا تھا مگر پھر جب تم نے کہا کہ تم نے اسے پا کر بھی کھو دیا' اسے کچھ بھی بتائے بغیر' کچھ بھی پوچھے بغیر' پھر سے کھو جانے دیا تو میں افسردہ ہو گیا کیوں کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرا یار اس سے کتنا پیار کرتا ہے۔ مگر جب ڈاکٹر نائلہ کی معرفت مجھے علم ہوا کہ زرنیلا شادی کر چکی ہے اور وہ اپنے شوہر کی رپورٹ لینے آئی تھی تو یقین مانو' میرا سانس میرے سینے میں اٹک گیا' میں نے اس کے بارے میں مکمل معلومات لیں اور تمہیں ڈھونڈنے نکل پڑا تا کہ تم سے مل کر تمہیں سمجھا سکوں' کسی بھی متوقع نقصان سے بچا سکوں۔ تب ہی مجھے سسٹر بانو نے بتایا کہ تم گھر کے لیے نکل گئے ہو اور یہ سن کر میں اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کے لیے ہشاش بشاش بنانے کے لیے دوڑا دوڑا تمہارے پاس چلا آیا مگر میں قطعی نہیں جانتا تھا کہ یہاں آ کر میری آنکھیں وہ منظر دیکھیں گی' جس کا میں نے تصور تک بھی نہیں کیا تھا' سنوان بے بسی سے آنکھیں موندے پڑا رہا اور وہ رسانت سے اسے سمجھاتا رہا۔

''دیکھو میرے یار' محبت فقط پا لینے کا نام نہیں ہے بلکہ اگر محبت کو حاصل کر لیا جائے تو اس کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ محبت کسی خوشی' کسی وصال کا نام نہیں ہے' یہ تو درد ہے میرے یار' آنسو ہے' روگ ہے روگ' اس کی مثال تو چھوئی موئی کے اس پھول جیسی ہے جس کو اگر چھو لیا جائے تو فوراً مرجھا جاتا ہے اس لیے پلیز سنی' تم بھی زرنیلا کا خیال اب اپنے دل سے نکال دو اور یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارے نصیب میں ہی نہیں تھی وگرنہ خدا اسے کبھی تم سے جدا نہ کرتا......؟'' سنوان کے گال پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے وہ متانت سے بولا تو اس نے ہلکے سے سر کو جنبش دے کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ارسلان کچھ دیر محبت پاش نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا تو سنوان نے آنکھیں کھول دیں۔ کب سے جمع آنسو موقع ملتے ہی گالوں پر لڑھک آئے اور وہ بے بسی سے سسک پڑا۔

وہ ایک ہستی جس کے لیے اس نے پوری زندگی کو ٹھوکر پر رکھ دیا تھا' کاتب تقدیر نے

وہی لڑکی اس سے چھین لی۔ وہ ایک لڑکی' جس کے لیے وہ پورے چار سال تڑپا تھا' صرف اس امید پر کہ اس بھری دنیا میں وہ بھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں تو ملے گی مگر جب وہ ملی تو ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی۔ وہ اس دلی نقصان پر ٹوٹ کر نہ بکھرتا تو کیا کرتا؟ یہی شہر جو پہلے زندہ دلی کا مرکز لگتا تھا' جس کی فضاؤں میں کسی کی سانسوں کی خوشبو کا احساس' اسے زندہ رکھے ہوئے تھا۔ کہیں کسی موڑ پر' اچانک سامنا ہو جانے کا خوش کن احساس ہر پل دل کو بہلائے ہوئے تھا' اب وہی شہر ایک دم جیسے ویران سا لگنے لگا ہر طرف جیسے سناٹوں کا راج ہو گیا تھا' تب ہی بدن کے گھاؤ بھرتے ہی اس نے یہ شہر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ اپنا سامان پیک کر رہا تھا' جب ارسلان نے اس کے کمرے میں جھانکا اور اسے کہیں جانے کی تیاری پکڑتے دیکھ کر حیران سا اندر چلا آیا۔

''خیریت' یہ اچانک کہاں جانے کی تیاری پکڑلی آپ نے؟'' پیچھے سے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ قطعی غیر سنجیدہ لہجے میں بولا مگر سنوان نے پلٹ کر اسے دیکھا نہ کوئی جواب دیا۔

''سنی! میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔'' اب کے وہ مکمل سنجیدہ تھا۔ سنوان نے اپنے بیگ کی زپ بند کرنے کے بعد مڑ کر نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''میں یہاں سے جا رہا ہوں ارسلان' بہت دور' جہاں اس کی محبت کا دکھ میرے دل کو ستا نہ سکے' کوئی ایسا گوشہ جہاں میں سکون کی سانس لے سکوں' سب کچھ بھلا کر چین کی نیند سو سکوں۔''

بہت بکھرا ہوا لہجہ تھا اس کا' ارسلان نے کسی قدر دکھ سے اسے دیکھا۔ یہ اس کا وہ دوست تھا' جس کی آنکھ میں ایک بھی آنسو اسے تڑپا دیتا تھا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو سنی...... ؟ تم کیا سمجھتے ہو' تم اس طرح سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں چلے جاؤ گے تو تمہیں سکون مل جائے گا' اس کی محبت تمہارے دل سے نکل جائے گی؟ محبت کوئی آسمان سے اترنے والی بلا نہیں ہے کہ آپ کے دل پر ایک مخصوص جگہ میں حملہ کر کے آپ کو تباہ و برباد کر دے' یہ تو کسی جادوئی پودے کی مانند دل کے اندر سے اگتی ہے' کیا تم اپنے دل کو نکال کر پھینک سکتے ہو؟ اور پھر تم کیا سمجھتے ہو......محبت کرنا صرف تم نے ہی سیکھا ہے' وہ لاکھوں لوگ جو تم سے محبت کرتے ہیں' جن کی ٹوٹتی امیدوں کا روشن دیا ہو تم' کیا ان کی محبت تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی' مجھے تو خیر گولی مارو تم' مگر میرے علاوہ بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تم سے بے حد پیار کرتے ہیں' تم خوش ہوتے ہو تو وہ مسکراتے ہیں' تم روتے ہو تو تمہارے ساتھ وہ بھی آنسو بہاتے ہیں' کیا ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے تمہارے نزدیک؟ اگر نہیں ہے تو کیوں آئے اس فیلڈ میں' کیوں پہنی یہ سفید وردی' رہتے عاشق بن کر اور گلی گلی میں اپنی برباد محبت کا ڈھنڈورا پیٹ کر

واہ' واہ سمیٹتے' کیا ضرورت تھی تمہیں مسیحا بننے کی' جبکہ تم شاید اس قابل ہو بھی نہیں۔''

وہ بے حد جذباتی ہو گیا تھا' اور پھر مزید کچھ بھی کہے' تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا جب کہ سنوان نے کسی ٹوٹے ہوئے درخت کی مانند بیڈ پر گر کر آنکھیں موند لیں۔

''میں کب چاہتا ہوں کہ میں تم سب سے کہیں دور چلا جاؤں مگر میں کیا کروں میرے دوست' میرا دل میرے اختیار میں نہیں ہے۔ کیسی جلن ہے یہ' جس کا درد کم ہونے میں نہیں آ رہا' کیا کروں میں...... ؟ کیسے بھلاؤں اسے...... ؟ وہ کسی اور کے حوالے سے' اسی شہر میں مجھے نظر آتی رہے گی اور میں ہمیشہ یونہی ٹوٹتا بکھرتا رہوں گا۔ آخر کب تک؟''

♥......♥......♥

شام کے دھندلکے ہر طرف تیزی سے پھیل رہے تھے۔ متانت سے چلتی ہوائیں اس کے ریشمی بالوں کو اُڑا رہی تھیں مگر وہ خود اپنے آپ سے بے نیاز گم صم سا کھڑکی میں کھڑا' ڈوبتے سورج کا اُداس منظر دیکھ رہا تھا۔ چند سال پہلے زندگی کتنی خوب صورت تھی' اس وقت تو اسے شاید پتا بھی نہیں تھا کہ حقیقی غم ہوتے کیا ہیں؟ کیوں انسان جان بوجھ کر انہیں اپنے دل سے لگا لیتا ہے؟ اس کے نزدیک تو زندگی صرف انجوائے منٹ کا نام تھا۔ اچھا کھانا' اچھا پہننا' قیمتی گاڑیوں میں گھومنا' پھرنا ہی اس کی زندگی کا مقصد تھا۔ آنسو کیا ہوتے ہیں؟ دکھ کیا ہوتا ہے؟ یہ سوال کبھی اس کے دل میں سر نہیں اٹھا سکے تھے۔

مگر یہ بے خبری بہت زیادہ دنوں تک محیط نہ رہ سکی تھی۔ وہ بھی تو ایسا ہی دن تھا' ابر آلود' پورے آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ بارش کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ کب برسنے لگے۔ اس روز پہلی مرتبہ اس کا سامنا زرنیلا احمد سے ہوا تھا۔ وہ اپنی چھوٹی بہن فروا کو لینے اس کے کالج کے سامنے پہنچا تو فروا کے ساتھ اسے ایک خوب صورت سی لڑکی باتوں میں مصروف' کالج سے باہر آتی دکھائی دی۔ فروا کو شاید گمان بھی نہیں تھا کہ آج وہ اسے پک کرنے کالج تک آئے گا کیوں کہ پرسوں ہی اس کی لندن کے لیے فلائٹ تھی اور وہ اپنی تیاریوں میں بے حد مصروف تھا۔ فروا اس کے قریب پہنچی تو خوش گوار حیرت سے اچھل پڑی جب کہ زرنیلا الجھی الجھی سی' حیران نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگی کیوں کہ آج سے پہلے اس نے سنوان کو کبھی فروا کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔

''او سنوان بھائی' آپ...... ؟ مائی گاڈ' آپ نے تو حیران کر ڈالا۔'' بے حد خوش ہوتے ہوئے وہ اس کے قریب چلی آئی تو سنوان' زرنیلا پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر دھیمے سے مسکرا دیا۔

''اٹس او کے' اب بیٹھو گاڑی میں' کچھ پتہ نہیں کہ بارش کب شروع ہو جائے۔'' اس نے بلا وجہ کی سنجیدگی جھاڑی' فروا خوشی خوشی اپنی دوست کا ہاتھ پکڑ کر' گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ

گئی۔ سنوان نے اپنی پسند کا کیسٹ پلیئر آن کیا اور گاڑی کی رفتار دھیمی کر دی۔

"سنوان بھائی! یہ میری دوست زرنیلا ہے' یہاں پاس ہی گھر ہے اس کا۔ پلیز پہلے اسے ڈراپ کر دیجیے' اس کے گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

سنوان نے کسی کوفت کا شکار ہوئے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس روز اس کے وجدان میں قطعی نہیں تھا کہ ایک روز یہی سیدھی سادھی سی لڑکی اسے وہ روگ لگا دے گی جس کا کوئی علاج ہی نہ ہو سکے گا۔ وہ فقط چند دن پاکستان میں گزار کر واپس انگلینڈ چلا گیا تھا۔ تین ماہ بعد فروا کی شادی پر ہی وہ دوبارہ فقط چند دن کے لیے پاکستان آ سکا' تب تک راوی چین ہی چین لکھتا تھا مگر یہ چین فروا کی مہندی والے روز ختم ہو گیا۔ لڑکیاں پورے جوش و خروش سے مہندی کی تقریب کو انجوائے کر رہی تھیں۔ خلاف طبیعت اسے بھی پاکستانیوں کی یہ رسم اچھی لگ رہی تھی۔ بلو پینٹ پر بلیک شرٹ زیب تن کیے' سلیقے سے کی گئی تیاری کے ساتھ وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔ تقریب میں مدعو تقریباً تمام لڑکیاں بہانے بہانے سے اس کے قریب آ رہی تھیں۔ کچھ جان بوجھ کر اپنا آپ عیاں کر رہی تھیں اور کچھ بلاوجہ اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس پورے فنکشن میں صرف ایک وہی واحد لڑکی تھی جس نے بے ارادہ بھی اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اس کی ذات کے اسی پہلو نے سنوان کو چونک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کئی بار بہانے بہانے سے فروا کے قریب جا کر اس کے نزدیک ہوا مگر اسے ڈھونڈنے سے بھی زرنیلا کے صبیح چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ' جھجک یا کنفیوزن کا کوئی رنگ نہیں ملا۔ وہ ایسے ردعمل کا اظہار کر رہی تھی جیسے اسے اس کے وجود سے کسی قسم کا کوئی فرق نہ پڑتا ہو' اس کے ہونے کا کوئی احساس تک ہی نہ ہو۔ اور یہی چیز اسے حیران کر گئی۔ بھلا وہ اس قابل تھا کہ کوئی لڑکی یوں اتنی بے دردی سے اسے اگنور کر دیتی' اسے' سنوان آفندی کو' جو ہر دھڑکتے دل کی دھڑکن تھا۔

زرنیلا کسی کام سے فروا کے پاس سے اٹھ کر راہداری سے گزری تو سنوان ایک دم اس کے سامنے آ کر اس کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ مجھے اس بری طرح سے نظرانداز کیوں کر رہی ہیں......؟" اسے بلاوجہ ہی ضد سی چڑھ گئی تھی جب کہ زرنیلا ہکا بکا اسے دیکھتی رہ گئی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟ میں بھلا آپ کو کیوں نظرانداز کروں گی؟ اور آپ پر خصوصی توجہ بھی کیوں مرکوز رکھوں گی......؟"

اس کی اجنبی حیران نگاہیں یہ ثابت کر رہی تھیں کہ وہ ہرگز بننے کی کوشش نہیں کر رہی ہے' واقعی اس سے لاعلم ہے مگر وہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا ہوں' پھر آپ خود کو کیا ثابت کرنا

چاہ رہی ہیں......؟" اپنے کالر کھڑے کر کے وہ کسی قدر کروفر بھرے لہجے میں بولا تو زرنیلا کا دماغ ایک دم تپ گیا۔

"دیکھیے مسٹر! آپ فضول میں اپنا اور میرا ٹائم ضائع کر رہے ہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کسی بھی لڑکی کے آئیڈیل ہو سکتے ہیں تو پھر جا کر انہی لڑکیوں کو گھاس ڈالیے کیوں کہ میں کسی بھی لڑکی نہیں ہوں......" ترشی سے اپنی بات کہہ کر وہ وہاں ایک پل بھی نہیں رکی اور سنوان آفندی کو اپنی ذات کی یہ تذلیل اندر تک جلا گئی۔ پوری تقریب میں اس کی نظریں زرنیلا احمد پر مرکوز رہیں۔ فروا کی رخصتی کے بعد اپنی مما کے حکم پر وہ اسے ڈراپ کرنے کے لیے اس کے گھر جانے پر منٹ میں تیار ہو گیا۔ پورے سفر کے دوران زرنیلا احمد نے ایک بار بھی پلٹ کر اسے دیکھا نہ اس سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کی بلکہ اس کا چہرہ یہی تاثر دے رہا تھا کہ جیسے وہ مجبوراً اس کے ساتھ آنے پر راضی ہوئی ہو اور اس کی یہی نفرت سنوان آفندی کے لیے اس کی سادہ سی ذات کو ایک چیلنج بنا گئی۔

انگلینڈ جا کر بھی وہ اسے ذہن سے نکال نہ پایا' گزرتے ہر دن میں وہ کسی نہ کسی صورت اس کے ساتھ ساتھ رہی اور ٹھیک گیارہ ماہ بعد وہ دوبارہ اس کے سامنے تھا' فروا کی دردناک موت کے موقع پر' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی' پچھاڑیں کھا رہی تھی' فروا کے منہ کو چومتے ہوئے' کسی لڑکی کے گلے لگ کر سسک رہی تھی اور وہ اپنی بہن کے لیے اسے یوں شدت سے روتا' بلکتا دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ درد تو اس کے دل میں بھی تھا' رو تو اس کی آنکھیں بھی رہی تھیں مگر جو شدت زرنیلا کے جذبات میں تھی' ویسی شدت وہ اپنے اندر محسوس نہیں کر رہا تھا۔

فروا کا چالیسواں بھی ہو گیا مگر اس کی چپ نہ ٹوٹ سکی۔ وہ جو بڑے بڑوں کو خاطر میں نہ لاتا تھا' کیسے ایک معمولی سی لڑکی کے ہاتھوں اپنی شکست کو قبول کر لیتا۔ لہٰذا کتنے ہی دنوں تک وہ اپنے آپ سے لڑتا رہا' اپنے دل کی ہر آواز دباتا رہا مگر اسے کامیابی نہ مل سکی اور بالآخر اس نے محبت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔

جس رات اس نے اپنے آپ سے محبت کا اعتراف کیا' اس کے اگلے ہی دن اس نے ہمیشہ کے لیے پاکستان آنے کا فیصلہ کر ڈالا اور اگلے بیس' پچیس دنوں میں وہ اپنا سارا کاروبار سمیٹ کر' کسی سے بھی مشورہ کیے بغیر ہمیشہ کے لیے پاکستان واپس آ گیا۔ اس کے یوں اچانک پاکستان چلے آنے کا فیصلہ ایاز آفندی صاحب نے قطعی پسند نہیں کیا مگر اس نے ان کی ناراضی کی قطعی پروا نہیں کی۔

سارا سارا دن وہ سڑکوں کی خاک چھانتا' اس کی صرف ایک جھلک کے لیے مارا مارا پھرتا' حال سے بے حال ہو جاتا اور اس کی یہ سرگرمیاں زیادہ دن تک ایاز آفندی سے پوشیدہ نہ رہ

سکی تھیں' تب ہی انہوں نے بیگم آسیہ آفندی کے ساتھ مشورہ کر کے اسے شادی کے بندھن میں باندھنے کی تیاریاں شروع کر دیں مگر ان کی اس خواہش کا بھید جونہی سنوان پر کھلا' وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گیا اور ان کی پسند سے شادی کرنے پر صاف انکار کر دیا۔

آسیہ بیگم نے اسے بہت سمجھایا' واسطے دیئے' اس کے آگے ہاتھ جوڑے مگر وہ اپنی ناں کو ہاں میں نہ بدل سکا اور اس کی اسی ضد نے ایاز آفندی صاحب کو وہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا جو وہ فی الحال کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اپنا سامان پیک کر کے وہ بے نیازی سے اپنے کمرے سے نکلا تو آسیہ بیگم اس کے اس قدر سرد انداز پر رو پڑیں۔

مگر وہ کیا کہتی رہیں' اس نے قطعی توجہ نہ کی اور ان کی ہر بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتے ہوئے وہ اپنے عزیز دوست ارسلان کے پاس چلا آیا اور ارسلان کے ساتھ ہی تعلیم سے اپنا ٹوٹا رابطہ پھر سے بحال کر لیا۔ دونوں نے مل کر اپنی ہاؤس جاب کو مکمل کیا اور ہاؤس جاب کے بعد باقاعدہ اسپتال میں ڈاکٹر کی حیثیت سے جاب پر لگ گئے۔

پچھلے چار سالوں میں اس نے اپنا شان دار گھر' قیمتی گاڑی' بینک بیلنس' سب کچھ دوبارہ حاصل کر لیا تھا مگر وہ ایک لڑکی' جس کے لیے اس نے ہر عیش و آرام' ہر محبت کو ٹھوکر پر رکھ دیا تھا' وہ زمانے کی بھیڑ میں کہیں ایسی کھوئی کہ گزرے چار سال بھی ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے اسے اس کے سامنے نہ لا سکے اور اس کی اس شدید محبت نے ہی اس کی پیاس کو' گزرتے ہر دن کے ساتھ مزید بڑھا دیا تھا۔ اسے رفتہ رفتہ پتھر بنا دیا تھا مگر اب اس پتھر میں ضرب لگ چکی تھی۔

وہ ایک لڑکی' جس کے لیے اس نے بنا کچھ بھی سوچے سمجھے اپنی زندگی تک کو داؤ پر لگا دیا تھا' وہی اسے نہیں مل سکے گی اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

♥......♥......♥

کراچی سے مریم اور نوخیز اپنے منے سے بیٹے کے ساتھ' ان کی اسپیشل دعوت پر لاہور آئے تھے اور مارے خوشی کے زرنیلا کے پاؤں زمین پر ہی نہیں ٹک رہے تھے۔ ارش بھی نوخیز سے مل کر بے حد خوش دکھائی دے رہا تھا اور نوخیز کے بیٹے کو' گود میں لے کر اس سے پیار کرتے ہوئے اس کی مسکراتی نگاہوں میں اُنوہی سے جذبوں کی کتنی گہری چمک تھی۔

"مریم......تم دیکھ رہی ہو ناں؟ ویسے تو جناب ہر وقت بیٹی بیٹی کی رٹ لگائے رکھتے ہیں اور اب دیکھو کیسے حنان بیٹے کو لے کر خوش ہو رہے ہیں۔" کچن سے فارغ ہو کر وہ اور مریم' ارش کے سامنے والے صوفے پر آ بیٹھیں۔ تب ہی زرنیلا نے ارش کو نوخیز کے بیٹے کے ساتھ پیار کرتے' ہنستے مسکراتے' کھیلتے ہوئے دیکھ کر قدرے شوخ انداز میں کہا مگر درحقیقت وہ اپنے دل کے وہم کی تسلی چاہتی تھی۔ ارش کی بیٹی کے لیے بے پناہ محبت دیکھ کر بھی جانے کیوں ہر وقت اس کا دل

ڈرتا رہتا کہ اگر خدا نے اسے بیٹی دے دی تو ارش کیا سوچے گا؟ کہیں رفتہ رفتہ اس کی اس محبت میں کمی تو نہیں آ جائے گی اور محبت میں کمی کا یہ تصور ہی تو اس کے لیے سوہان روح تھا۔ سو ہر وقت پریشان رہتی۔ ارش کی نگاہوں میں خوب توجہ سے دیکھتے ہوئے اس کے دل کا حال جاننے کی کوشش میں ہلکان ہوتی رہتی۔ اب بھی اس نے بے ساختہ وہ جملہ بول دیا تھا جو وہ قطعی کہنا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے اس سوال پر ارش کھلکھلا کر ہنس دیا پھر خان کو بانہوں میں بھرتے ہوئے بولا۔

"جناب آپ سے تو ہمیں ایک پیاری سے بیٹی ہی چاہیے۔ ہاں جہاں تک حنان بیٹے کا سوال ہے تو یہ مجھے اس لیے عزیز ہے کہ اول تو یہ میرے جگر کا لخت جگر ہے اور دوئم اگر زندگی نے وفا کی تو میں ضرور اپنی پیاری سی بیٹی کی شادی خان بیٹے سے کروں گا۔ یوں یہ میرا ہونے والا داماد ہوا۔ اب تم بتاؤ داماد کے ناز نخرے اٹھانا کوئی معیوب بات ہے کیا؟"

"نہیں کوئی معیوب بات نہیں مگر تیرا سمدھی بننا ضرور معیوب بات ہے میرے لیے۔ اس لیے میں تو دعا کروں گا کہ خدا تمہیں بیٹے کی نعمت ہی دے۔" نوخیز نے فوراً ہی اچک کر کہا تو مسکراتے ارش کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا؟ میرا سمدھی بننا تمہارے لیے معیوب ہے؟ ارے یہ تو میرا بڑا پن ہے جو میں تمہاری ماضی کی ساری کمینگی بھلاتے ہوئے اپنی پیاری سی بیٹی کو تمہاری بہو بنانے کا سوچ بیٹھا ہوں ورنہ تجھ جیسے کا تو اپنی بیٹی پر سایا بھی نہ پڑنے دوں۔" وہ کیوں پیچھے رہتا فوراً حساب چکتا کیا جب کہ مریم اور زرنیلا دلچسپی سے ان کی یہ نوک جھونک دیکھے گئیں۔

"واہ سبحان اللہ بڑکیں تو ایسی مار رہا ہے جیسے بیٹی گود میں آ کر پاؤں پاؤں بھی چلنے لگی ہو اور ویسے بھی تم دیکھ لینا میں اپنے بیٹے کو بہانے بہانے سے تیرے گھر بھیجا کروں گا۔ اس طرح بچوں کا افیئر چلے گا۔ پھر میں اپنے بیٹے کو باہر بھیج دوں گا تو تڑپتا ہوا میرے پاس آئے گا اور میرے پاؤں چھو کر کہے گا۔ "نوخیز میرے یار' میرے جگر' مجھے اپنا سمدھی بنا لے ورنہ میں یہیں تمہاری چوکھٹ پر اپنی جان دے دوں گا۔"

نوخیز بے حد شوخ' مذاق کے موڈ میں تھا۔ رزنیلہ اور مریم ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھیں مگر ایک ہی پل میں ارش کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ہاں نوخیز اگر میری بیٹی کو خان بیٹے سے پیار ہو گیا تو میں اپنی جان کی خوشی کے لیے تمہارے پاؤں بھی پڑ سکتا ہوں تڑپ تڑپ کر تمہاری چوکھٹ پر اپنی جان بھی دے سکتا ہوں کیونکہ میری زندگی میں زرین اور میری بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔" سرد آہ بھرتے ہوئے وہ افسردگی سے بولا تو نوخیز حیران سا لپک کر اس کے قریب آ گیا۔ پھر اسے گلے سے لگاتے ہوئے خود بھی نم دیدہ ہو گیا۔

''تم پاگل تو نہیں ہو گئے ارش' میں تو مذاق کر رہا تھا اور تم نے سریس لے لیا میری جان تم کہو تو میں تم پر ہنس کر اپنی جان وار دوں' یہ رشتہ داری وغیرہ کیا ہے؟ اور تم کیا سمجھتے ہو میں زندگی میں تمہیں اپنے پاؤں پڑنے کی نوبت آنے دوں گا؟ نہیں میرے یار' تم بیٹی کے باپ تو بنو' میں خود بینڈ باجوں کے ساتھ آ کر تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بہت عاجزی والتجا کے ساتھ اپنے بیٹے کے لیے گڑیا بیٹی کا ہاتھ مانگوں گا۔'' اسے خود سے لپٹائے وہ بھرپور اپنائیت سے بولا۔ تو ارش نے کھل کر مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔

''ٹھیک ہے اب اپنا وعدہ یاد رکھنا اگر مکر گئے تو جان سے مار دوں گا۔'' اگلے ہی پل وہ بشاش لہجے میں بولا۔ تو نوخیز نے ہنس کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ جب کہ زرنیلا اور مریم کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''اچھا جناب اب مہربانی فرما کر آپ لوگ اٹھ جائیں اور ڈائننگ ٹیبل پر تشریف لے آئیں میں کھانا لگا رہی ہوں۔'' زرنیلا نے ٹائم دیکھ کر انہیں با آواز بلند ہدایت کی اور خود وہاں سے اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ مریم کو آج ان دونوں کے بیچ اتنی بے پناہ محبت دیکھ کر دلی خوشی ہوئی تھی۔

ارش اور نوخیز ہاتھ دھو کر ڈائننگ ٹیبل پر آئے تو وہاں مزے مزے کی ڈشوں سے اٹھتی خوشبو ان کی بھوک کو مزید بڑھا گئی۔ نوخیز پیٹ کے معاملے میں ویسے بھی خاصا ہلکا تھا۔ لہٰذا مریم کے آنے کا انتظار کیے بغیر اپنی پلیٹ میں بریانی انڈیلنے لگا حنان کو سلا کر' مریم زرنیلا کے ساتھ جب ڈائننگ ٹیبل پر پہنچی تو وہ شروع ہو چکا تھا مریم نے گھور کر اسے دیکھا پھر زرنیلا کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس پڑی۔

''واہ...... بھئی واہ...... شادی کے بعد آج پہلی مرتبہ ایسا لگ رہا ہے جیسے گھر کا کھانا کھا رہا ہوں۔ ورنہ تو روز یہ مریم بیگم ایسا کھانا بنا کر رکھ دیتیں ہیں کہ بس کچھ پوچھو مت۔''

مریم اپنی پلیٹ میں شامی ٹکیاں اور بریانی نکال رہی تھی' جب نوخیز نے عجیب سا منہ بنا کر کہا تو وہ تپ گئی۔

''ہاں زرنیلا ٹھیک ہی کہتی ہے تم مرد لوگ ہوتے ہی ایسے ہو ایک نمبر کے جھوٹے اور دغا باز' کسی کے منہ پر کیا اور کسی کے منہ پر کیا۔ تم لوگ جلتے توے پر بیٹھ کر بھی کوئی بات کہو ناں تب بھی تمہارا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔''

''بھئی یہاں جلتے توے پر بیٹھ کون رہا ہے؟ ہم کوئی پاگل ہیں کیا' جو تم عقل سے پیدل لڑکیوں کو فقط یقین دلانے کے لیے جلتے توے پر بیٹھ جائیں ویسے بیگم زرنیلا ارش صاحبہ یہ تم نے جھوٹا اور دغا باز کس مرد کو کہا۔ یقیناً ارش کو کہا ہوگا ہے ناں؟'' وہ پھلجڑیوں پر پھلجڑیاں چھوڑ رہا تھا اور زرنیلا مسکرا کر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جو آج پہلی مرتبہ اسے بھرپور شوخ مرد نظر آ

رہا تھا۔

''جی نہیں میرے ارش نہ تو جھوٹے ہیں اور نہ دغا باز بلکہ ان جیسا تو شاید پوری دنیا میں اور کوئی ہے بھی نہیں۔'' اس کی بات کو بے حد انجوائے کرتے ہوئے وہ بے اختیاری میں وہ اعتراف اس سے پیار کا وہ اظہار کرا گئی جو آج تک وہ خود سے بھی نہیں کر پائی تھی اور اس کے اس جملے نے ارش کو کس قدر خوشی سے ہمکنار کیا۔ یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔

اس پوری رات' وہ چاروں ہنستے مسکراتے باتیں کرتے' قہقہے لگاتے' ایک دوسرے کی سنگت میں' مختلف گیمز کھیلتے کس قدر خوش تھے۔ رات کے تقریباً تین بجنے کو تھے مگر وہ ابھی تک یوں بیٹھے تھے جیسے دن کے تین بجے ہوں کسی کی آنکھوں میں نیند کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں تھی۔

اگلے روز دوپہر ایک بجے' وہ لوگ رخصت ہونے لگے تو زرنیلا کا دل درد سے بھر گیا۔ مریم اس کی واحد عزیز ترین دوست تھی۔ جو اَب ہمیشہ کے لیے اس سے دور ملک سے باہر جا رہی تھی اور یہی احساس اس کی آنکھوں میں آنسو لے آیا۔ تو مریم نے آگے بڑھ کر محبت سے اسے ساتھ لگا لیا۔

''یہ کیا زریں؟ ہم کوئی ہمیشہ کے لیے تم سے تھوڑی ہی بچھڑ رہے ہیں۔ پاکستان آنا جانا تو لگا ہی رہے گا اور پھر ارش ہے ناں تمہارے ساتھ بھلا اتنا پیار کرنے والے شخص کی موجودگی میں' تمہیں ہماری یاد بھی کیونکر آئے گی بلکہ ایک دن تو تم ہمیں یاد کرنے سے بھی رہ جاؤ گی۔'' اسے خود سے لپٹا کر وہ اس کا من بہلانے کو مسکراتے ہوئے بولی تو زرنیلا نے دکھ سے اسے دیکھا۔

''نہیں مریم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا' محبت بانٹی جا سکتی ہے مگر بدلی نہیں جا سکتی۔ نہ تو کوئی تمہاری جگہ لے سکتا ہے اور نہ ارش کی۔ خلا تو خلا ہی رہتا ہے۔ خواہ کوئی کتنی ہی کوشش کرے یہ کبھی بھرتا نہیں۔''

ہمیشہ کی طرح وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔ تو مریم اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دی۔ ارش نوخیز سے مل رہا تھا۔ وعدے وعید کر رہا تھا۔ خان کو گود میں اٹھائے پیار کر رہا تھا اور وہ دونوں اپنی باتوں میں الجھی تھیں۔

''زریں میں نے ارش کی آنکھوں میں تمہارے لیے بہت پیار دیکھا ہے۔ پلیز اس پیار کی ہمیشہ قدر کرنا' اسے زندگی نے محبتوں کے لیے بہت ترسایا ہے۔ اس لیے پلیز تم ہمیشہ اس کا خیال رکھنا کبھی اس کا دل مت دکھانا او کے؟'' رخصت ہوتے وقت وہ اس کے کان کے قریب منہ لا کر سرگوشی کرتے ہوئے بولی تو زرنیلا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور ہاں ایک آخری بات اور کہنا چاہتی ہوں اسے دھیان سے سننا اور عمل کرنے کی کوشش کرنا دیکھو زریں زندگی میں کبھی' کسی بھی رشتے کو لے کر جذباتی ہونا چھوڑ دو۔ انسان ایک

معاشرتی حیوان ہے۔ پوری دنیا سے کٹ کر نہ تو اکیلا جی سکتا ہے نہ صرف ایک ہی زندہ انسان کو لے کر خوشی خوشی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ زندگی سب کے لیے جینے کا نام ہے۔ اس لیے پلیز رشتوں کے معاملے میں جذباتی ہونا چھوڑ دو اور کھلے دل سے ہمیشہ آنے والوں کو خوش آمدید اور جانے والوں کو خدا حافظ کہنا سیکھو' خواہ وہ لوگ جنہیں تم بہت پیار کرتی ہو تمہارے پاس رہیں یا نہیں کیونکہ جانے والوں کے دکھ کو روگ بنا کر جینا بہت تکلیف دہ ہے اور میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ میری زریں کسی تکلیف سے گزرے۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔'' اس کے دونوں ہاتھ تھامے وہ اس کی بھیگی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنائیت سے بولی تو اس بار بھی زرنیلا نے چپ چاپ سر اثبات میں ہلا دیا۔

''گڈ یہ ہوئی نا بات اب جناب آپ پابندی سے میرے لکھے گئے محبت ناموں کا جواب دیں گی اور ہر ہفتے فون پر یا نیٹ پر مجھ سے تفصیلی بات کریں گی او کے۔'' اس کی سعادت مندی پر خوش ہوتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی تو اس کی پرخلوص آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زرنیلا بھی دھیمے سے مسکرا دی۔ تقریباً ڈیڑھ بجے کا ٹائم ہو چکا تھا۔ جب وہ لوگ بہ مشکل گھر سے نکلے۔ ارش زرنیلا کی حالت کے پیش نظر اسے گھر پر ہی چھوڑ کر خود مریم اور نوخیز کو ائیر پورٹ چھوڑنے چلا آیا۔ فلائٹ میں وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ تب ہی ائیر پورٹ پہنچتے ہی مختصر سے الوداعی کلمات کے بعد وہ لوگ جدا ہو گئے۔ ارش ان کی فلائٹ کے پرواز کرتے ہی واپس پلٹ آیا۔

گھر میں زرنیلا تنہا تھی اور بے حد اپ سیٹ تھی جس کے لیے ارش نے گاڑی کی اسپیڈ خاصی بڑھا دی۔ وہ تقریباً گھر کے قریب پہنچ گیا تھا جب اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا سا چھا گیا اور وہ چکرا کر گاڑی پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھا۔ صد شکر کہ روڈ پر قطعی ٹریفک نہ تھا۔ ورنہ یہ حادثہ جان لیوا ہونا ثابت ہو سکتا تھا۔ گاڑی کنٹرول کھو کر سڑک سے نیچے اتر آئی اور سامنے شیشم کے درخت سے ٹکرا کر رک گئی۔ ارش کے سر اور بازو پر زخم کافی گہرے آئے تھے جن کی وجہ سے وہ چاہ کر بھی اپنے حواس قائم نہ رکھ سکا اور بے ہوش ہو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک پرسکون سے کمرے میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور اس کے بائیں بازو پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ یہ غالباً اسپتال کا کمرہ تھا۔ روڈ پر اس کے ایکسیڈنٹ کے باعث شاید کوئی خدا کا بندہ اسے یہاں لے آیا تھا مگر ہوش میں واپس آتے ہی وہ اپنا حادثہ بھلا کر زرنیلا کے لیے فکر مند ہو گیا۔ جانے اس کی اتنی طویل غیر حاضری کو لے کر وہ کتنی پریشان ہوئی ہو گی۔ وہ تو آل ریڈی اپ سیٹ تھی ارش کو نہ دیکھ کر تو نہ جانے اس کا کیا حال ہوا ہو گا؟ وہ انہی سوچوں کے چکروں میں الجھا ہوا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ ہلکی سی ناک کے ساتھ کھلا اور ایک خوبرو سا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

''ہیلو مسٹر ارش' اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' اس کے قریب پہنچ کر وہ اس کے بازو پر

لگی ڈرپ چیک کرتے ہوئے پرخلوص انداز میں بولا۔ تو ارش نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''مجھے ڈاکٹر سنوان آفندی کہتے ہیں۔ فی الحال میں ہی آپ کا انچارج ہوں آپ کے گھر میں آپ کے والٹ میں موجود کارڈ کی مدد سے اطلاع کر دی گئی ابھی تھوڑی ہی دیر میں آپ کے گھر والے پہنچتے ہی ہوں گے۔'' اس کے ہونٹوں پر پیشہ وارانہ مسکراہٹ تھی۔ ارش نے اطمینان سے آنکھیں موندھ لیں۔

''گاڑی احتیاط سے چلایا کیجئے آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ آپ کی وائف آپ سے کتنا پیار کرتی ہیں۔'' اس کے کچھ جتانے کے انداز پر ارش نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''مگر آپ میری بیوی کو کیسے جانتے ہیں؟'' ارش کے قدرے جانچنے سے حیران انداز پر سنوان دھیمے سے مسکرا دیا۔

''میں تو انہیں بہت عرصے سے جانتا ہوں' ایکچولی وہ کبھی میری سسٹر کی دوست ہوا کرتی تھیں۔ تو اسی وسیلے سے مجھ سے بھی علیک سلیک تھی ان کی۔'' وہ بہ ظاہر بڑے بے نیاز سے انداز میں کہہ رہا تھا مگر ارش نے قطعی سمجھنے کی کوشش نہ کی کہ وہ اسے کیا جتانا چاہتا ہے۔ سنوان مزید کچھ کہتا مگر اسی دم دھڑ سے دروازہ کھلا اور روتی ہوئی قدرے بوکھلائی ہوئی زرنیلا بڑے رف حلیے میں داخل ہوئی۔ وہ پورے دنوں سے تھی مگر پھر بھی اس کی پھولی ہوئی سانس بتا رہی تھی کہ وہ خبر ملتے ہی بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سامنے بیڈ پر لیٹے سفید پٹیوں میں جکڑے ارش پر پڑی اور وہ بجلی کی سی تیزی سے لپک کر اس کے قریب آ گئی۔

''ارش یہ...... یہ...... کیا ہو گیا تمہیں تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کتنی پریشان ہو گئی تھی میں۔'' اس نے پھولے ہوئے سانس کے دوران بولنا بہت مشکل ہو رہا تھا مگر اس کی آنکھوں سے چھلکتے آنسو اس بات کا ثبوت تھے کہ اس کی دل کی اس وقت کیا حالت تھی۔ ارش کہنی کے بل اٹھ بیٹھا۔ پھر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے اپنائیت سے بولا۔

''مگر تم پریشان کیوں ہو زریں بس معمولی سا ایکسیڈنٹ تھا۔ دو چار چوٹیں آئی ہیں پلیز تم پریشان مت ہو۔'' اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ قطعی خود سے بے نیاز انداز میں بولا تو زرنیلا' سنوان کی موجودگی سے قطعی لاعلم اس کے سینے سے لگ کر سسک پڑی۔

''ارش میں تمہارے بغیر ایک پل بھی نہیں جی سکتی۔ اس پوری کائنات میں اگر تم نہیں ہو تو میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے پھر تم کیوں اپنا خیال نہیں رکھتے' ہمیشہ ہی کیوں لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہو۔''

''ارش اپنے ہاتھوں سے اس کے بکھرے بال سنوار رہا تھا اور وہ اس کے کشادہ سینے میں منہ چھپائے سسک رہی تھی۔ کوئی اس وقت سنوان سے پوچھتا کہ اس کے دل کا کیا حال تھا؟

کسی کے کندھے سے لگا اس کا سر، کسی کے ہاتھوں سے پونچھے جاتے اس کے آنسو اسے شدید دکھ سے ہمکنار کر رہے تھے مگر وہ بے بس تھا۔ اسی پل ریاض صاحب، فاطمہ بیگم اور کچھ آفس کے لوگ وہاں آ گئے تو سنوان چپ چاپ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

شام کے سائے تیزی سے کافی گہرے ہو رہے تھے۔ ارش اب دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ ریاض صاحب فاطمہ بیگم کو چھوڑنے کے لیے گھر چلے گئے۔ تب زرنیلا ارش کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ کر، محویت سے اسے محبت پاش نظروں سے دل کے اندر اتارنے لگی۔ سنوان دوبارہ چیک اپ کے لیے آیا تو وہ گھٹنوں پر بازو رکھے کسی دیوانی کی طرح ارش کو دیکھنے میں محو تھی۔ آہٹ پر اس نے چونک کر سر اٹھایا مگر پھر سنوان کی سلگتی سی نگاہوں میں، عجیب سی تڑپ دیکھ کر سر جھکا گئی۔ سنوان نے نگاہ پھیر کر سوئے پڑے ارش کا تفصیلی جائزہ لیا۔ پھر زرنیلا کے قریب آ کھڑا ہوا اور قدرے سپاٹ انداز میں بولا۔

''تمہیں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم بلا جھجک مجھ سے کہہ سکتی ہو میں فی الحال یہیں ہوں۔''

''مگر مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

ارش دوبارہ جاگا تو زرین بدستور رو رہی تھی۔ اس کا دل تو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

ارش کی چوٹیں چونکہ معمولی تھیں لہٰذا اگلے ہی دن اسے ڈسچارج کر دیا گیا وہ گھر آیا تو زرنیلا پہلے سے بھی زیادہ اس کا خیال رکھنے لگی۔ اسے ہلکی سی چھینک بھی آتی تو زرنیلا کی جان پر بن جاتی اور وہ اس کی اپنے لیے اس قدر شدید محبت دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتا تھا۔

اس روز بھی وہ اپنے ہاتھوں سے اسے سوپ پلا رہی تھی جب اچانک فون کی بیل بج اٹھی اور وہ ارش سے ایکسکیوز کر کے فون کی طرف لپکی۔ دوسری طرف ریاض صاحب تھے اور انہوں نے جو اطلاع دی۔ وہ زرنیلا کے چہرے کا سارا خون نچوڑنے کو کافی تھی۔ ارش نے جو اس کے چہرے کے اڑتے رنگوں کو دیکھا تو لپک کر اس کے قریب آیا۔ پھر اس کے ہاتھ سے ریسیور لیتے ہوئے خود ریاض صاحب سے بات کی اور ان سے بات کرنے کے بعد زرنیلا کو سب ٹھیک ہو جائے گا کی تسلی دیتے ہوئے تیزی سے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ فاطمہ بیگم کو اپنڈکس کا شدید درد اٹھا تھا اور اسپتال میں ان کا آپریشن ہو رہا تھا۔

ارش جب وہاں پہنچا تو آپریشن ہو چکا تھا اور ریاض صاحب ایک طرف بوکھلائے ہوئے سے بیٹھے تھے۔ اس نے جا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ پھر فوراً موبائل سے گھر کے نمبر پریس کیے اور زرنیلا کو خیریت کی اطلاع دی۔ شام کے وقت زرنیلا بھی وہیں آ گئی جہاں فاطمہ بیگم کو ایڈمٹ کیا ہوا تھا۔ یہ جگہ اسپتال سے تھوڑا ہٹ کر کسی ڈاکٹر کی پرائیویٹ کوٹھی کے ساتھ ملحقہ تھی اور یہاں پرائیویٹ آپریشنز ہی ہوتے تھے۔ ریاض صاحب آج

ہی کراچی سے واپس لوٹے تھے اور ٹرین سے لاہور واپس آئے تھے اور ابھی انہیں آفس کا ایک اور ضروری کام نمٹانا تھا۔ تب ہی وہ دوبارہ آفس چلے گئے اور ارش، فاطمہ بیگم کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔ رات تیزی سے اپنے پر پھیلا رہی تھی اور زرنیلا تھکن سے بے حال لگ رہی تھی، ارش نے اسے گھر چھوڑ آنے کی آفر کی تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ارش نے ریاض صاحب کو کال کر دی تھی لہٰذا اگلے کچھ ہی گھنٹوں میں وہ ان لوگوں کے پاس تھے۔ رات کافی بیت گئی تھی۔ فاطمہ بیگم ہوش میں آنے کے بعد تھوڑی سی دیر جاگ کر دوبارہ سو گئیں۔ تو ارش نے زرنیلا کو بھی گھر جا کر آرام کرنے کی ہدایت کی۔ ریاض صاحب بھی سفر کے باعث خاصے تھکے ہوئے تھے۔ ارش نے انہیں بھی گھر جا کر آرام کرنے کا کہا اور زرنیلا کو بھی ساتھ لے جانے کی ریکویسٹ کی تو اس نے گھر جانے سے صاف انکار کر دیا۔

''زرنیلا پلیز سمجھنے کی کوشش کرو تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تم گھر جاؤ آنٹی کے پاس میں ہوں ناں؟'' اس نے ایک مرتبہ پھر اس کو سمجھانے کی کوشش کی مگر زرنیلا نے پھر انکار میں سر ہلا دیا۔

''میں گھر نہیں جاؤں گی، یہیں رہوں گی امی کے پاس، ابو سے کہو یہ اکیلے گھر چلے جائیں یا پھر تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔'' وہ ضدی انداز میں بولی تو ارش نے بے بسی سے ریاض صاحب کی طرف دیکھا۔

''زرنیلا! تم گھر چل رہی ہو، ابھی اور اسی وقت اور یہ میں کہہ رہا ہوں چلو میرے ساتھ۔'' وہ یکدم غصے میں آ گئے تھے۔ زرنیلا نے تپتی نگاہوں سے ارش کی طرف دیکھا۔

''جب میں نے کہہ دیا کہ میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔ تو مطلب نہیں جا رہی اب اس کے لیے آپ ہاتھ اٹھائیں گے مجھ پر۔'' وہ پل میں جذباتی ہو گئی تھی۔ ریاض صاحب کی آنکھیں بھی غصے سے سرخ ہو گئیں مگر اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتے۔ ارش انہیں کندھوں سے تھام کر کمرے سے باہر لے آیا اور نہ جانے ان سے کیا کہا کہ وہ اکیلے ہی گھر واپس چلے گئے۔

ارش دوبارہ کمرے میں آیا تو زرنیلا کرسی پر بیٹھی اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔ کمرے میں فاطمہ بیگم کے بیڈ کے علاوہ صرف چار کرسیاں اور ایک چار پائی تھی۔ جس پر وہ دونوں آرام سے سو نہیں سکتے تھے۔ تب ہی اس نے زرنیلا سے گھر جا کر آرام کرنے کا کہا تھا مگر وہ چڑ گئی ارش کرسی پر اس کے ساتھ آ کر بیٹھا تو وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئی اور غصے سے بولی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں قریب بیٹھنے کی تم یہی سمجھو کہ میں یہاں نہیں ہوں۔''

''فار گاڈ سیک زرین، کیا ہو جاتا ہے کبھی کبھی تمہیں؟ میں نے تو صرف اس لیے کہا تھا کہ تم گھر پر بہتر آرام کر سکو اور تمہارے حصے کا یہاں میں جاگ کر رات بیتا دوں، اس کے علاوہ پلیز

میرا یقین کرو میرا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔'' ارش کے محبت بھرے بے بس سے انداز پر اس نے پلٹ کر مشکوک سی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر دل ہی دل میں قدرے شرمندہ ہوتی اس کے پاس آ بیٹھی۔

''سوری ارش' میں سمجھی تم مجھے یہاں سے بھگانا چاہتے ہو۔ مجھے اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتے۔ اب تم اسے میرا پاگل پن کہو یا میرے پیار کی انتہا کہ میں تمہارے بارے میں بھی بے حد حساس ہوں۔ اسی لیے مجھے دکھ ہوا مگر میں نے یہ سمجھنے کی تو کوشش ہی نہیں کہ تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو۔'' سر جھکا کر وہ قدرے ندامت آمیز انداز میں بولی تو ارش کو اس پر ڈھیروں پیار آ گیا۔

''چلو یہ معجزہ تو ہو گیا۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم نے ریاض صاحب سے بدتمیزی کیوں کی؟'' دل اس کے واضح اظہار پر بلیوں اچھل پڑا تھا۔ تب ہی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ محبت سے چور لہجے میں بولا تو زرنیلا کی پلکیں جھک گئیں۔

''انہوں نے کبھی ہمیں تمیز نہیں سکھائی ارش اور پھر جب سے تم میری زندگی میں آئے ہو۔ جب سے تمہارے پیار نے میرے دل کو جکڑا ہے۔ تب سے میں کچھ زیادہ ہی سر چڑھی ہو گئی ہوں۔ کوئی مجھے رعب سے کچھ کہے' ڈانٹے' انسلٹ کرے میں برداشت نہیں کر سکتی ہوں۔ ارش میں سمجھتی ہوں کہ جب تم مجھ سے پیار کرتے ہو مجھے پھولوں سے بڑھ کر رکھتے ہو۔ میں تمہارے لیے اہم ہوں۔ جب میرے آنسو تمہیں تکلیف دیتے ہیں۔ میں نے اپنی دنیا بس صرف تم تک ہی محدود کر لی ہے۔ تو کسی کو کیا حق ہے کہ مجھ پر رعب جمائے' اپنی مرضی ٹھونسے' جب میں تمہاری ہوں' تم میرے لاڈ' میری ضدیں پوری کرنے والے ہو' تو تمہارے ہوتے ہوئے کوئی اور کیوں مجھے فقط ایک کٹ پتلی سمجھے؟ وہ پھر سے جذباتی ہو رہی تھی ارش نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''مگر زریں ریاض انکل کوئی اور نہیں ہیں باپ ہیں وہ تمہارے۔''

''ہاں' ہیں وہ میرے باپ' مانتی ہوں میں اس بات کو مگر باپ ہونے کا کوئی حق کبھی ادا نہیں کیا ہے انہوں نے یہ جو تم مردوں کے خلاف میرے اندر سے زہر نکلتا دیکھتے ہو ناں یہ سب انہی کی مہربانی ہے۔ میرے شعور میں آنے سے پہلے ہی انہوں نے میرے ذہن میں بٹھا دیا کہ مرد کبھی بھی محبت کرنا نہیں جانتا۔ ایک عورت کی کوئی اہمیت' کوئی اوقات نہیں ہوتی اس کی زندگی میں مگر تم...... تم نے میری زندگی میں آ کر میرے دل میں موجود مرد ذات کے خلاف بے تحاشا نفرت کو دھویا ہے اور اب میں صرف تمہیں جانتی ہوں۔ صرف اس ایک شخص کو جس نے میری محرومیوں کو سمیٹ کر مجھے بے تحاشا محبتوں سے مالا مال کیا ہے۔ مجھے فخر سے جینے کا مان دیا ہے۔ ایک انسان ہونے کی پہچان دی ہے۔ پتا ہے ارش جب تم پہلی بار مجھ سے ٹکرائے تب مجھے تم سے نفرت نہیں تھی مگر جب بینک میں صرف انتقام کی خاطر تم نے بے قصور مجھے چانٹا مارا تب میرے دل میں

تمہارے لیے بے تحاشا نفرت پیدا ہوئی اس نفرت سے کہیں بڑھ کر جو باقی تمام مردوں کے لیے میرے دل میں تھی مگر جب تم میری زندگی میں آئے مجھے اندھیروں میں اترنے سے قبل سمیٹ کر اپنا نام دے کر تم مجھے اپنی زندگی میں لائے تب میں سمجھی کہ اب تم اپنا ایک نیا روپ میرے سامنے لاؤ گے۔ احسان جتا کر مجھے ہمیشہ مقروض رکھنے والا' دبائے رکھنا والا' پل پل میں مجھے میری منحوسیت کا طعنہ دے کر جو چاہو گے مجھ سے منواؤ گے اور میں یونہی چپ چاپ سسک سسک کر زندگی گزار دوں گی۔ مگر تم نے میری سوچ کو پلٹ دیا۔ اپنے پیارے آنسوؤں سے اچھے سلوک سے میرے دل میں جمی نفرتوں کے تودے کو پاش پاش کر دیا۔ الجھا کر رکھ دیا تم نے مجھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں تم سے ٹوٹ کر نفرت کروں یا محبت مگر یہ الجھن بھی بس تھوڑے دنوں رہی اور جب تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا جب میری سماعتوں نے سنا کہ تمہارا زندہ رہنا بہت مشکل ہے تب مجھے لگا جیسے تمہاری سانسیں رکیں گی تو میں بھی مر جاؤں گی اگر تم آنکھیں نہیں کھولو گے تو میری آنکھیں بھی پتھر کی ہو جائیں گی۔ میں نے کبھی دانستہ تم سے پیار نہیں کیا تھا۔ نہ ہی کبھی ایک بھی پل کے لیے تمہارے بارے میں سوچا مگر اس کے باوجود تمہاری محبت کب میرے دل میں آ گھسی مجھے قطعی علم نہ ہو سکا۔ مجھے لگا پوری دنیا میں صرف ایک شخص ہے جو پیار کرنا جانتا ہے۔ جسے محبت کرنی آتی ہے جو دل کا بے حد اچھا ہے۔ جو عورت ذات کی عزت کر کے خوش ہوتا ہے اور اگر اسے کچھ ہو گیا تو یہ دنیا پھر سے خالی ہو جائے گی پھر سے اندھیرے میرا نصیب ہو جائیں گے پھر سے۔''

''بس پلیز بس کرو زریں۔''

وہ ابھی نہ جانے مزید کہتی کہ ارش نے ایک دم اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر اسے بولنے سے روک دیا۔ اس کی آنکھیں زرنیلا سے بھی زیادہ بھیگ چکی تھیں۔

''اتنا پیار زرنیلا؟ کہاں چھپا رکھا تھا تم نے؟ کتنا ترس گیا تھا میں ان لفظوں کو مگر آج جب میں سرد رویوں کا عادی ہو گیا ہوں تو تم اس دل برباد کو خوش فہمیوں کے شہد کا عادی بنانا چاہتی ہو پلیز یہ ظلم مت کرو زریں مجھے اتنا خوش فہم مت بناؤ کہ پھر کبھی تمہاری معمولی سی بے رخی میری جان لے لے۔ مجھے تو پہلے ہی تم نے خوشیوں سے مالا مال کر دیا ہے۔ پلیز اب مزید امتحان مت لو میرے ضبط کا پلیز۔''

''ہاں درست کہتے ہو تم' میں پاگل بے وقوف کچھ زیادہ ہی مہربان ہو گئی تم پر حالانکہ تم اتنے پیار کے قابل ہو نہیں۔ ابھی کیسے گھر زبردستی بھیجنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ وہ تو میں ضد کر کے رک گئی وگرنہ تم نے تو رات بھر تنہا یہاں مچھر مارنے کا فیصلہ کر لیا تھا ناں؟''

''تم کبھی نہیں سدھرو گی۔ اچھا چلو اب لیٹ جاؤ اور آرام کر دیوں اتنی دیر بیٹھنا تمہاری صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔''

" کہنے کے ساتھ ہی اس نے زبردستی زرنیلا کو بازو سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا۔ پھر اس پر کمبل ڈال کر خود اس کے پہلو میں ہی بیٹھ گیا۔

"ارش! جب ہمارا بچہ ہوا تو کیا پاپا اس وقت بھی پاکستان نہیں آئیں گے کیا وہ اپنے پوتے یا پوتی کو نہیں دیکھیں گے؟" چار پائی پر لیٹ کر نگاہیں ارش کے چہرے پر جماتے ہوئے وہ قدرے دل گرفتہ سے انداز میں بولی تو ارش سرد آہ بھر کر رہ گیا۔

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا زرین! ہاں مگر اپنے بچے کو تمام تر محبتیں دینے کے لیے میں ہوں ناں؟ تم کیوں فکر کرتی ہو؟ تم دیکھنا میں اپنے بچے کو اتنی محبتیں اتنی آسائشیں دوں گا کہ یہ دنیا میرے بچے کے نصیب پر رشک کرے گی دیکھنا تم۔" اس کی ستارہ سی آنکھوں میں الوہی جذبوں کی چمک تھی۔ زرنیلا نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں کہ واقعی ارش کے ہوتے ہوئے اسے بھلا کسی اور محبت کی اتنی طلب بھی کہاں تھی؟

♥ ...... ♥ ...... ♥

اور پھر وہ دن بھی آ گیا جس کا اسے اور ارش کو شدت سے انتظار تھا۔ خدا نے اسے ماں کے عظیم مرتبے پر فائز کر دیا تھا۔ اس کے تمام تر دکھوں کے ازالے میں ایک پیاری سی بیٹی سے نوازا دیا تھا اسے کوئی اس دم ارش سے پوچھتا کہ اس کے دل کا کیا حال تھا۔ مارے خوشی کے اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ وہ قہقہے لگانا چاہتا تھا مگر خوشی کی شدت اتنی بڑھ گئی تھی کہ لب محض پھیل کر رہ جاتے۔ زرنیلا کے کمرے میں منتقل ہونے سے قبل ہی وہ مسجد چلا گیا اور خدا کے حضور رو رو کر شکرانے کے نوافل ادا کیئے۔ پھر اپنی بیٹی کے صدقے کے لیے پیسوں کی برسات کر دی۔ اس نے خدا سے جو بھی مانگا تھا اسے مل گیا کسی بھی دعا میں مایوسی کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

زرنیلا تو اسے اس قدر خوش دیکھ کر ہی اپنی تکلیف بھول گئی۔ ارش کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنی بیٹی کو بانہوں میں اٹھا کر گھما ڈالے۔ فائیلہ آپی' مریم' نوخیز' ساجد اور دوبئی میں اپنے ڈیڈ کو یہ خبر دیتے اس کے چہرے پر بکھرنے والے رنگوں کا حسین امتزاج دیکھنے والا تھا۔ پاپا کہلانے کا خوش کن احساس ہی اسے پاگل کر دینے کے مترادف تھا۔ اسپتال کے پورے اسٹاف کو مٹھائی تقسیم کی گئی۔ ڈاکٹرز کو الگ سے مٹھائی کے ٹوکرے اور پچاس پچاس ہزار روپے خوشی کے دیئے تھے۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ ساری دنیا کو اپنی خوشی میں شریک کر لیتا۔

"آنٹی! سچ سچ بتائیں' میری بیٹی میری طرح خوب صورت ہے یا زرنیلا کی طرح بس گزارہ شکل؟" چھوٹی سی بچی کو بانہوں میں بھر کر محبت سے دیکھتے ہوئے وہ شوخ انداز میں فاطمہ بیگم سے مخاطب ہوا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑیں جب کہ زرنیلا گھور کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

"بھئی اس میں تو کوئی شک نہیں کہ گڑیا بیٹی بالکل تم پر گئی ہے۔ خدا اسے لمبی عمر عطا کرے اور تمہیں اس کی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے۔" وہ متانت بھرے انداز میں اپنائیت سے بولیں تو ارش اور زرنیلا دونوں کے لبوں سے بیک وقت آمین نکلا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

دوبئی میں ارش کے ڈیڈ مسٹر احسن احمر صاحب کو پوتی کی آمد کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ جواباً وہ بے پناہ خوش بھی ہوئے تھے۔ کیونکہ اُنھیں بھی اپنے ارش کے بچوں کو گود میں کھلانے کا بہت ارمان تھا' تاہم اب بھی اُنھوں نے اپنی پاکستان واپسی کے متعلق کچھ خبر نہیں تھی۔

اور اسی چیز نے ارش کو حد درجہ ہرٹ کیا تھا۔ سب کے درمیان بے پناہ مسرور ہوتے ہوئے بھی اُسے اندر ہی اندر احسن صاحب کی بے نیازی تکلیف پہنچا رہی تھی۔

ننھی رمشہ، پورے ایک سال کی ہو گئی تھی۔ لہٰذا ارش اور زرنیلا نے بڑی دُھوم دھام سے اُس کی سالگرہ منانے کا پروگرام بنایا تھا۔

لندن سے مریم اور نوخیز بھی اُن کی خوشیوں میں شریک ہونے کیلئے آ گئے تھے۔ ریاض صاحب' عائشہ بیگم فائیلہ آپی' امیر بھائی' اور ارش کے چند قریبی دوستوں کی بیگمات کے ساتھ آمد نے' سالگرہ کی تقریب کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

ارش کو اپنی زندگی کے اتنے حسین موقع پر' بے طرح سے اپنے ڈیڈ یاد آ رہے تھے۔

ایک دو بار بے ساختگی میں اُس کی پلکیں بھی نم ہوئی تھیں' مگر اُس نے خود کو بہلا لیا۔

زرنیلا آج ڈارک بلو سوٹ میں' جس پر ہلکا سا ذری کا کام کیا ہوا تھا' بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی' ننھی رمشہ، پنک کلر کی بے بی فراک میں چھوٹی سی پری ہی دکھائی دے رہی تھی۔

ارش مکمل بلیک تھری پیس سوٹ میں' خود کسی شہزادے سے کم ہرگز نہیں لگ رہا تھا۔

رنگا رنگ تقریب میں' اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ' وہ اس قدر مسرور دیکھائی دے رہا تھا' گویا دونوں جہان کی دولت اُسے نصیب ہو گئی ہو۔

کیک کاٹنے کا ٹائم ہوا' تو وہ زرنیلا کے ساتھ' اپنی ننھی سی بچی کو گود میں اُٹھائے ٹیبل کے قریب چلا آیا۔

عین اِسی لمحے دروازے پر ہلکی سی مخصوص دستک ہوئی تھی' اور کیک پر لگی کینڈل کو روشن کرتا ارش ایک دم سے چونک گیا۔ دِل کی دھڑکنیں' معمول سے تیز ہوئی تھیں اور وہ کینڈل چھوڑ کر' فوراً لپکتے ہوئے ہال روم کے دروازے کے قریب آیا تھا۔ جہاں احسن احمر صاحب لبوں پر نرم سی مسکراہٹ لیئے اُسی کے منتظر کھڑے تھے۔ ارش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت وہ کس قسم کے

ری ایکشن کا مظاہرہ کرے۔ اس کی آنکھیں اس اچانک ملاپ پر آنسو بہائیں یا بلند و بالا قہقہے لگائیں۔ وہ جو کہتے تھے کہ پاکستانی فضاؤں میں میرا دم گھٹتا ہے۔ آج کیسے اس کی خوشی کی خاطر حقیقت کا روپ لیے۔ اس کے سامنے کھڑے تھے؟

کسی چھوٹے سے بچے کی مانند وہ بھاگا اور دوڑ کر ان کے گلے سے لگ گیا۔ ان کی پر شفقت بانہوں میں منہ چھپا کر نہ جانے کب سے رکے آنسو بہا ڈالے اور وہ اسے چوم چوم کر بے حال ہوگئے۔ محبت و ملاپ کا یہ منظر زرنیلا اور وہاں موجود ہر فرد نے کس قدر حیرانی وخوشی سے دیکھا ان دونوں کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی

"تو میرے وطن کی ہوائیں آپ کو کھینچ ہی لائیں ناں پاپا؟" مارے خوشی کے اس کے لب کپکپا گئے۔ احسن احمر صاحب نے اسے خود سے الگ کر کے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

"ہاں بیٹے اب میں مزید تم لوگوں سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔" دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ شفقت سے بولے۔ تو ارش پھر سے ان کے گلے لگ گیا۔ ریاض صاحب نے قریب آ کر اس کی پشت تھپتھپائی تو اسے وہاں موجود دوسرے افراد کی موجودگی کا احساس ہوا۔ تب ہی وہ ان کا ہاتھ تھام کر انہیں گھر کے اندر لایا اور فرداً فرداً ایک ایک شخص سے ملوایا۔ پھر جب زرنیلا ان سے ملی تو فرطِ جذبات سے انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ یہی تو وہ لڑکی تھی جو ان کے ارش کو زندگی کی حقیقی خوشیوں کی طرف لائی تھی تو بھلا انہیں عزیز کیوں نہ ہوتی۔

مریم اور نوخیز دو روز ٹھہر کر واپس چلے گئے جب کہ فائیلہ آپی چونکہ خود باہر سیٹل ہو رہی تھیں لہٰذا وہ ڈھیروں خوشی کے ساتھ اگلے ہی روز رخصت ہوگئیں۔ ساجد بھائی خود نہیں آئے تھے صرف تحائف بھجوائے تھے لہٰذا ان کی کمی بدستور محسوس کی گئی۔ ایک ہفتے کے اندر اندر سب لوگ رخصت ہوگئے اور وہ اپنے جنت نما گھر میں اکیلے رہ گئے۔

ارش تو خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ ہر وقت احسن احمر صاحب کے آگے پیچھے پھرتا رہا اور زرنیلا باپ سے اس کی محبت کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھتی رہتی۔ خدا تعالیٰ نے زندگی میں کیسا سکون بھر دیا تھا۔ وہ اگر ہر وقت اس کا شکر ادا کرتے تب بھی شاید حق پورا نہ ہوتا۔ بیٹی کی پیدائش کے بعد زرنیلا پہلے سے بھی خوب صورت ہوگئی تھی اور ارش اس کا پہلے سے بھی زیادہ دیوانہ۔ احسن احمر صاحب تو محبتوں کی اس جنت میں آ کر گویا نہال ہی ہوگئے تھے۔

زرنیلا دل جان سے ان کی خدمت کرتی اور بالکل ایسے پیش آتی گویا وہ اس کے سگے باپ ہوں۔ اب تو ارش بھی اس سے جلنے لگا تھا اور اکثر شکوہ کرتا کہ وہ اس کے حصے کی محبتیں بھی سمیٹ رہی ہے۔

"پاپا! آپ سے ایک سوال پوچھوں آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے ناں؟" احسن احمر صاحب صبح کی ٹھنڈی ہوا کو انجوائے کرتے ہوئے لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ جب پودوں کو پانی دیتے زرنیلا نے دھیمے سے کہا اور وہ کپ ٹیبل پر رکھ کر استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ زرنیلا پائپ پودوں میں چھوڑ کر ان کے پاس ہی آ بیٹھی۔

"پاپا! آپ جن سے محبت کرتے تھے وہ آپ کو کہاں ملی تھیں؟" زرنیلا کے اس سادہ سے سوال نے انہیں بے ساختہ چونکا ڈالا۔ جب کہ زرنیلا ان کے چہرے کے ایک ایک تاثر کو چپ چاپ نوٹ کرتی رہی۔

"پاپا۔ آپ کو برا لگا؟" انہیں پریشان سا دیکھ کر وہ ندامت سے بولی تو احسن احمر صاحب نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

"ایکچولی مجھے ارش نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ تب ہی میں نے آپ سے پوچھا۔" وہ دھیمے لہجے میں وضاحت دیتے ہوئے بولی تو احسن صاحب سرد آہ بھر کر رہ گئے پھر کھوئی کھوئی سی نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر ٹکا کر بکھرے ہوئے سے لہجے میں بولے۔

"وہ بہت اچھی مقررہ تھی زریں بیٹے۔ پتا نہیں بہت اچھی مقررہ تھی، شاعرہ تھی، اسٹوڈنٹ تھی یا لڑکی۔ بس اچھی ہی اچھی تھی۔ ہر جگہ، ہر فیلڈ میں، میں ان دنوں فورتھ ایئر کا امتحان دے کر فارغ ہی ہوا تھا۔ جب میرے پاپا جو سرکاری جاب کرتے تھے کا تبادلہ اسلام آباد سے لاہور ہوگیا اور یوں میں مائیگریشن کروا کے اسلام آباد سے لاہور آ گیا کیونکہ اسلام آباد میں ہمارا کوئی بھی عزیز رشتے دار نہیں تھا۔ میں نے لاہور ہی کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ حالانکہ میں اسلام آباد میں رہ کر اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتا تھا مگر چونکہ میں ممی پاپا کا اکلوتا بیٹا تھا اسی لیے صرف ان کی خوشی کی خاطر میں نے اپنی خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر یونیورسٹی میں داخلے کے بعد میرا سامنا عکاشہ سے ہوا۔ وہ ہر دل عزیز اساتذہ کی چہیتی اسٹوڈنٹ تھی۔ نہ صرف اساتذہ بلکہ یونیورسٹی کے بیشتر اسٹوڈنٹ کے لبوں پر بھی اسی کی محبت و ذہانت کے چرچے تھے میں چونکہ والدین اور اساتذہ کے علاوہ اپنے پورے خاندان دوست احباب سب کا بے حد لاڈلا تھا۔ لہٰذا اس کی یہ اہمیت برداشت نہ کر سکا۔ تب ہی یونیورسٹی کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔

پہلی مرتبہ جب ہمارے درمیان تقریری مقابلہ ہوا تو میں نئے ماحول میں قدرے نروس ہو کر اپنے لہجے کی مضبوطی قائم نہ رکھ سکا اور وہ ہمیشہ کی طرح اپنے فطری اعتماد کے باعث سب کے دل جیت لے گئی۔ اس کی طرف سے ملنے والی اس پہلی شکست نے میرے اندر ایک آگ سی لگا دی تھی۔ اس کا وجود مجھے کانٹے کی طرح چبھنے لگا۔ تب ہی میں نے یونیورسٹی میں اپنا اثر ورسوخ تیزی سے بڑھانا شروع کر دیا اور اسے لوگوں کے سامنے زیادہ سے زیادہ ذلیل کرنا شروع کر دیا اور پھر

ایک دن وہ مجھ سے مقابلہ پر خود ہی پیچھے ہٹ گئی ہر وہ تقریب جہاں میں اس کا مدمقابل ہوتا وہ ہر بار اس تقریب میں پارٹی سپیٹ کرنے سے انکار کر دیتی اور میں سر سے پاؤں تک اپنے غرور وفخر میں نہال ہو جاتا۔ اس پر طنز کرتا فقرے کستا میرے دوست اسے تنگ کرتے خود اس کی فرینڈز اسے کوستی' طعنے دیتی مگر اس کی ناں ہاں میں نہ بدلتی اور ایک دن ایسا بھی آیا جب میں اس کی اس ناں سے بھی اکتا گیا۔ میرا من چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے مقابلہ کرے اور میں اسے شکست دے کر یہ جتاؤں کہ ایک عورت خواہ کچھ بھی کر لے وہ کبھی مرد کے برابر نہیں آ سکتی۔

مگر میں بھی کبھی اس کی ناں کو ہاں میں نہ بدل سکا۔ یہاں تک کہ وہ محبت بن کر میری رگوں میں اتر آئی۔ صرف مجھے خوشی دینے کی خاطر وہ خود اذیت سہتی رہی اور اس کی اسی قربانی نے دھیرے دھیرے میرے دل میں اس کی محبت کا دیا جلا دیا۔ میں اسے ٹوٹ کر چاہنے لگا مگر کبھی اظہار کرنے کی نوبت نہ آ سکی اور پھر ایک دن جب یونیورسٹی سے ہماری رخصتی کے دن قریب آ گئے تو میں نے یہ ہمت بھی اپنے اندر پیدا کر ہی لی وہ اس دن لان میں بیٹھی تھی جب میں دھیرے دھیرے چلتا اس کے سامنے جا بیٹھا۔ وہ اس وقت تنہا بیٹھی تھی مجھے اپنے سامنے بیٹھے دیکھ کر چونک گئی اور سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی اس وقت میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس سے کیا کہوں؟ تب ہی میرے لبوں نے جنبش کی اور میں نے اس سے کہا۔

"عاشی...... اگر میں تم سے کہوں کہ تم پھر سے مجھ سے مقابلہ شروع کر دو' مجھے خوشی ہو گی' تو کیا تم مجھے مایوس کر دو گی؟" اور پتہ ہے زریں بیٹے' میرے اس جملے پر پہلے تو وہ حیرانی سے ٹکر ٹکر مجھے دیکھتی رہی' پھر بے ساختہ کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اسے یوں کھل کھلاتے دیکھ کر مجھے لگا کہ اگر یہ لڑکی مجھے نہ ملی تو میں زندگی میں کبھی خوش نہیں رہ سکوں گا۔ اس نے میری بات مان لی' پھر سے یونیورسٹی کی سرگرمیوں میں میرے مقابل آ گئی مگر اس بار میں جان بوجھ کر اس سے ہار جاتا اور اس ہار میں بھی مجھے عجیب سا سرور ملتا۔ رفتہ رفتہ مجھے محسوس ہوا کہ میں عکاشہ سے جتنی محبت کرتا ہوں' وہ مجھے اس سے بھی دوگنا بڑھ کر محبت کرتی ہے' صرف میری محبت کے لیے اس نے اپنے بے حد اچھے کئی پرپوزل ٹھکرا دیئے' والدین کی ناراضی مول لی اور اپنا کیریئر تک داؤ پر لگا دیا۔ مگر میں' میں اسے سوائے جھوٹے وعدوں اور ادھورے خوابوں کے اور کچھ بھی نہ دے سکا' کچھ بھی نہیں......" آواز کے ساتھ ساتھ ان کا لہجہ بھی بھر آیا تھا اور آنکھیں بھی' تب ہی زرنیلا نے اپنائیت سے اپنے ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھ دیئے' پھر اٹھ کر اندر اپنے کمرے میں گئی اور جب واپس لان میں آئی تو اس کے ہاتھ میں تصویروں کا ایک پرانا البم تھا۔

"پاپا! کہیں میری عکاشہ آنٹی ہی تو آپ کی محبت نہیں۔" دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے وہ البم ان کے سامنے رکھ دیا اور خود ان کے ایکسپریشنز دیکھنے لگی۔ احسن احمر صاحب کی

نگاہوں نے جونہی تصویر میں زرنیلا کی آنٹی عکاشہ کو دیکھا' وہ بے آواز رو پڑے اور زرنیلا نے کرب کے مارے آنکھیں موند لیں۔

"پاپا! محبت کا دکھ آپ نے تنہا نہیں سہا ہے' میری آنٹی بھی پل پل جیتی مرتی رہی ہیں اس دکھ میں' مگر انہوں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا کہ انہیں کیا دکھ ہے۔ کون سا ایسا جرم ہوا تھا ان سے جس کی سزا انہیں پورے پچیس سال تک بھگتنا پڑی' یہاں تک کہ وہ موت کی بے رحم بانہوں میں جھول گئیں' آپ کی محبت کا دکھ ان کی جان لے گیا پاپا' انہیں ایک مرتبہ پھر زندگی سے ہار جانے پر مجبور کر دیا......" وہ بھیگی آواز میں بول رہی تھی اور احسن صاحب پتھر کی مورت بنے گم صم سے بیٹھے رہ گئے تھے۔ وہ خاموش ہوئی تو اچانک خالی خالی سی ایک نگاہ اس پر ڈال کر چپ چاپ اپنے کمرے میں چلے گئے اور زرنیلا وہیں بیٹھی اپنے آنسو صاف کرتی رہی کہ آج ایک مرتبہ پھر بے بس محبت کا دکھ اسے رلا گیا تھا۔

وہ لان سے اٹھ کر کچن کی طرف آئی تو ارش ابھی تک خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ ننھی عکاشہ کو بانہوں میں چھپائے وہ بڑی بے ترتیبی کے ساتھ بیڈ پر پڑا سو رہا تھا۔ زرنیلا نے آگے بڑھ کر اس پر سے کمبل کھینچ دیا' پھر کھڑکیوں پر پڑے دبیز پردے بھی ہٹا دیئے تو وہ منہ بناتا اٹھ بیٹھا۔ زریں اسے جلدی سے اٹھ جانے کی ہدایت کرتی پھر سے کچن میں چلی آئی۔

"کیا یار...... تم بھی بہت تنگ کرنے لگی ہو' اتنا اچھا خواب دیکھ رہا تھا مگر تم نے جگا کر سارا مزہ کرکرا کر دیا ہے۔" فریش ہو کر وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں چلا آیا' جو اب پراٹھے بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔

"جناب' ٹائم دیکھا ہے' پورے نو بج رہے ہیں' آج آفس نہیں جانا کیا......؟" روٹی بیل کر توے پر ڈالتے ہوئے وہ خاصے رعب سے بولی تو ارش کان کھجا کر رہ گیا۔

"ایک تو یار تم آج کل تھانیداری بہت کرنے لگی ہو' مجھے تو اب تم سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ نجانے کب پیٹ ڈالو۔"

"جناب' آپ ڈائننگ ٹیبل پر چل کر بیٹھیے' میں ناشتہ لا رہی ہوں۔" پراٹھا پلیٹ میں رکھ کر وہ زبردستی اسے بازو سے پکڑ کر ناشتے کی میز تک لائی تو وہ اس کے اس خالص بیوی والے انداز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ننھی بچی کو پیار کرتے ہوئے وہ آفس روانہ ہو گیا تو زرنیلا ناشتہ لے کر احسن احمر صاحب کے کمرے میں چلی آئی' جو اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھے نجانے کیا لکھنے میں مصروف تھے۔

"پاپا! آیئے پلیز ناشتہ کر لیجیے۔" ٹرے بیڈ پر رکھ کر اس نے انہیں پکارا تو وہ پلٹ کر

فقط ایک اداس سی نظر اس پر ڈال کر منہ پھیر گئے۔

"مجھے بھوک نہیں ہے بیٹے' بس چائے کا کپ رکھ دو۔" کتنا بھیگا ہوا لہجہ تھا ان کا' زرنیلا کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"پاپا! کیا آپ کو میرا کہنا برا لگا......؟" دونوں ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھتے ہوئے وہ نرم لہجے میں بولی تو احسن صاحب قلم ٹیبل پر رکھ کر اسے دیکھنے لگے جیسے ان کی بے حد فکر تھی' جس کا دل ان کے دکھ پر تڑپا تھا' تب ہی اس کے ہاتھ تھام کر وہ افسردگی سے مسکرا دیئے۔

"نہیں...... میں بھلا اپنی بیٹی کی کسی بات کو لے کر برا کیوں محسوس کرنے لگا' پھر تم نے تو وہی کہا جو میں عرصے سے خود کو کہتا آیا ہوں۔" محبت و اپنائیت بھرے لہجے میں کہتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر زرنیلا کی خوشی کی خاطر اس کے ساتھ مل کر معمول کی مانند ناشتہ کیا۔ وہ ناشتے سے فارغ ہوئی تو ننھی رمشہ جاگ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی تو وہ جلدی سے برتن سمیٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ چھوٹی سی رمشہ میں تو اس کی جان تھی مگر اس سے بھی بڑھ کر ارش اپنی بیٹی کو پیار کرتا تھا۔ ذرا وہ کسی کام میں مصروف ہوتی اور وہ رو پڑتی تو ارش کھڑے کھڑے زرنیلا کو ڈانٹ کر رکھ دیتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے اسے مختلف چیزیں کھلاتا' فیڈر بنا کر دودھ پلاتا' یہاں تک کہ اس کی نیپی تک چینج کرتا' وہ اسے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگتا۔

اس روز پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ کھانا ٹیبل پر لگا کر بیٹھی رہی اور ارش اپنے مقررہ وقت پر آفس سے نہیں آیا۔ زرنیلا نے اصرار کر کے احسن احمد صاحب کو تو کھانا کھلا دیا تھا مگر خود پریشان بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہی' جونجانے کیسے آج گھر کا راستہ بھول بیٹھا تھا۔ اس کے آفس فون کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی ضروری میٹنگ میں مصروف ہے' فارغ ہو کر گھر آ جائے گا مگر رات کے گیارہ بج گئے' جب اسے گھر واپس لوٹنے کا خیال آیا۔ زرنیلا غم و غصے کی ملی جلی کیفیت میں گھری اپنے کمرے میں بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہی۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتا کمرے میں داخل ہوا تو وہ خاموش نہ رہ سکی اور اس سے الجھ پڑی۔

"ارش! یہ کوئی وقت ہے گھر آنے کا' تمہیں اگر آج کھانے پر نہیں پہنچنا تھا تو پہلے ہی بتا دیتے' میں خواہ مخواہ تمہارے انتظار میں کڑھتی نہ رہتی۔" غصے کی شدت سے اس کی آواز پھٹ گئی مگر ارش نے پلٹ کر کوئی جواب نہیں دیا' بس چپ چاپ واش روم میں گھس گیا اور زرنیلا پھٹی پھٹی سی حیران نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد وہ واش روم سے باہر نکلا تو تھکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھی' لہٰذا اس نے زیادہ ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا اور دھیمے لہجے میں رسان سے بولی۔

"پلیز ہاتھ منہ دھولو' میں تمہارے لیے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے' میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔"

ارش کے بے حد سرد انداز نے اسے دوسرا جھٹکا لگایا اور وہ پلٹ کر مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی' جو آج ایک قطعی مختلف شخص لگ رہا تھا۔ زرنیلا کا دل تو جیسے بند ہونے کو آ گیا۔ اُڑی اُڑی سی رنگت کے ساتھ وہ اس کے پہلو میں آ بیٹھی۔

"ارش' کیا ہوا ہے' ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہے ہو تم؟" مارے دکھ کے آواز حلق میں ہی کہیں پھنس گئی۔ ارش نے کڑی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کیوں' مجھے کیا ہونا ہے اور کیسے ری ایکٹ کر رہا ہوں میں؟ تمہیں کچھ کہا ہے' مارا پیٹا ہے' کیا کیا ہے میں نے؟" بے حد کاٹ تھی اس کے لہجے میں' زرنیلا سسک کر رہ گئی۔

"فار گاڈ سیک ارش' مجھے مارو پیٹو' گالیاں دو' جو بات دل میں ہے' پلیز اسے باہر نکالو' مگر ایسے بات مت کرو' پلیز......" غم کی شدت سے اس کی آواز بھیگ گئی' ارش نے کوفت زدہ سا ہو کر رخ پھیر لیا۔

"پلیز زرین' رات بہت ہوگئی ہے۔ میرا دماغ چاٹنے سے بہتر ہے کہ تم آرام سے سو جاؤ' کیوں کہ میں بے حد تھکا ہوا ہوں۔" حد درجہ سرد مہری سے اس نے کہا تو زرنیلا بمشکل اپنی سسکیاں دباتی اس کے پہلو سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی اور لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہی بلک بلک کر رو پڑی۔

ارش وہ واحد شخص تھا' جس کے ماتھے پر اس نے کبھی ہلکی سی شکن بھی نہیں دیکھی تھی' کجا یہ کہ اتنی بے زاری اور بیگانگی' کیوں......؟ آخر ایسا کیا ہوگیا تھا اس سے؟ صبح تک تو وہ ایک دم ٹھیک ٹھاک تھا' پھر یہ کچھ ہی گھنٹوں میں ایسا کون سا طوفان آ گیا تھا کہ وہ یکسر چینج ہی ہوگیا؟

ساری رات وہ سوچ سوچ کر روتی رہی مگر ارش کمرے سے اٹھ کر نہیں آیا۔ کوئی ایکسکیوز' کوئی معذرت' کوئی مذاق نہ کیا اور اس کی اس بے رخی نے اسے اس کے الفاظ سے زیادہ تکلیف دی۔ تب ہی صبح اس کی آنکھیں خوب سرخ تھیں مگر ارش نے قطعی کوئی توجہ نہ کی اور چپ چاپ ناشتہ کر کے آفس چلا گیا۔

احسن احمد نے اس کی اداسی اور آنکھوں کی سرخی کے بارے میں تشویش سے پوچھا تو وہ بڑی سہولت سے انہیں ٹال گئی مگر اپنے دل کو نہ ٹال سکی جو مچل مچل کر ایک ہی ضد کر رہا تھا کہ ارش اس سے خفا کیوں ہے۔ تب ہی اپنے کمرے میں آ کر وہ اس کے آفس کا نمبر پریس کرنے لگی کہ اگر وہ اس سے کسی بات پر ناراض ہے' تب بھی وہ اسے منا لے گی مگر آفس فون کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ ارش کسی نیلو میڈم کے ساتھ لنچ کے لیے آفس سے باہر نکل گیا ہے اور سیکریٹری کی اس اطلاع نے جیسے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچی' یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔

بیڈ پر گر کر ننھی رمشہ کو بانہوں میں بھرتے ہوئے وہ تڑپ تڑپ کر رو پڑی۔ ارش اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے' اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

ارش اکثر اس سے جوک کرتا تھا مگر جلد ہی کھل کھلا کر ہنس بھی پڑتا تھا مگر یہ کیسا مذاق تھا' جس کا اختتام ہی نہیں ہو رہا تھا۔

رات گئے وہ گھر واپس لوٹا تو ایک عجیب سی تھکن اس کے پورے وجود پر طاری تھی۔

زرنیلا ٹی وی لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھی اس کی منتظر تھی۔ احسن احمر صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی لہٰذا وہ جلدی سو گئے تھے مگر اس کی آنکھوں سے تو نیند جیسے روٹھ ہی گئی تھی۔ وہ ایک شخص' جس نے اسے یہ باور کروایا تھا کہ دنیا میں تمام لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے' اب وہی اس کا یقین مسمار کرنے پر تلا ہوا تھا لیکن کیوں......؟ آخر ایسا کون سا قصور ہو گیا تھا اس سے کہ ارش کو اس کی صورت سے ہی نفرت ہو گئی۔

یہی خیال رہ رہ کر اسے پریشان کر رہا تھا اور وہ چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی' کیسی عجیب بے بسی تھی کہ وہ دل کا یہ دکھ کسی سے شیئر بھی نہ کر سکتی تھی۔ والدین تو پہلے ہی اکلوتے بیٹے کے ہاتھوں دکھی تھے' عزیز دوست اور بہن بھی سمندر پار جا بسی تھیں۔ پھر سوائے ارش کے اور کون تھا' جسے وہ اپنے آنسو دکھاتی دل کا دکھ شیئر کرتی۔

ارش جونہی ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا' نظر سیدھی اداس بیٹھی' قدرے بکھری بکھری سی زرنیلا پر پڑی' جو چپ چاپ آنسو بہانے میں مصروف تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو ان جھیل سی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب دیکھ کر اس کا دل جیسے ڈوب سا گیا مگر اگلے ہی پل اس نے خود کو سنبھال لیا اور نڈھال سے انداز میں چلتے ہوئے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا' پھر قدرے ترشی سے بولا۔

''یہ تمہیں ہر وقت آنسو بہانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے کیا......؟ محترمہ' ابھی میں زندہ ہوں' جس دن مر جاؤں گا اس دن جی بھر کر رو لینا۔'' اپنے لفظوں کی سفا کی کا اسے خود بھی شاید قطعی احساس نہ ہوا تھا مگر زرنیلا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''نہیں' پلیز ایسا مت کہو ارش' تم میں تو میری جان ہے۔ خدا تمہیں تو میری زندگی بھی لگا دے' تمہیں کبھی کچھ نہ ہو' گرم ہوا کا جھونکا بھی نہ گزرے تمہارے قریب سے۔''

حلق درد کی شدت سے زخمی ہو رہا تھا مگر وہ سسک رہی تھی۔ ارش کا دل خون کے آنسو رو کر رہ گیا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو کل محبت کے وجود سے ہی منکر تھی' جسے ہر وہ لڑکی پرلے درجے کی احمق لگتی تھی جسے کسی مرد سے محبت ہو جاتی اور اس محبت کے دکھ میں وہ روتی تڑپتی' آنسو بہاتی مگر آج تقدیر نے اسے اسی دکھ کی کشتی میں لا بٹھایا تھا' وہ خود اسی ناؤ میں آ بیٹھی تھی' جہاں درد ہی درد تھا اور اسے سوائے محبت کے کچھ اور یاد ہی نہ رہا تھا۔ آج محبت نچھاور کرنے

والے ارش کی آنکھوں میں سرخی کے ڈوروں کے ساتھ اس کے لیے بے زاری تھی' آج پیار کا درس دینے والے ارش کے چہرے پر شوخ مسکراہٹ کی جگہ ایک عجیب سی تھکن تھی' جس میں سرد مہری اور بیگانگی کا رنگ بہت واضح تھا' وہ تڑپتی نہ تو اور کیا کرتی؟

''بس...... بہت ہو گئی تمہاری بک بک' تنگ آ گیا ہوں میں یہ روتی بسورتی صورت دیکھ دیکھ کر۔'' قدرے جھلا کر وہ بے زاری سے بولا تھا اور زرنیلا رونا دھونا بھول کر پھٹی پھٹی حیران نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ت......تت......تم' یہ کہہ رہے ہو ارش......؟ تم......؟ جس نے مجھے محبت کے راستے پر انگلی تھام کر چلنا سکھایا' جس نے مجھے بتایا کہ میں کیا ہوں......؟ میرا کیا مقام ہے......؟ آج تمہیں یہ روتی بسورتی صورت بیزار کرتی ہے' مگر کل یہی صورت تم ایک دن نہیں دیکھتے تھے تو تمہاری جان پر بن جاتی تھی' یہ آنسو تڑپا دیتے تھے تمہیں اور آج تم کہہ رہے ہو کہ تم تنگ آ گئے ہو ان سے' کیوں......؟ ایسا کون سا گناہ ہو گیا ہے مجھ سے کہ جس کی معافی ہی نہیں مل رہی مجھے' فار گاڈ سیک ارش' پلیز مجھے بتاؤ کہ تم نے پہلے جو سلوک میرے ساتھ کیا' وہ ایک فریب تھا یا اب جو کر رہے ہو وہ فریب ہے۔'' اس کا گریبان تھام کر وہ خاصی ایموشنل سی ہو گئی تھی' ارش نے ایک جھٹکے سے اپنا گریبان اس کی گرفت سے آزاد کروایا پھر قدرے درشت لہجے میں بولا۔

''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں' زریں کہ مجھے فضول بکواس قطعی پسند نہیں ہے۔ میں آل ریڈی بہت تھکا ہوا ہوں مزید دماغ خراب مت کرو میرا اور یہ جو تم ہر وقت کے ٹسوے بہاتی رہتی ہو ناں' یہ بھی چھوڑ دو ورنہ ایسا نہ ہو کہ کہیں میں تم سے شدید تنگ آ کر تمہیں ہمیشہ کے لیے تمہارے باپ کے گھر بٹھا دوں......''

کتنی کرواہٹ تھی اس کے لہجے میں' زرنیلا کو لگا کہ بس اسی ایک پل میں اس کی پُراعتماد شخصیت کا غرور' اس کی منفرد ذات' سب کچھ ریت کی بھربھری سی دیوار کی مانند ڈھے گیا ہو' قیامت سے پہلے اگر کوئی قیامت تھی تو وہ یہی تھی' جہاں وہ ایک دم ہی ٹھنڈی چھاؤں سے کڑی دھوپ تلے آ کھڑی ہوئی تھی۔ آنسو قطار در قطار مزید شدت اختیار کر گئے اور وہ نڈھال سی زمین پر بیٹھ گئی کہ ٹانگوں نے مزید ساتھ دینے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔

''ہاں......تم ٹھیک کہتے ہو ارش' چیزیں جب پرانی ہو جاتی ہیں تو انہیں یونہی اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ عورت بھی تو ایک چیز ہی ہوتی ہے ناں' جسے کبھی تم لوگ قدموں کی دھول کہتے ہو تو کبھی پاؤں کی جوتی' جب تک اس میں تمہاری خدمت کرنے کی' تمہاری خواہشات پوری کرنے کی' تمہارا ہر جائز ناجائز حکم بجا لانے کی ہمت ہوتی ہے' تب تک تم لوگ اسے برداشت کرتے ہو مگر جب وہ بے کار ہو جاتی ہے' کسی قابل نہیں رہتی یا تمہارا دل اس سے بھر جاتا ہے تو

تم اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکتے ہو یا پھر اس پر ایک نئی عورت لا کر اسے پل پل جینے مرنے کی سزا دے دیتے ہو تاکہ کہ ایک دن وہ دکھوں کا بار سہہ کر خود ہی تمہارا پیچھا چھوڑ دے۔ مگر ارش' میں نے تو ابھی ٹھیک سے مسکرانا بھی نہیں سیکھا ہے۔ ابھی تو میرے اندر محرومیوں کا کوٹا مکمل ختم نہیں ہوا ہے' ابھی میرا یہ احساس دل تمہارے پیار کی شراب سے بھرا ہی نہیں ہے' ابھی تو میں تمہاری محبت کی انگلی تھام کر فخر سے جینا سیکھ رہی ہوں' پلیز' ابھی تو مجھے اپنی محبت کی نرم چھاؤں سے' نفرتوں اور تنہائیوں کی کڑی دھوپ میں لا کھڑا مت کرو' ابھی تو میں بہت تشنہ لب ہوں ارش' پلیز ابھی تو مجھے اکیلا مت کرو' مجھ بدنصیب کی جھولی میں تو سوائے تمہارے پیار کے اور کچھ بھی نہیں ہے' پلیز ابھی تو مجھ سے یہ مت چھینو......''

کس قدر عاجزانہ انداز تھا اس کا' ارش کے اندر جیسے درد کا طوفان ہلچل مچا گیا مگر اسے خود کو بکھرنے سے بچانا تھا' اپنے بے تاب' مچلتے آنسوؤں کو بغاوت سے باز رکھنا تھا' تب ہی وہ رخ پھیر کر درشتگی سے بولا۔

''یہ سب ڈائیلاگ صرف کہانیوں میں اچھے لگتے ہیں زرین' اور میری زندگی کوئی کہانی نہیں ہے۔ میں جیسے چاہوں زندگی بسر کر سکتا ہوں' تمہیں اگر کوئی اعتراض ہے تو تم مجھ سے الگ ہو سکتی ہو، میں تمہیں ڈائیورس دینے کو تیار ہوں۔''

کس کرب سے' کس درجہ تکلیف سے اس نے یہ لفظ لبوں سے نکالے' یہ صرف اس کا دل جانتا تھا مگر زرنیلا کی تو ستی ہی گم ہوگئی۔ ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر وہ ہونقوں کی طرح اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی' جسے اب اپنے بے تاب آنسوؤں کا سیلاب روکنا محال ہو رہا تھا' تب ہی وہ اس کی اُڑی اُڑی سی رنگت پر' ایک سرسری سی نظر بھی ڈالے بغیر اپنی بات کہہ کر فوراً وہاں سے چلا گیا اور زرنیلا کو لگا اس کے جسم سے جیسے جان ہی نکل گئی ہو' گو اس کا دل دھڑک رہا تھا' آنکھیں کھلی تھیں اور بے ترتیب سانسوں کا سلسلہ بھی جاری تھا مگر اسے لگا کہ وہ ایک دم سے جیسے مر گئی ہو۔ آنکھوں کے آگے ایک دم سے اندھیرا سا چھا گیا' کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ ارش کے نوکیلے جملوں کی بازگشت اسے پاگل کرنے لگی۔

تب ہی وہ ایک دم سے جنونی انداز میں اٹھی اور اپنے بیڈ روم میں چلی آئی' جہاں ننھی عکاشہ بیڈ سے گر پڑی تھی اور فرش پر گر کر شدت سے رو رہی تھی۔ ارش نجانے کہاں جا چھپا تھا۔ وہ ہذیانی سے انداز میں ایک نظر پیاری سی بچی پر ڈال کر اپنے بیڈ کے قریب گئی۔ اور سائیڈ ٹیبل سے پھل کاٹنے والی چھری اُٹھا کر اپنے بائیں ہاتھ کی وین کاٹ ڈالی لمحوں میں اُس کی کلائی' خون سے سُرخ ہوگئی تھی اور وہ پلکیں موند کر وہیں فرش پر ڈھیر ہوگئی۔

♥......♥......♥

اداس موسم کے رتجگوں میں
ہر ایک لمحہ بکھر گیا ہے
ہر ایک رستہ بدل گیا ہے
پھر ایسے موسم میں کون آئے
کوئی تو جائے
تیرے نگر کی مسافتوں کو سمیٹ لائے
تیری گلی میں ہماری سوچیں بکھیر آئے
تجھے بتائے کہ کون کیسے؟
اچھالتا ہے وفا کے موتی
تمہاری جانب کوئی تو جائے
میری زباں میں تجھے بتائے' تجھے منائے
ہماری حالت تجھے سنائے' تجھے رلائے
تو اپنے دل کو بھی چین آئے

قیامت سے پہلے اگر کوئی قیامت تھی تو زرنیلا ریاض کی زندگی میں وہ قیامت آ چکی تھی۔ زمین بکھر کر ریزہ ریزہ ہوئی اور آسمان ٹوٹ کر اس کے سر آن گرا۔ اسے لگا آج وہ حقیقت میں بے مایا ہوگئی ہو' بڑی بڑی کہانیاں لکھنے والی' عورت کے دکھوں کا بڑی خوب صورتی سے پرچار کرنے والی' آج خود کسی کانچ کے کھلونے کی مانند ٹوٹ کر بکھر گئی۔

محبت جسے وہ محض ایک بے وقوفی' ایک پاگل پن' ایک حماقت گردانتی تھی۔ آج اسی محبت نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ تو اسے لگا کہ وہ ایک دم سے بھری دنیا میں بالکل اکیلی ہوگئی ہو۔ تپتے سورج کے تلے' ننگے پاؤں آ کھڑی ہوئی ہو۔ وہ کبھی سمجھ ہی نہ سکی کہ محبت تو ایک آکسیجن ہے۔ جو اس خوب صورت کائنات کے ہر ذی روح کے لیے از حد ضروری ہے۔ ہر وہ انسان جس کے سینے میں ارمانوں بھرا جیتا جاگتا دل دھڑکتا ہے۔ وہ ہرگز محبت کے وجود اور اس کی اہمیت سے غافل ہو کر نہیں جی سکتا اور وہ لوگ جو اس کے وجود سے جان بوجھ کر آنکھیں چراتے ہیں' منکر ہوتے ہیں' وہ بھلا جیتے جاگتے انسان کہاں ہوتے ہیں؟ وہ تو پتھر سے بنے ایسے مجسمے ہوتے ہیں کہ جن کی

زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں ہوتا۔ جنہیں زندگی سے کوئی خوشی' کوئی رنگ' کوئی لطف چاہیے ہی نہیں ہوتا اور ایسی ہی تو تھی وہ۔ ہر عام لڑکی سے منفرد' مختلف اور آج منفرد رہنے کی یہی عادت اسے اتنے گہرے درد سے آشنا کرگئی تھی۔

کیا عجیب بے بسی تھی کہ ایک عرصے تلک مسلسل محبت کے وجود سے منکر ہونے کے باوجود جب اس نے کسی کی انگلی تھام کر محبت کی راہ گزر پر پاؤں پاؤں چلنا سیکھا' تو انگلی تھمانے والا' ہاتھ ہی چھڑا گیا۔ اسے درد کی دلدل میں تنہا اتار کر ایک دم سے اجنبی بن گیا۔ وہ تو ابھی اس کی پر فریب محبت کا رس گھونٹ گھونٹ پینا چاہتی تھی اور وہ بیچ دورا ہے پر اس سے ہر تعلق توڑنے پر تیار ہوگیا۔

کیوں؟

''میں نے تم پر اعتبار کیا تھا ارش؟ میرے اندر جمے محرومیوں اور نفرتوں کے گلیشیئر کو تمہارے اعتبار نے ہی تو پگھلایا تھا۔ تمہاری محبت بھری آنکھوں سے ہی تو میں نے دنیا کو دیکھنا شروع کیا تھا۔ تمہاری دیوانگی نے ہی تو مجھے یہ یقین دلایا تھا کہ مرد بھی محبت کرنا جانتا ہے اور تم نے ہی میرا اعتبار کرچی کرچی کر ڈالا ارش؟ کیوں؟ مجھ عام سی لڑکی کو شکست دے کر' کیا پالیا تم نے؟ کون سی خوشی مل گئی تمہیں؟ میری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب لا کر میرے دل کو درد سے ہم کنار کرکے' کون سا سکون مل گیا تمہیں؟ کیوں کیا تم نے ایسا ارش؟ کیوں کیا تم نے ایسا؟''

جھیل سی متورم آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری تھیں۔ رگ کٹ جانے کے باعث پوری کلائی خون میں سرخ ہورہی تھی اور وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنی اس ننھی منی بچی کو دیکھ رہی تھی۔ جو رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔ جو جانے انجانے میں اس جیسا نصیب ہی لکھوا کر لے آئی تھی۔ باپ کی محبت اور شفقت سے محروم نصیب۔

اگلے چند ہی لمحوں میں اس کی آنکھیں آپ ہی آپ بند ہونے لگیں تاہم بے ہوش ہونے سے قبل اس نے ارش کو واش روم سے باہر نکلتے اور پریشان ہو کر اپنی طرف لپکتے ضرور دیکھا تھا وہ اسے بازوؤں میں چھپائے کچھ کہہ رہا تھا۔ شاید رو بھی رہا تھا مگر وہ اس وقت کچھ بھی سننے اور سمجھنے کی پوزیشن سے باہر مکمل طور پر بے ہوش ہو چکی تھی۔ اسے دوبارہ ہوش آیا' تو کمرے میں سوائے ایک نرس کے اور کوئی بھی نہ تھا۔ یہ یقیناً کسی اسپتال کا کمرہ تھا۔ بازو پر بندھی پٹی اس طرف اشارہ کر رہی تھی کہ اسے موت کی طرف جانے سے بچا لیا گیا ہے اور اسے موت کی بانہوں میں جھولنے سے بچانے والا یقیناً ارش احمر ہی تھا۔ کیسی عجیب صورت حال تھی کہ وہ ایک شخص جو اسے موت سے بچا کر زندگی دان کر رہا تھا۔ وہی پل پل اسے مرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ پہلے بے پناہ محبت نچھاور کرکے اب نفرتوں کی دھوپ میں جلا جا رہا تھا۔ کتنا عجیب تھا یہ شخص، جس کے لب محبت کے

مل جانے پر شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے۔ اب وہی محبت کے وجود سے ایک دم منکر ہوگیا تھا اور اسے اپنی اس سنگ دلی کا احساس تک نہ تھا۔ وہ جو بیٹی کے لیے خدا سے دعائیں مانگتے نہ تھکتا تھا۔ جو اس کی پیدائش پر خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ اب کیسے ایکدم سے یکسر اجنبی بن گیا۔ وہ معصوم سا وجود جسے دنیا میں آئے بہ مشکل ایک سال سے زیادہ نہیں ہوا تھا کتنی جلدی باپ کی محبت اور توجہ سے محروم ہوگیا۔

اسے لگا ارش کی وہ بے پناہ محبت وہ انفرادیت سب دھوکہ ہو کھیل کھیلا ہو اس نے' محبت کے ساتھ' اس کے معصوم جذبات کے ساتھ اندر سے وہ بھی دنیا کے تمام مردوں کی طرح محبت کے خوب صورت جذبے سے یکسر لاعلم ہو۔ نرس نے اسے ہوش میں واپس آتے دیکھا تو لبوں پر نرم سی مسکراہٹ پھیلاتے ہوئے پہلے اس کا حال پوچھا پھر باہر ڈاکٹر کو انفارم کرنے چل دی۔ چند منٹ بعد ہی اس کے والد ریاض احمد اور والدہ فاطمہ بیگم کمرے میں داخل ہوئے تو اس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ انہیں اپنی اس خودکشی کی کوشش کی کیا وجہ بتائیے؟ تب ہی قدرے ندامت سے پلکیں موند کر رخ پھیر گئی۔

فاطمہ بیگم بے تابی سے اس کی طرف بڑھیں اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر رو پڑیں۔ رو تو وہ نہ جانے کب سے رہی تھیں مگر اس وقت بھی انہیں اپنے آنسوؤں پر بند باندھنا دشوار ہوگیا تھا۔

''زریں! کیسی ہو میری جان ٹھیک تو ہوناں تم؟'' کیسی بے قراری اور تڑپ تھی ان کے لہجے میں' زرنیلا نے محبت سے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کتنی مرتبہ تم سے کہا ہے کہ احتیاط سے کام کیا کرو' مگر تم ہو کہ کسی نصیحت کو مانتی ہی نہیں اب بھی اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا تو سوچو ہمارا کیا بنتا؟ تمہاری معصوم سی بچی اور ارش کا کیا ہوتا؟ وہ تو جان دیتا ہے تم پر' کل رات سے پاگلوں کی طرح جاگ رہا ہے تمہارے لیے مگر تمہیں اس کی ذرا پروا نہیں ہے۔''

ریاض صاحب بیڈ کے پاس ہی دھری کرسی پر بیٹھے فکر مندی سے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ سر جھکائے دل ہی دل میں فاطمہ بیگم کے بھولپن پر ہنس رہی تھی۔

''ہاں بیٹے جب اس نے فون پر بتایا کہ تم ٹوٹی ہوئی تصویر کی کرچیاں سمیٹتے ہوئے کلائی زخمی کر بیٹھی ہو اور اسپتال میں ایڈمٹ ہو تو یقین مانو میرے تو پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی گھر سے یہاں تک کا راستہ کس مشکل میں طے کیا یہ صرف میرا دل ہی جانتا ہے۔ پھر ارش تو رات بھر سے یہاں ہے۔ اکیلا تمہیں بھی سنبھال رہا ہے اور تمہاری معصوم سی بچی کو بھی جب کہ اس پر تو احسن صاحب کے اچانک ہارٹ اٹیک کی بھی بہت بڑی قیامت ٹوٹی ہے۔ وہ تو صد شکر کہ احسن صاحب زندہ بچ گئے ورنہ سوچو ارش کا کیا حال ہوتا؟'' ریاض صاحب کی کتھا پر اس نے چونک کر سر اٹھایا

اور قدرے بے یقینی سے اسے دیکھا تو واقعی اس وقت بہت پریشان لگ رہے تھے۔

"تم ٹینشن مت لو زرین' خدا کے کرم سے وہ اب بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔" فاطمہ بیگم نے اس کے بکھرے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تو اس نے قدر پرسکون ہو کر پھر سے پلکیں موندھ لیں کہ ارش نے اس کی خودکشی کی کوشش کا بڑی خوب صورتی سے بھرم رکھ لیا تھا۔ اسے ہوش میں آئے کتنے ہی گھنٹے ہو چکے تھے مگر ارش ایک مرتبہ بھی اسے دیکھنے کے لیے کمرے میں نہیں آیا۔ ریاض احمد اور فاطمہ بیگم کافی دیر اس کے پاس رکے' باتیں کرتے رہے' پھر اسے اپنا خیال رکھنے کی نصیحت کرتے گھر واپس چلے گئے کیونکہ زرنیلا کی بیٹی بھوکی پیاسی تھی اور ارش احسن صاحب کے پاس تھا۔

انہیں جیسے ہی ہوش آیا اور ڈاکٹرز نے ان کی زندگی کے خطرے سے باہر ہونے کی نوید سنائی خوشی کے وہ رو پڑا۔ کتنی بھیانک رات گزری تھی کل اس پر' ایک ایک لمحہ' ایک ایک پل گویا کانٹوں پر بسر ہوا تھا۔ زرنیلا اس کی باتوں سے ہرٹ ہو کر اتنا انتہائی قدم اٹھا لے گی یہ قطعی اس کے گمان میں نہ تھا۔ تب ہی وہ واش روم میں گھس کر اچھی طرح اپنا آپ سنبھال کر' ڈھیر سارے آنسو بہانے کے بعد جب اپنے بیڈ روم میں واپس آیا تو گویا ایک قیامت اس کی منتظر تھی۔ خون میں تربتر زرنیلا کا زخمی وجود اور شدت سے بلکتی اس کی معصوم بچی کا رونا اس کی جان پر بنا گئے۔

جب ہی وہ بدحواس ہو کر اس کی طرف بڑھا تھا مگر تب تک زرنیلا اپنا ہوش کھو چکی تھی۔ نڈھال وجود اور بکھرے اعصاب کے ساتھ وہ کیسے اسے اسپتال تک لایا کیسے بیس منٹ کا راستہ فقط پانچ منٹ میں طے کیا' اسے کچھ خبر نہ ہوسکی۔ زرنیلا کا کیس ڈاکٹر سنوان آفندی نے ہینڈل کیا اور جب تک اسے زرنیلا کی زندگی کے بارے میں اطمینان کی خبر نہ ملی وہ وہیں اسپتال کی راہداری میں اکیلا کھڑا بن پانی کی مچھلی کی مانند تڑپتا رہا اس وقت نہ تو اسے اپنی اس چھوٹی سی بچی کا ہوش رہا تھا جو شدت سے رو رہی تھی اور نہ ہی اپنے اس محبوب باپ کا جو اس کے آوازیں دینے پر بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے تھے حالانکہ اس سے پہلے آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

زرنیلا کی زندگی بچ جانے کی نوید ملی تو اس نے سکون کی سانس لیتے ہوئے ریاض صاحب کے گھر فون کیا اور انہیں زرنیلا کے بارے میں اطلاع دی۔ وہ انہیں شاید اب بھی پریشان نہ کرتا جو گھر میں اس کی بیٹی اور باپ کی فکر اسے لاحق نہ ہوتی۔ ریاض صاحب اسپتال پہنچے تو وہ انہیں زرنیلا کا خیال رکھنے کی تاکید کرتا گھر چلا آیا' تھکے تھکے سے اعصاب شدید تکلیف کا احساس دلا رہے تھے۔ جس وقت وہ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا اس کی بیٹی رو رو کر نڈھال ہو رہی تھی۔ کتنا کرب انگیز تھا یہ منظر؟ وہ معصوم سی گڑیا' جس میں اس کی جان تھی جسے اس نے خدا سے گڑگڑا کر شب و روز دعاؤں میں مانگا جس کے حوالے سے مستقبل کے ڈھیروں حسین خواب بن لیے تھے

اس نے' جس کے جنم نے اسے لاتعداد خوشیوں سے مالا مال کر دیا تھا۔ آج وہ اسی معصوم سی جان کو وہ محبت وہ سچی خوشیاں وہ اعتماد بھری زندگی دینے سے قاصر ہو گیا تھا۔ جس کے اس نے کبھی بڑی چاہ سے خواب دیکھے تھے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی پچھلے کئی دنوں سے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا نہیں پایا تھا۔ زرنیلا کے سامنے اسے سینے سے لگا کر پیار نہیں کر پایا تھا اور یہ سب کرتے ہوئے وہ پل پل کیسے جیا' مرا تھا یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ زرنیلا کے دل میں اپنے لیے زیادہ سے زیادہ نفرت پیدا کرنے کے چکر میں وہ خود کتنی مرتبہ رویا تھا۔ کتنی بہت ساری خوشیوں کو ترس گیا تھا۔ اس کا احساس شاید اسے خود بھی نہیں ہو پایا تھا۔ تب ہی تو اس وقت ننھی کو بازوؤں میں اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے وہ پھر سے سسک پڑا۔ جلتے لب بے تابی سے جونہی اس کی ننھی منی سی روشن پیشانی پر رکھے بھوک کی تکلیف سے بے حال چلاتی ہوئی بچی ایکدم سے چپ ہو گئی۔ بہت دنوں کے بعد باپ کی شفقت پا کر گویا وہ بھوک کی تکلیف کو بھول ہی گئی۔ ارش اسے بازوؤں میں اٹھائے کچن میں چلا آیا اور اپنے ہاتھوں سے اس کا فیڈر بنا کر واپس کمرے میں آ گیا۔ پھر اسے اپنی گود میں لٹاتے ہوئے فیڈر اس کے منہ سے لگایا تو سسکیاں بھرتی معصوم سی بچی ٹکرٹکر باپ کے شفقت بھرے چہرے کو دیکھنے لگی اور اس کی اس معصومانہ ادا پر اسے ٹوٹ کر پیار آیا۔ تب ہی اسے بیڈ پر لٹا کر وہ خود بھی اس کے پہلو میں لیٹ گیا جو اپنے ننھے منے ہاتھ پاؤں ادھر سے ادھر مارتے ہوئے گویا اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر اسی طرح ارش کے ساتھ کھیلنے کے بعد وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی تو اس کی طرف سے مکمل طور پر بے فکر ہو کر وہ اپنے ڈیڈ کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ جو معصوم بچی کے بلک بلک کر رونے پر بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے تھے۔ دروازہ ہلکے سے دھکیل کر وہ جونہی ان کے کمرے میں داخل ہوا قدم ایک مرتبہ پھر لڑکھڑا سے گئے۔ اپنے کمرے میں فرش پر ہی بے سدھ پڑے' وہ اس کی نگاہوں کے عین سامنے تھے اور یہ منظر ارش کے دل کی دنیا تہہ و بالا کر دینے کو کافی تھا۔ مصیبتیں اور دکھ جب کسی انسان کی زندگی میں آتے ہیں تو یونہی بنا پوچھے پے در پے چلے آتے ہیں اور انسان بوکھلا کر رہ جاتا ہے۔ اس وقت اس کی بھی لگ بھگ ایسی ہی حالت تھی۔ بے جان قدموں سے لپک کر وہ ان کی طرف بڑھا اور ان کے نڈھال وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹ کر جھنجوڑ ڈالا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ تب بدحواس ہو کر اس نے ان کی نبض ٹٹولی اور اسے چلتا پا کر سجدہ شکر ادا کیا گھر سے اسپتال تک کا راستہ ایک مرتبہ پھر اس کے لیے پل صراط بن گیا۔

ڈاکٹرز کے مطابق مسٹر احمر احسن صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا مگر صد شکر کہ وہ جان لیوا نہ تھا۔ ان کی زندگی خطرے سے باہر تھی۔ ڈاکٹر موسیٰ نے اسے نصیحت کی تھی کہ وہ مسٹر احسن کو کسی پرفضا تفریحی مقام پر لے جائیں اور انہیں ہر قسم کی ٹینشن سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔

ڈاکٹر موسیٰ کی نصیحت خوب توجہ سے سن کر وہ جس وقت مسٹر احسن کے کمرے میں داخل ہوا انہیں ہوش آ چکا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں پاپا؟'' نہایت محبت سے ان کا ہاتھ اٹھا کر چومتے ہوئے وہ بھیگے لہجے میں بولا تو انہوں نے آہستگی سے پلکیں جھپکا کر اسے تسلی دی۔

''میں اپنے پروردگار کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے پاپا' پلیز جلدی سے اچھے ہو جائیں۔ مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔''

تھکے تھکے سے خشک لبوں پر بڑی بے جان سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ تب وہ انہیں آرام کی تلقین کرتا' کمرے سے باہر نکل آیا۔ دوسرے ہی وارڈ میں زرنیلا ہوش سنبھال چکی تھی اور اس وقت اس کے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ ریاض صاحب اور فاطمہ بیگم تھوڑی ہی دیر پہلے ارش کے گھر ننھی رمشا کو سنبھالنے گئے تھے۔ وہ جس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوا زرنیلا پاس کھڑی نرس سے نہ جانے کیا گفت و شنید کر رہی تھی اسے کمرے میں آتے دیکھا تو فوراً خاموش ہو کر پلکیں موند لیں اور اس کی اس حرکت نے ارش کو کتنا دکھ پہنچایا۔ یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ زندگی بھر وہ سچی خوشیوں کو ترسا تھا اور جب اسے کوئی خوشی حقیقی معنوں میں ملی تو زندگی نے مزید اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا کیسی عجیب بے بسی تھی کہ آج وہ جان بوجھ کر ان راستوں پر چلنے کے لیے مجبور ہو گیا تھا۔ جن کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ یہ راستے اسے اس کی منزل تک نہیں لیجاتے مگر پھر بھی اسے انہی راستوں پر چلنا تھا۔ اس وقت تک جب تک زرنیلا کا دل اس کے لیے شدید نفرت سے نہ بھر جاتا۔ اس وقت اسے اپنا آپ اس معصوم سے غریب بچے کی مانند لگا۔ جو برسوں غربت کے باعث اپنا من پسند کھلونا پانے کے لیے ترسا ہو۔ تڑپتا رہا ہو اور جب وہ پیسہ پیسہ جوڑ کر کھلونا خریدنے کے قابل ہوا ہو تو اس کا من پسند کھلونا کسی اور نے خرید لیا ہو اور وہ آنکھوں میں ناتمام ارمانوں کی شمعیں جلائے بے بسی کے کرب انگیز احساس میں گھرا فقط دیکھتا ہی رہ گیا ہو۔

مسلسل کتنی ہی راتوں سے وہ جاگ رہا تھا۔ طویل راتوں کا ہر ہر پل اس کی آنکھوں میں کٹ رہا تھا اور یہ اس کے لیے ایک ایسی سزا تھی کہ جس کے لیے اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔

نرس کے کمرے سے جانے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا زرنیلا کے پاس آیا پھر اس کی پیشانی پر دھیرے سے ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' اس کے اپنائیت بھرے دھیمے لہجے پر زرنیلا نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ بے حد رف حلیے کے ساتھ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہوں مگر مر جاتی تو اچھا ہوتا تمہیں آزادی تو مل جاتی۔'' وہ شکوہ کرنا نہیں چاہتی تھی مگر کر گئی تھی ارش نے ضبط کی شدت سے ہونٹ بھینچ لیے۔

''فضول باتیں مت کرو اور کان کھول کر سن لو آئندہ تم ایسا کچھ بھی نہیں کرو گی او کے؟''

اس نے حد درجہ اپنے لہجے کو دھیما اور نرم رکھنے کی کوشش کی تھی مگر زرنیلا کا اپنے آنسوؤں پر سے اختیار کب کا اٹھ چکا تھا۔ تب ہی وہ چلا کر بولی۔

''تمہاری کوئی نصیحت نہیں سننی ہے مجھے اپنا پیار تو مجھ سے چھین ہی چکے ہو۔ اب کیا میرا اختیار بھی مجھ سے چھینو گے؟''

''شٹ اپ میں فضول بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں یاد رکھو اگر آئندہ تم نے ایسی کوئی بھی بچکانہ حرکت کر کے مجھے پریشان کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں اپنی زندگی سے نکالنے میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا سمجھیں تم۔'' شہادت کی انگلی اٹھا کر نہایت درشتگی سے کہتا۔ وہ اسے کوئی اور ہی مرد لگا۔ دل میں پھر سے کوئی خنجر سا لگا اور وہ بے آواز رو پڑی۔

''ہاں کر دو مجھے خود سے الگ۔ مار ڈالو اپنے ہاتھوں سے میں تم سے الگ رہ کر جینا بھی کب چاہتی ہوں۔'' بری طرح ٹوٹ گئی تھی وہ ارش سے اپنا آپ سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ تب ہی اس نے جلدی سے رخ پھیر لیا اور خشک ہونٹوں پر سوکھی زبان پھیر کر بمشکل اپنے آنسو روکے۔

''مرنے کا اتنا ہی جنون سوار ہوا ہے تو اپنی ذمے داری پر مرو میرے سر لگ کر نہیں۔'' جتنا تلخ وہ اپنے لہجے کو کر سکا اس نے کیا۔ زرنیلا پھٹی پھٹی سی حیران نگاہوں سے ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہ گئی اور وہ اگلے ہی پل بناء اس پر ایک بھی نظر ڈالے تیزی سے باہر نکل گیا۔

کتنی بے درد ہو گئی تھی زندگی؟ کس قدر مشکل وہ بلک بلک کر رونا چاہتی تھی اپنا مان اپنا یقین ٹوٹ جانے پر بین کرنا چاہتی تھی مگر آنسو گویا پتھرا ہی ہو گئے۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ فقط ایک انسان کے آنکھیں بدل لینے سے زندہ رہنا اتنا دشوار بھی ہو جاتا ہے۔ نہ جانے کتنی ہی دیر وہ یونہی پتھر بنی بیٹھی رہی جب ڈاکٹر سنوان آفندی کمرے میں داخل ہوا۔

''کیسی ہو زرین' طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟'' خالص پیشہ وارانہ انداز میں اس کا بازو چیک کرتے ہوئے وہ نرمی سے بولا مگر زرنیلا نے تنفر بھری ایک نظر اس پر ڈالتے ہوئے بے دردی سے اس کا ہاتھ پرے جھٹک دیا۔

''میں روؤں یا ہنسوں جیوں یا مروں تم پوچھنے والے کون ہو؟ نہیں چاہیے مجھے کسی کی ہمدردی سب ایک جیسے ہو تم بالکل ایک جیسے۔'' جذباتی تو وہ سدا کی تھی۔ اس وقت بھی سنوان کے سامنے اپنے جذبات پر قابو پانا اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ تب ہی اس پر دل کا دکھ ظاہر کر گئی اور وہ عجیب سی بے بسی سے اس کا یہ بیگانہ انداز دیکھتے ہوئے پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

''او کے مجھے کوئی اختیار نہیں ہے کہ میں تم سے بات بھی کروں۔ مگر پلیز تم اپنے گھر والوں کا تو سوچو بے ہوشی کے دوران تم بار بار اپنی بیٹی کو یاد کرتی رہی ہو اس کا خیال کر لو۔'' وہ بیڈ

کے قریب ہی دھری کرسی پر جمتے ہوئے متانت سے بولا۔ تو زرنیلا ہر خیال ذہن سے جھٹک کر فکر میں ڈوب گئی۔ ارش نے تو اس سے اور اس کی معصوم بیٹی سے آنکھیں ہی پھیر لی تھیں پھر نہ جانے وہ معصوم سی جان پچھلے کئی گھنٹوں سے کس کے آسرے پر تھی؟

''ریلیکس زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے انکل اور آنٹی رمشا کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں اور تمہارے شوہر صاحب بھی ابھی ابھی غالباً ادھر ہی گئے ہیں۔'' وہ اس کی پریشان نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ تب ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں سنجیدگی سے بولا تو زرنیلا نے قدرے ریلیکس ہوتے ہوئے پھر سے پلکیں موندھ لیں۔

''میں تو تمہیں بہت بہادر لڑکی سمجھا تھا۔ بے حد پر اعتماد کم از کم تمہاری تحریریں تو تمہاری شخصیت کے بارے میں کچھ ایسا ہی شو کرتی ہیں مگر آئی ایم سوری تم تو بہت عام سی لڑکی نکلیں۔'' کمرے کے خاموش ماحول میں اس کی مانوس دھیمی آواز گونجی اور زرنیلا نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھا جس کے لبوں پر اس وقت بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

''تم تو بہت پیار کرتی ہو ناں مسٹر ارش احمد سے' آئی مین اپنے ہسبینڈ سے' پھر خود ہی اپنی زندگی کی دشمن کیوں ہو گئی ہو تم؟'' ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے وہ زخم کی نوعیت فوراً جان گیا تھا۔ تب ہی آنکھیں سکیڑ کر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں الجھاتے ہوئے وہ بھرپور طنز سے بولا تو زرنیلا کا سپاٹ چہرہ یکلخت سرخ ہو گیا۔ کس قدر گھور کر اس نے سنوان کا چہرہ دیکھا۔ جہاں بادامی آنکھوں میں طنز کے ساتھ ساتھ اس کے لیے کسی قدر دکھ بھی تھا۔

''مسٹر سنوان آفندی! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔'' بے حد روڈ انداز میں چبا چبا کر وہ بولی تھی۔ سنوان کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ جس میں کسی تھرڈ پرسن کی مداخلت میں برداشت نہیں کر سکتی، سمجھے تم۔''

''اور تم کسی بھی وجہ سے اپنی ذات کو نقصان پہنچاؤ یہ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا' سمجھیں تم۔'' جتنی تلخی سے وہ چلائی تھی سنوان نے بھی اسی انداز میں جواب لوٹایا تو زرنیلا بے بسی سے سر جھٹک کر رہ گئی۔ سنوان نے کچھ دیر بجھی بجھی سی نگاہوں سے اس کی جھنجلاہٹ کو دیکھا پھر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی مجھے تمہاری شادی شدہ زندگی سے کسی قسم کا کوئی حسد ہے مگر میں ہر حال میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں زرین اور جب کبھی کسی نے تمہیں رلانے کا سبب پیدا کیا میں یہ پوری دنیا ہلا کر رکھ دوں گا؟ ''سن لو تم؟'' ضدی سی تھکی ہوئی آنکھوں میں عجیب سی وحشت ناچ رہی تھی۔ زرنیلا نے اپنا گھومتا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ تب سنوان

نے پل کے پل نظر اٹھا کر دکھ سے اسے دیکھا پھر سست قدموں سے چلتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

پاکستان اور پاکستان کے ماحول سے یکدم ہی اس کا دل جیسے اوب سا گیا تھا۔ تب ہی اس نے بناء ارسلان سے مشورہ کیے اپنا لندن کا ٹکٹ بک کروا لیا اور اب جانے کی بھرپور تیاریوں میں تھا کہ زرنیلا ایک مرتبہ پھر شدید زخمی ہو کر اس کے سامنے آ گئی مگر اس بار اس کی محبت بھی سنوان کے پیروں میں بیڑیاں نہ ڈال سکی۔

♥......♥......♥

شام کے سائے تیزی سے گہرے ہو رہے تھے۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں' موسم میں خنکی پھیلا رہی تھیں۔ جب ڈاکٹر ارسلان احمد نے سنوان کے بیڈروم میں قدم رکھا اور اسے کہیں جانے کی بھرپور تیاری میں مصروف دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ تب ہی قدرے حیران سا وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''سنی کہیں جا رہے ہو کیا؟''

سنوان نے سوٹ کیس بند کرتے ہوئے سرسری سی ایک نگاہ اس پر ڈالی۔

''ہاں کچھ دنوں کے لیے لندن جا رہا ہوں۔ ضروری میٹنگ ہے وہاں کچھ ڈاکٹرز کے ساتھ۔'' جواب خاصا خشک اور مختصر تھا۔ ارسلان احمد کی حیرانگی بدستور قائم رہی۔

''مگر تم نے پہلے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔ پھر اب یہ اچانک میٹنگ کیسے طے ہو گئی تمہاری؟'' نظریں بدستور اس کے سپاٹ چہرے پر جمی تھیں۔ جو باہر سے جتنا مضبوط اور بے پروا نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا اندر سے اتنا ہی گھائل تھا۔

''پلیز ارسلان' ہر وقت یوں ماؤں کی طرح پوچھ گچھ مت کیا کرو مجھ سے' کہہ رہا ہوں ناں تم سے کہ چند دن کے بعد لوٹ آؤں گا اور اگر نہ بھی آؤں تو کیا فرق پڑتا ہے لوگوں کی زندگیاں میرے ہاتھ پر تو نہیں دھری ہوئیں۔'' جتنے اس کے الفاظ روڈ تھے اتنا ہی اس کا لہجہ' ارسلان بے حد حیرانگی سے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے محض ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔ جو اس وقت خود کو بے حد مصروف ظاہر کرتے ہوئے اس سے پہلو تہی برت رہا تھا۔

''او کے تمہارا جہاں جی چاہتا ہے تم جاؤ میں تمہیں نہیں روکوں گا مگر ایک بات میری کان کھول کر سن لو' میں نے تمہیں سپورٹ کیا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے تمہارے آنسو پونچھ کر تمہیں اس منزل تک پہنچنے میں مدد دی ہے جہاں اب تم خود دوسروں کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھ سکتے ہو اور میں اپنی یہ اتنے سالوں کی محنت ہرگز ضائع نہیں ہونے دوں گا۔ تمہارا جہاں جی چاہے تم شوق سے جاؤ مگر اس شرط کے ساتھ کہ جلد ہی لوٹ کر تم یہیں آ ؤ گے۔ میرے پاس اور اگر یہ سب تمہارے لیے اب ممکن نہیں ہے تو ٹھیک ہے لوٹا دو مجھے میری وہ ساری محبت جو میں نے تم پر نچھاور

کی ہے واپس کر دو مجھے وہ میرا ہر آنسو جو میں نے تمہارے لیے بہایا ہے۔ بولو کیا ایسا کر سکتے ہو تم؟'' اس کا گلا رندھ گیا تھا۔ تب ہی وہ واپس پلٹ گیا۔ سنوان نے کچھ سوچتی ہوئی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا پھر آواز دے ڈالی۔ مگر اس نے پلٹ کر سنوان کو نہیں دیکھا تب وہ خود ہی اس کے پاس آتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

''اگر تم سمجھتے ہو کہ میں زرنیلا کی محبت سے ہار مان کر کہیں بھاگ رہا ہوں تو یقین کرو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں میں دنیا کے کسی بھی گوشے میں چلا جاؤں اس کی محبت میرا پیچھا چھوڑنے والی نہیں اور جہاں تک تمہاری بات ہے تو میں چاہوں بھی تو تم سے کہیں بھاگ نہیں سکتا مگر اس وقت میرا لندن جانا بہت ضروری ہے ارسلان۔ ارجنٹ میٹنگ کے ساتھ ساتھ میں وہاں ممی پاپا سے بھی ملنا چاہتا ہوں۔ ان سے اپنے کیے کی معافی مانگ کر پرسکون ہونا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے امید ہے وہ ضرور مجھے معاف کر دیں گے۔ اب تم یہ بتاؤ کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے؟'' دونوں ہاتھ ارسلان کے کندھوں پر جماتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنجیدگی سے بولا۔ ''تو ارسلان کے لبوں پر آپ ہی آپ بڑی مسحور کن سی مسکراہٹ پھیل گئی کسی قدر بے یقینی سے اس نے سنوان کو دیکھا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو سنی تم وہاں انکل آنٹی سے ملو گے؟'' اسے تو جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آیا تھا۔ سنوان نے اس کی مسکراتی نگاہوں میں محبت سے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تو ارسلان نے فرط جذبات سے اسے کھینچ کر اپنے گلے لگا لیا۔ ''تھینک یو۔۔۔ تھینک یو ویری مچ میرے یار' جگ جگ جیو' خوشی اس کے انگ انگ سے ظاہر تھی۔ سنوان نے پرسکون ہو کر اپنا سر اس کے مضبوط کندھے پر ٹکا دیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

زرنیلا اور احسن صاحب ڈسچارج ہو کر گھر واپس آ چکے تھے۔ ارش زرنیلا کو ریاض ہاؤس بھیجنا چاہتا تھا مگر وہ جانے پر آمادہ نہیں تھی۔ تاہم اس روز وہ زبردستی اسے گاڑی میں بٹھا کر ریاض ہاؤس اتار آیا کہ اب اسے سامنے پا کر اس سے نفرت کا اظہار کرنا آسان نہیں رہا تھا پورا جگر چھلنی چھلنی ہو چکا تھا اور اس کی روح سسک رہی تھی۔ دن بھر سڑکیں ناپتے رہنے کے بعد رات کے گیارہ بجے اس نے جونہی قدم دہلیز پر رکھا احسن احمر صاحب کو لاؤنج میں ہی شدت سے اپنا منتظر پایا ان کے ہونٹوں پر جمی اداسی اور دکھ اور آنکھوں سے چھلکتی ویرانی اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ وہ اندر سے بے حد ڈسٹرب ہیں۔

''پاپا آپ جاگ رہے ہیں ابھی تک؟'' وہ سیدھا کمرے میں جا کر دل بھر کر رونا چاہتا تھا مگر احسن صاحب کو بے قراری سے ٹہلتے پا کر اسے ان کے قریب آنا پڑا جن کے لبوں پر ہارٹ

اٹیک کے بعد جانے کیوں چپ کی ایک مہر سی لگ گئی تھی۔ ارش کے سوال پر انہوں نے خالی خالی سی ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر بنا کوئی تمہید باندھے دھیمے لہجے میں بولے۔

''میں واپس دوبئی جانا چاہتا ہوں ارش جتنی جلدی ہو سکے تم میری سیٹ کنفرم کرا دو۔''

ان کے دوٹوک الفاظ پر ارش چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ تب ہی قدرے الجھ کر بولا۔

''کیوں پاپا؟'' کس قدر حیرانگی اور دکھ تھا اس کی نگاہوں میں' احسن صاحب سے اپنا آپ سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ لہٰذا وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔

''کیونکہ میں اپنے جوان بیٹے کو اپنی نگاہوں کے سامنے مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ نہیں ہے مجھ میں اتنا حوصلہ کہ میں اپنا زندگی بھر کا اثاثہ خود اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفنا دوں یہ فضائیں تو پہلے ہی میرے سانسوں کا بار نہیں سہتیں۔ تمہیں پل پل کیسے مرتا ہوا دیکھوں میں؟'' بہت ضبط کے باوجود بھی وہ رو پڑے تھے۔ ارش احمر کی غلافی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ راز تو اس نے خود اپنے آپ سے بھی شیئر نہیں کیا تھا۔ پھر احسن صاحب کیسے اس درد کے پاتال میں اتر گئے؟

''پ۔۔۔۔۔ پاپا۔۔۔۔۔ آ۔۔۔۔۔ آپ؟'' حیرت کے سمندر میں غوطہ زن وہ درست لفظ بھی ادا نہ کر سکا جب کہ احسن صاحب کسی ٹوٹے ہوئے درخت کی مانند اپنے بیڈ پر گر گئے۔

''تم نے کیا سمجھا تھا ارش تم یہ اتنا بڑا درد مجھ سے چھپا لو گے؟ اپنے ڈیڈ سے؟ جن کی جان ہو تم جو اپنا ایک ایک پل تمہیں دیکھ دیکھ کے بسر کر رہا ہے۔ نہیں بیٹے ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے ہو تم اور نہ ہی میں اتنا بے بس ہوا ہوں کہ تمہیں چپ چاپ زندگی سے دور جاتا دیکھتا رہوں تمہاری ساری رپورٹس میں نے پڑھ لی ہیں اور میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ تمہارا برین ٹیومر کس اسٹیج پر ہے۔ مگر پھر بھی میں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں بیٹے وہ پروردگار اتنی سی عمر میں تمہیں موت کا زہر نہیں دے سکتا۔ میں نے اپنے ایک برٹش دوست سے بات کر لی ہے وہ لندن کے بہت ہائی اور ٹیلنٹڈ ڈاکٹر ہیں۔ تمہارے کیس کی تمام رپورٹس میں انہیں بھجوا چکا ہوں اب تم میرے ساتھ دوبئی چلو گے اور وہاں چند ضروری کام نمٹا کر میں تمہیں لندن لے جاؤں گا جہاں لندن کے ماہر ڈاکٹرز تمہارا علاج کریں گے اور تم دیکھنا اگر اس پروردگار نے چاہا تو میرا بیٹا پھر سے زندگی کی جانب لوٹ آئے گا۔'' وہ آنکھوں میں خوش کن امیدوں کے دیپ جلائے بولتے رہے اور ارش ٹکر ٹکر کسی بت کی مانند مبہوت بنا انہیں دیکھتا رہا۔

''ڈیڈ! میں نہیں جانتا کہ میرے کیس کی رپورٹس آپ کے ہاتھ کیسے لگیں مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ مجھے اپنے علاج کی غرض سے اب کہیں نہیں جانا جب میں جانتا ہوں کہ موت باہیں پھیلائے تیزی سے میری جانب بڑھ رہی ہے۔ تو میں زندگی کا پرفریب خواب دیکھنے کی

حماقت، کیوں کروں پاپا؟ اگر مرنا ہی میرے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے تو میں کہیں بھی جا کر موت سے بھاگ نہیں سکتا۔لندن میں بھی وہی خدا ہے جو یہاں ہے تو میں پھر وہاں کیوں جاؤں پاپا؟ کیا وہاں لوگ نہیں مرتے؟ کیا وہاں کے ڈاکٹرز موت کو ٹال سکتے ہیں؟ نہیں ناں پاپا تو پھر میں یہاں اپنے وطن میں رہ کر موت کا انتظار کیوں نہ کروں؟'' اس کی منطق عجیب سی سوچ احسن صاحب کے سر پر گزر گئی۔تب ہی وہ حتمی لہجے میں بولے۔

''میں کچھ نہیں جانتا ارش اگر تم چاہتے ہو کہ میں دکھ سے دور ہوں۔تو بس تمہیں ہر قیمت پر وہ کرنا ہوگا جو میرا حکم ہے بصورت دیگر تم میری موت کا انتظار کر سکتے ہو۔'' ایکدم ہی وہ سنگدلی سے بولے تو ارش تڑپ کر ان سے لپٹ گیا اور پھر جو آنسو بہے تو رکنا محال ہو گئے کتنی بھاری تھی وہ رات ان دونوں باپ بیٹوں پر جو ایک دوسرے کے بچھڑنے کے خوف سے ہراساں تھے۔

احسن صاحب کو دوا وغیرہ کھلا کر اپنے کمرے میں آیا۔تو جسم کا رواں رواں دکھ رہا تھا۔ آنکھیں تھیں کہ آنسو لٹانے کو بے تاب ہو رہی تھیں۔ ذہن تھا کہ ایک دم سے جیسے ماؤف ہو گیا۔ اس وقت اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔نظر کے کینوس پر اگر کوئی چیز بار بار ابھر رہی تھی تو وہ کسی کا نڈھال سراپا تھا۔دو جھیل سی گہری درد میں ڈوبی آنکھیں تھیں، جن سے انمول آنسو سفید موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر بے بسی سے گالوں پر بکھر رہے تھے۔ وہ ایک لڑکی کہ جسے اس نے زندگی میں پہلی اور آخری مرتبہ دل کی گہرائیوں سے ٹوٹ کر چاہا تھا کسی دیوی کی مانند دل مندر میں سجا کر جس کی پوجا کی تھی۔آج وہی لڑکی اس کے سرد رویئے سے ہرٹ ہو کر درد کی دلدل میں اتر رہی تھی۔وہ جس کی آنکھ سے ڈھلکا ایک آنسو اسے تڑپا دیتا تھا۔آج وہی آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوبی ہوئی تھی اور وہ ہر روز بے بسی سے اسے سسکتے دیکھنے پر مجبور تھا۔کیسی عجیب بے بسی تھی کہ وہ اسے اس بے جا نفرت اور بیگانگی کی وجہ بتا بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اسے یہ یقین دلا ہی نہیں سکا کہ وہ آج بھی اسے اتنی ہی شدت سے ٹوٹ کر چاہتا ہے۔ جتنا کہ پہلے چاہتا تھا۔اس کے دل میں آج بھی اس کا وہی مقام ہے جو کہ پہلے تھا۔ان خوب صورت جھیل سی آنکھوں سے ڈھلکا ایک آنسو آج بھی اس کے دل کو ایسے ہی تڑپا دیتا ہے جیسے کہ پہلے تڑپا دیتا تھا مگر وہ اسے یہ سب نہیں بتا سکا۔ اتنا حوصلہ ہی نہیں تھا اس میں۔ پھر کیسے بتاتا وہ اسے کہ وہ اس کی زندگی سے دور جا رہا ہے۔اتنی دور کہ جہاں سے زرنیلا کے آنسو اس کی فریاد، صدائیں، پکار بھی اسے واپس نہیں لا سکتیں۔ کیونکہ کاتب تقدیر ان کی دائمی جدائی کا فیصلہ لکھ چکا ہے اور اس تکلیف دہ فیصلے کو بدلنا اس کے اختیار میں نہیں پھر کیسے بتاتا وہ اسے کہ اسے برین ٹیومر ہے اور ڈاکٹرز کے مطابق وہ زیادہ سے زیادہ صرف چھ یا سات ماہ مزید زندہ رہ سکتا ہے۔

وہ ایک لڑکی کہ جس نے اسے محبت کے خوب صورت جذبے سے آشنا کیا تھا۔جس نے ہمیشہ ہر موڑ پر اس کا ساتھ دے کر اس پر اپنی ذات کی اہمیت واضح کی تھی۔ وہ جو اس کے روڈ ایکسیڈنٹ سانحے پر باوجود اس سے شدید نفرت کے ٹوٹ پھوٹ کر ایک زندہ انسان سے چلتی پھرتی لاش بن گئی تھی۔ وہ بھلا کیسے یہ اتنا بڑا دکھ برداشت کر پاتی؟ تب ہی تو وہ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے خود سے نفرت پر مجبور کر رہا تھا تاکہ اس کے دل میں اپنے لیے درد کی شدت کم سے کم کر سکے۔ بے وفا زندگی کے ہاتھ چھڑانے سے پہلے زرنیلا کے دل سے اپنی محبت اپنی ہر یاد کا نقش مٹا سکے تاکہ کل کو جب وہ اس کی زندگی میں نہ رہے تو وہ دکھ کے ہر احساس کو بہادری سے برداشت کر سکے۔ اس کے بغیر بھی ہنس کر زندہ رہ سکے اور اس کی دائمی جدائی کو روگ بنا کر ساری عمر سسکتی نہ رہے۔

مگر کیا ضروری ہے کہ جیسا انسان چاہے ہمیشہ وہی ہو۔بعض اوقات بہت سے حادثے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں نہ تو ہمارا دل تسلیم کرتا ہے اور نہ ہی ہماری روح مگر پھر بھی وہ ہو جاتے ہیں اور ایسا ہی تو ہو رہا تھا اس کے ساتھ اس نے بھی بھلا کب سوچا تھا کہ وہ ایک دن اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گا۔ وہ حسین خواب جو برسوں اس کی آنکھوں نے دیکھے تھے سب مٹی میں مل جائیں گے۔ کب سوچا تھا بھلا اس نے کہ وہ کبھی اس سے ایسے الفاظ کہنے پر بھی مجبور ہو جائے گا کہ جنہیں لبوں سے ادا کرتے ہوئے وہ خود زخم زخم ہوتا ہو۔ ایسا کچھ بھی تو نہیں سوچا تھا اس نے مگر پھر بھی ایسا ہو رہا تھا اور یہی تو تقدیر تھی کہ جس کے سامنے ہر ذی روح بے بس ہے۔

دل وحشی کو کسی کل قرار نصیب نہ تھا۔ کمرے کی ہمراز دیواریں کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھیں۔ سانس لینے کے اندر ہی الجھ جانے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ تب اپنے آپ سے ہار کر وہ کمرے سے نکل کر باہر ٹیرس پر آ گیا۔ رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔ ہر طرف گمبھیر تاریکی کی چادر تنی تھی۔ دکھی دلوں کا ہمراز چاند آج نہ جانے کہاں جا چھپا تھا۔ ٹھنڈی ہواؤں کے سنگ سنگ نہ جانے کتنی ہی دیر ٹیرس کے آہنی جنگلے سے ٹیک لگائے وہ روتا رہا۔ سسکتا رہا اور اس کے پہلو میں دھڑکتا زخم زخم دل مچل مچل کر زرنیلا اور ننھی رمشا کو بانہوں میں بھر لینے کی شدید خواہش کرتا رہا مگر وہ پتھر بنا دل پر ضبط کے کڑے پہرے بٹھائے رہا۔ دل کی بغاوت سے شہ پا کر آنکھیں وہ پیاری سی صورت جی بھر کر دیکھنے کو بے تاب ہو گئیں اور سماعتیں وہ مدھر آواز سننے کو تڑپ اٹھیں۔ تب بے حد نڈھال ہو کر اس نے کوٹ کی جیب سے اپنا پرسنل موبائل نکالا اور ریاض صاحب کے گھر کے نمبر پریس کر ڈالے بیل مسلسل جاتی رہی مگر کسی نے کال ریسو نہیں کی کوئی کرتا بھی کیسے؟ رات پوری طرح بھیگ چکی تھی اور ایسے میں کوئی اتنا بے کل نہ تھا کہ اس کی طرح جاگتا پھرتا۔ مگر وہ بے خبر تھا

کہ نیچے لاؤنج میں پڑے فون کی مدھم سی بیل بھی مسلسل جاگتی زرنیلا کے دل کو دھڑکا گئی ہے اور تب ہی وہ دوپٹے کی پروا کیے بغیر اپنے کمرے سے بھاگتی ہوئی ٹی وی لاؤنج تک آئی بے قراری سے ریسیور اٹھا کر ہیلو کیا مگر افسوس کہ اس وقت تک ارش مایوس ہو کر فون بند کر چکا تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

صبح کا اجالا ہر طرف پھیل گیا تھا۔ مگر وہ وہیں ٹی وی لاؤنج میں فون کے قریب صوفے پر بیٹھی تھی۔ کاجل کے بغیر سوجی ہوئی ویران آنکھوں میں رات تین بجے سے لے کر صبح چھ بجے تک نہ جانے کتنے ہی دیپ جلے اور جل کر بجھ گئے مگر فون کی بیل پھر دوبارہ نہیں گونجی۔ مسجد میں موذن صدائے حق بلند کرتے ہوئے پورے ماحول پر ایک عجیب سا سحر طاری کر رہا تھا تب وہ بھی تھکے تھکے سے اعصاب کے ساتھ اٹھ کر واش روم میں چلی آئی پھر باوضو ہو کر جو خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں آ کھڑی ہوئی تو نہ جانے کب سے رکے گرم سیال نگینے پھوٹ پھوٹ کر گالوں پر بکھر آئے اور وہ سجدے میں جا کر سسک پڑی بالکل اس معصوم سے بچے کی مانند جسے اگر کوئی چوٹ پہنچاتا ہے یا رلاتا ہے تو وہ روتے ہوئے سیدھا اپنی ماں کے پاس آتا ہے اور اس سے اپنا دکھ بیان کر کے ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اس وقت وہ بھی اپنے پیارے اللہ سے اپنے دل کا دکھ بیان کر رہی تھی کہ جسے برداشت کرنا اب اس کے بس سے باہر ہو رہا تھا۔

کتنی ہی دیر دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اس بزرگ و برتر سے اپنی خوشیوں کی بھیک مانگنے کے بعد وہ جونہی اندر اپنے کمرے میں آئی فاطمہ بیگم کو اپنا منتظر پایا۔ جو اس کے بیڈ پر ننھی رمشا کے قریب بیٹھی اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ جائے نماز طے کر کے رکھتے ہوئے اس نے ممکن حد تک خود کو سنبھالنے کی کوشش کی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آ گئی اور ہمیشہ کی طرح لاڈ سے فاطمہ بیگم کی ممتا بھری آغوش میں لیٹ کر پلکیں موندھ لیں اور وہ جو کتنے ہی دنوں سے اسے بکھرا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت خاموش نہ رہ سکیں۔ تب ہی اس کے سلکی بالوں میں اپنائیت سے انگلیاں پھیرتے ہوئے محبت سے بولیں۔

''زریں! کیا بات ہے بیٹے؟ کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں تم بہت اداس ہو کیا ارش سے کوئی جھگڑا وغیرہ ہو گیا ہے؟'' ماں تھیں ناں پھر بھلا کیسے بیٹی کے حال سے بے خبر رہتیں اور بیٹی بھی وہ کہ جسے انہوں نے کبھی کانٹا بھی چبھنے نہیں دیا تھا۔ زرنیلا نے ان کے سوال پر پل کے پل آنکھیں کھولیں اور دھیمے لہجے میں بولی۔

''نہیں امی! ایسی تو کوئی بات نہیں بس ویسے ہی دل اداس ہو رہا ہے نہ جانے کیوں؟''

''چل، پاگل! خوب سمجھتی ہوں میں تجھے جب سے یہاں آئی ہے سودائیوں جیسی حالت کر رکھی ہے اپنی۔ میں کیا نہیں جانتی کہ تو ارش سے کتنا پیار کرتی ہے۔ ضرور جھگڑا ہوا ہو گا تمہارا اس

سے میں ابھی اس کے کان کھینچتی ہوں۔'' اس کے صبیح گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے وہ مسکرا کے بولیں تو زرنیلا نے بوکھلا کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''نہیں امی پلیز آپ اس سے کچھ مت کہنا میں خود ہی بات کر لوں گی۔ میں نے کہا ناں وہ مجھ سے ناراض ہے۔'' اس سے تو اپنی اداسی کا بھرم رکھنا دشوار ہو گیا۔ فاطمہ بیگم چند سیکنڈ تو اسے الجھے ہوئے دیکھتی رہیں۔ پھر اس کی پیشانی چومتے ہوئے اسے ہمیشہ خوش رہنے کی دعا دیتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''زرنیلا کتنی ہی دیر گھٹنوں پر تھوڑی ٹکائے سوچوں کے چکر میں الجھی رہی۔ پھر دل بے کل ہونے لگا تو کچن میں چلی آئی جہاں فاطمہ بیگم پہلے سے موجود ناشتے کی تیاری کر رہی تھیں۔

''امی! ایک سوال پوچھوں آپ سے۔''

وہ انڈا پھینٹ رہی تھیں۔ جب زرنیلا کی آواز نے ان کے چلتے ہاتھ روک دیئے اور وہ پلٹ کر استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''امی! آپ نے ابا ہی سے شادی کیوں کی؟ آپ خوب صورت تھیں پڑھی لکھی امیر کبیر تھیں۔ پھر ابا جیسے معمولی سے آدمی کے ساتھ شادی کرنے پر کیسے راضی ہو گئیں آپ؟'' کس قدر چونکا دینے والا سوال تھا اس کا فاطمہ بیگم تو حیرانی سے ٹکر ٹکر اس کا منہ ہی دیکھتی رہ گئیں۔ جس نے ان کی سوالیہ نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بنا اجازت کے خود ہی سوال کر ڈالا تھا۔

''پلیز بتایئے ناں امی' کیوں ابا سے شادی کی آپ نے؟ عکاشہ آنٹی نے تو احمر پاپا سے محبت کرنے کا جرم کیا تھا۔ تب ہی انہوں نے سجاول خالو سے نکاح کر کے خود اپنی زندگی جہنم میں جھونک دی مگر آپ نے تو ایسا کوئی گناہ نہیں کیا تھا پھر آپ نے ابا جیسے مشکل آدمی کے ساتھ کیوں اتنے برس گھٹ گھٹ کر بتائے؟''

آج تو یہ لڑکی مکمل انہیں شاک لگانے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس سے اپنا دامن نہ بچا سکیں۔

''تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو۔ ایک لڑکی کی کہیں نہ کہیں تو شادی ہونا ہی ہوتی ہے پھر میری تمہارے ابا سے ہو گئی تو کیا انوکھا ہوا؟'' ان کے خشک لہجے سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ پہلوتہی کر رہی ہیں مگر زرنیلا آج دل میں چھپا یہ کانٹا ضرور نکالنا چاہتی تھی۔ تب ہی ضدی لہجے میں بولی۔

''ہاں ہوتی ہے ایک لڑکی کی کہیں بھی شادی مگر اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر والوں کے لیے مر نہیں جاتی۔ جب کہ میں نے تو کبھی آپ کو اس دہلیز سے پار قدم رکھتے نہیں دیکھا کیوں امی؟ پلیز بتایئے ناں؟'' اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی رو پڑے گی۔ فاطمہ بیگم

نے اس پل بے حد دل گرفتگی محسوس کی۔

''تجھے کیا ہوگیا زریں؟ کیسی بہکی بہکی سی باتیں کر رہی ہے آج؟'' ہاتھوں کے پیالے میں اس کا ستا ہوا چہرہ تھام کر وہ افسردگی سے بولیں تو زرنیلا نے بے حد اداسی سے انہیں دیکھا۔

''امی! پلیز مجھے بہلایئے مت میں جانتی ہوں آپ کبھی ابا کے ساتھ شادی کر کے خوش نہیں رہیں اور شاید ابا بھی آپ کو پا کر کبھی خوش نہیں رہ سکے تو پھر کیوں باندھا تھا آپ نے یہ بندھن پلیز بتایئے ناں؟''

ضبط کے باوجود بھی جلتے آنسو گالوں پر بکھر آئے تھے جب کہ فاطمہ بیگم سے اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ تب ہی وہ رندھے ہوئے سے لہجے میں بولیں۔

''ہاں مجھے یہ شادی کبھی راس نہیں آ سکی مگر میں اور کیا کرتی زریں۔ کوئی بھی تو ٹھکانہ نہیں تھا میرے پاس میری ماں میرے دنیا میں آنے کے گیارہ سال بعد ہی اس دنیا سے چلی گئیں اور میرے پاپا انہوں نے ماں کی وفات کے فقط چھ ماہ بعد ہی دوسری شادی رچالی۔ سوتیلی ماں تو سوتیلی ہی ہوتی ہے بیٹے پھر میری سوتیلی ماں مجھ پر ظلم کیوں نہ ڈھاتیں؟ میں خوب صورت تھی پڑھی لکھی سمجھدار تھی' پھر پاپا کی کروڑوں کی جائیداد میں میرا بھی بہت بڑا حصہ بنتا تھا۔ تب ہی انہوں نے اپنے اوباش بھتیجے کو میرے پیچھے لگا دیا مگر میں نے ہر قدم پر اس کی حوصلہ شکنی کی اور میرے اسی جرم کی پاداش میں میری سوتیلی ماں نے اپنے بھتیجے سے کہہ کر مجھے کڈنیپ کروالیا گھر میں بڑی آپا کی شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں میں اگر ہنگامہ کرتی تو ان کی خوشیوں کے رنگ بھی بھنگ ہو جاتے اسی لیے جب دو دن تک ایک اجاڑ کمرے میں قید رہنے کے بعد میں گھر واپس لوٹی تو ہر طرف زنگ آلود تیر میرے منتظر تھے۔ مگر آپا کی شادی کی وجہ سے فی الحال اس مسئلے کو دبا دیا گیا اور پھر جیسے ہی آپا کی شادی ہوئی سوتیلی ماں نے پاپا سے بات کر کے اپنے گنوار اوباش بھتیجے کا رشتہ مجھ سے طے کر دیا اور میں شاید اس پر بھی صبر شکر کر کے چپ ہی رہتی کہ مجھے انہی دنوں معلوم ہوا کہ وہ لڑکا پہلے سے شادی شدہ ہے اور اس کے دو معصوم بچے ہیں بس اسی پل میرے اندر کی دنیا میں بھونچال اٹھا۔ میں خود تو ساری عمر آنسو پی کر زندہ رہ سکتی تھی مگر اپنی وجہ سے کسی اور عورت کی آنکھوں میں آنسو بھرنا مجھے گوارہ نہ ہو سکا۔ اسی لیے ایک دن میں وہ محل سا گھر' وہ شان و شوکت' وہ دولت' سب چھوڑ کر اس شہر میں چلی آئی۔ بالکل تنہا' بے آسرا' بھوکی پیاسی اور ایسی ہی حالت میں تمہارے بابا مجھے ملے۔ انہوں نے میری مدد کی اور مجھے با حفاظت اپنے گھر لائے۔ میرے پاس زندہ رہنے کے لیے کوئی مقصد باقی نہیں بچا تھا۔ اسی لیے جب تمہارے بابا نے مجھے شادی کی آفر کی تو میں نے ان کی خواہش پر چپ چاپ سر جھکا دیا اور یوں میری ان سے شادی ہوگئی۔ مگر شادی کے بعد بھی مجھے کسی پل سکون نہ مل سکا۔ کیونکہ میری اور تمہارے بابا کی کبھی ذہنی ہم آہنگی نہ ہو سکی۔

پھر ان کی یہ سوچ بھی تھی کہ میں اچھی اور شریف لڑکی نہیں ہوں۔ وہ مجھے ایک سڑک سے لائے تھے اور ہمیشہ ایک غلط لڑکی ہی سمجھا۔ وقتی ہمدردی اور جذبات' پھر ساری عمر کے لیے ان پر بوجھ بن گئے۔ ایک ایسا بوجھ کہ جنہیں آج تک انہیں نہ چاہنے کے باوجود بھی سہارنا پڑ رہا ہے۔'' بولتے بولتے ان کا گلا ایک دم رندھ گیا تھا۔ آنسوؤں کا گولہ حلق میں پھنس گیا اور وہ بے آواز رو پڑیں۔ زرنیلا نے کس قدر دکھ سے انہیں دیکھا۔

''تو...... تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کو بھی ایک مرد کے باعث تمام عمر آنسوؤں کا زہر پینا پڑا۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی تمام عمر کڑی سزا کاٹنا پڑی کیوں امی؟ کیوں کرتے ہیں یہ مرد ایسا؟ عورت کو آنسوؤں میں ڈوبا دیکھ کر کیوں سکون ملتا ہے انہیں؟'' نہ چاہنے کے باوجود بھی وہ رو پڑی تھی۔ فاطمہ بیگم نے اپنی بھیگی پلکیں صاف کر کے آہستگی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''نہیں بیٹے روتے نہیں ہیں' ہر حال میں اس پروردگار کا شکر ادا کرتے ہیں کیونکہ وہی ہے جو ہمارے لیے بہتر جانتا ہے۔ بہتر کرتا ہے ہم اپنی خوشی یا دکھ کا تعین خود نہیں کر سکتے اور پھر ایک مسلمان کے لیے تو زندگی کا سب سے بڑا دکھ اللہ سے دوری ہے بیٹے' وہ اپنے جس بندے کے دل سے اپنی محبت اپنی یاد مٹا دے اس بندے جیسا بدنصیب اور دکھی تو اس پوری کائنات میں اور کوئی نہیں کیونکہ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی اللہ کی محبت میں جینا ہے۔'' نہایت مدلل اور ٹھہرے ہوئے انداز میں وہ متانت سے بولیں تو زرنیلا ان کی باتوں پر دھیمے سے سر ہلاتی اپنے آنسو صاف کر کے ناشتے کی تیاری میں ان کی مدد کرنے لگی۔ دن اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔ ریاض صاحب ناشتہ کر کے آفس چلے گئے اور وہ رمشا کو لے کر گارڈن میں چلی آئی کہ اسی پل احسن احمر صاحب کی گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور وہ جو گلاب کے کنج کے پاس رمشا کے ساتھ کھیل رہی تھی خوشی اور حیرانی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ایک دم رک کر انہیں دیکھنے لگی جو اس کی شادی کے بعد آج پہلی مرتبہ اس کے گھر آئے تھے۔ گاڑی سے نکل کر وہ سیدھے زرنیلا کے پاس آئے اور اس سے ننھی رمشا کو لیتے ہوئے گویا نہال ہو گئے۔ فقط دو ہی دنوں میں وہ اس ننھے سے وجود کے لیے کتنا ترس گئے تھے تب ہی اسے بازوؤں میں بھر کر چوم چوم ڈالا۔ پھر زرنیلا کو ساتھ لے کر آگے بڑھے' جونہی قدم اندر ٹی وی لاؤنج کی دہلیز پر رکھے تو سامنے ہی برتن سمیٹتی فاطمہ بیگم کو دیکھ کر گویا چکرا کر رہ گئے۔ وہ تو یہاں زرنیلا کو لینے کے لیے آئے تھے مگر تقدیر انہیں یوں فاطمہ بیگم سے ملا دے گی اس کا تصور بھی نہیں تھا ان کو زرنیلا ان سے بیٹھنے کی درخواست کرتے ہوئے خود کچن میں چلی گئی تو وہ دھیرے دھیرے چلتے ان کے سامنے آ بیٹھیں۔

فاطمہ بیگم کی آنکھوں میں بھی انہیں دیکھ کر ایسی ہی حیرت نے سر اٹھایا تھا جیسی کہ خود احسن صاحب کی آنکھوں میں مچل رہی تھی۔ یہ بھی شاید قدرت کی طرف سے ایک عجیب اتفاق ہی

تھا کہ جس دن انہوں نے ارش کے گھر میں قدم رکھا فاطمہ بیگم وہاں رکی ہی نہیں تھیں وگرنہ شاید یہ حیرت آج اس قدر شدید نہ ہوتی۔

برتن کچن میں واپس رکھ کر گیلے ہاتھ دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے وہ جس وقت دوبارہ وہاں آئیں احسن احمر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے تھکے تھکے سے پلکیں موندھے بیٹھے تھے۔ وہ چپ چاپ ان کے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گئیں۔ تب انہوں نے آنکھیں کھول کر بجھی بجھی سی ایک اداس نظر ان پر ڈالی اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تم تو مجھے پہچانتی ہوناں فاطمہ؟ تم تو جانتی ہوناں کہ میں نے اُس کا دل دکھا کر ایک لمبے عرصے تلک کتنی کڑی سزا بھگتی ہے تم تو گواہ ہوناں میری سچی محبت کی؟ تو پلیز تم ہی بتاؤ میں عکاشہ کو کہاں ڈھونڈوں؟ کیسے معافی مانگوں اس سے' کیسے یہ بتاؤں اسے کہ میں نے ہمیشہ صرف اسے ہی چاہا ہے۔ مرد ہو یا عورت زندگی میں محبت تو صرف ایک بار ہی کرتا ہے اور پھر اس محبت کے کھو جانے پر ساری عمر سلگتا رہتا ہے۔ پلیز مجھے بتاؤ فاطمہ کہ مجھ سے بچھڑ کر عکاشہ نے خود کو اتنی کڑی سزا کیوں دے ڈالی؟ کیوں خوشیوں کو خود پر حرام کر لیا اس نے؟" وہ سوال جو پچھلے بیس پچیس سالوں سے ان کے اندر بھونچال اٹھائے ہوئے تھا۔ آج اسے زبان مل گئی فاطمہ بیگم کی کسی جھیل کی مانند ٹھہری ہوئی خاموش آنکھوں سے آپ ہی آپ کتنے ڈھیر سارے آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھک آئے۔ وہ بولیں تو یوں لگا جیسے موت کے بعد کسی بے جان پتھر کی مورتی میں جان آئی ہو۔

"تو وہ اور کیا کرتی احسن تم تو جانتے ہو کہ وہ کتنی جذباتی تھی۔ کتنا ٹوٹ کر چاہتی تھی تمہیں۔ وہ جو ہماری آنکھوں کا تارہ تھی۔ صرف تمہاری محبت کے دکھ نے اسے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہ مان وہ بھروسہ جو اسے تمہاری محبت پر تھا۔ تم نے اپنے ہی ہاتھوں اس محبت اس مان اس بھروسے کا گلا گھونٹ دیا۔ تم نے سوچا ہی نہیں کہ وہ لڑکی جس نے صرف تمہاری محبت کی خاطر پوری دنیا کو اپنی ٹھوکر پر رکھ دیا تھا۔ وہ بھلا تم سے ہاتھ چھڑا کر کیسے جی سکے گی؟ مگر پھر بھی تم نے اسے چھوڑ دیا۔ اپنی محبت کا مان اس سے چھین کر اسے ایک دم سے تنہا کر دیا کیوں احمر' کیوں کیا تم نے ایسا؟" وہ بے بس معصوم سی لڑکی جس نے تمہاری محبت میں اپنے پیچھے رشتوں کی ساری کشتیاں ہی جلا دیں تھی وہ اور کیا کرتی؟ مگر سزا تو ملنی تھی ناں اسے تم سے سچی محبت کرنے کا اتنا بڑا جرم جو کیا تھا اس نے۔" وہ اپنے آپ کو بکھرنے نہیں دینا چاہتی تھیں مگر سامنے بیٹھا وہ سوبرسا شخص مسلسل ان کے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔

"میں مجبور تھا فاطمہ بہت لاچار تھا میں۔ کیونکہ میرے پاؤں میں والدین کی محبت ان کے احترام کی بیڑیاں تھیں مگر وہ تو مجھے آواز دے سکتی تھی۔ صرف ایک بار پکار کر تو دیکھتی میں دنیا

میں جہاں بھی ہوتا سر کے بل دوڑا آتا۔ مگر وہ تو مجھے دیکھے بنا ہی مٹی کا ڈھیر بن گئی۔ اپنے دل کے ساتھ ساتھ اپنے وطن سے بھی در بدر کر کے اکیلی ہی موت کی راہ گزر پر چل پڑی اور میں جو سوچتا تھا کہ جب وہ اچانک مجھے اپنے سامنے دیکھے گی تو حیرت اور خوشی سے پتھر کی بن جائے گی مگر میں ایک مرتبہ پھر ہار گیا فاطمہ زندگی نے ایک مرتبہ ہرا ڈالا مجھے۔" پلکوں کے ساتھ ساتھ ان کی آواز بھی بھیگ گئی تھی فاطمہ بیگم سے اپنے آنسوؤں کی یلغار پر بند باندھنا مشکل ہو گیا۔

"بہت انتظار کیا تھا اس نے تمہارا زندگی کے آخری لمحے تک اس کی ساکت آنکھوں میں صرف تمہاری ہی تصویر تھی احمر' تمہارا ہی نام تھا اس کے لبوں پر زندگی بھر وہ اپنوں سے تمہاری ناکام محبت کے طعنے سنتی رہی۔ یہاں تک کہ اس ناکام محبت میں خود کو سزا دینے کے لیے اس نے جان بوجھ کر اپنے سے بیس سال بڑے اپاہج شخص سے نکاح کر لیا اور تم اس سے بے خبر تو نہیں تھے احمر مگر پھر بھی تم نہیں آئے اور وہ چپ چاپ زندگی سے روٹھ گئی۔ تم آکر دیکھتے تو سہی کہ کیسے اس کی ہمیشہ کے لیے بند ہوتی آنکھوں میں ٹوٹے مان کا درد بکھر رہا تھا۔ کیسے سسک رہی تھی وہ؟ مگر تم بھی دنیا کے پچاسی فیصد مردوں کی طرح اپنی مجبوری کا رونا رو کر خود اپنی ہی محبت سے لاتعلق ہو گئے۔ پتا نہیں احمر تم لوگ محبت کرتے وقت یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جو محبت تمہارے لیے فقط کچھ سالوں کا کھیل ہے دل کا بہلاوا ہے وہی محبت عورت کے لیے دکھ بن کر اس کا پورا جیون نگل جاتی ہے۔" کب سے رکے ان کے آنسو بالآخر گالوں پر پھسل پڑے اور احسن صاحب پتھر کے مجسمے کی مانند چپ چاپ انہیں دیکھتے رہے۔

وقت کتنا بے رحم ہو گیا تھا۔ اب نہ تو کالج کا وہ پرلطف ماحول تھا۔ جہاں عکاشہ' فاطمہ اور خودان کے قہقہے گونجتے تھے۔ جہاں وہ تینوں پوری دنیا سے بے نیاز ایک دوسرے کی باتوں میں مگن گھنٹوں اپنے دکھ درد' اپنا ہر مسئلہ ایک دوسرے سے شیئر کیا کرتے تھے۔ کتنی پیاری سی تھی وہ فاطمہ حسین جو عکاشہ اور ان کی محبت کو کبھی سیلوٹ پیش کرتی تھی۔ تو کبھی ان کی بے تابیوں کا مذاق اڑایا کرتی مگر اس وقت کہاں پتا تھا کہ ایک دن تقدیر ایسے دن بھی دکھائے گی کہ جن کا ہر پل آنسوؤں سے عبارت ہوگا۔ وہ تینوں ایک دن یوں ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔ اے کاش کہ وقت کبھی نہ بدلے ہمیشہ ایک سا خوشگوار رہے۔ تو زندگی بوجھ ہی کیوں بنے؟ وہ زرنیلا کو گھر لے جانے کے لیے آئے تھے مگر دل کے اندر دھڑکنوں نے ایک دم سے بھونچال اٹھا دیا اور وہ بنا اسے لیے چپ چاپ وہاں سے چلے آئے۔ جب کہ زرنیلا جو دروازے کی اوٹ میں کھڑی ان کی گفتگو سن رہی تھی ایک دم سے نڈھال سی ہو کر وہیں زمین پر بیٹھتی گئی کہ ایک مرتبہ پھر مرد کی محبت سے اس کا اعتبار اٹھ گیا تھا۔

احسن احمر جب سے فاطمہ بیگم سے مل کر آئے تھے بالکل ٹوٹ پھوٹ سے گئے تھے۔

ارش نے ان کی دوبئی کی ٹکٹ کنفرم کروا دی تھی اور اپنی تیاری بھی شروع کر دی تھی مگر زرنیلا کو اس بات سے مطلع نہیں کیا تھا۔ تب ہی جب وہ اگلے دن اپنے گھر واپس آئی تو ارش کو پیکنگ میں مصروف دیکھ کر بھونچکا رہ گئی۔ بڑھی ہوئی شیو' اندر کو دھنسی آنکھیں اور بے ترتیب بال سلوٹوں بھری براؤن پینٹ اور سفید شرٹ میں وہ بے حد رف لگ رہا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ دیوانوں کی طرح محویت سے اسے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

"تم کہیں جا رہے ہو ارش؟"

اور وہ جو اپنی ہی مصروفیت میں مگن تھا۔ کندھے پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی لمحے کے ہزارویں حصے سے قبل پلٹا اور اسے اپنے سامنے اتنے قریب دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس کی خود ساختہ نفرت کے باوجود دوبارہ اس گھر میں چلی آئے گی یہ اس نے ہرگز نہیں سوچا تھا۔ تین دن کی قیامت خیز جدائی کے بعد وہ سامنے آئی۔ تو دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہو گیا۔ لب کچھ کہنے کو پھڑپھڑائے مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا اور رخ پھیر کر کڑوے لہجے میں ڈالا۔

"میں کوئی تمہارے باپ کا خریدا ہوا غلام نہیں ہوں۔ جو تمہیں اپنے پل پل کی خبر دیتا پھروں سمجھیں تم۔"

ضبط کا پہاڑ بنی کھڑی زرنیلا کی گود میں ننھی رمشا ہمک ہمک کر اس کے پاس آنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ زرنیلا کے ساتھ ساتھ اس معصوم کو بھی بے دردی سے نظر انداز کرتا کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے اس کی یہ ادا بھی دیکھتی رہ گئی۔

کہاں تو پہلے وہ اس کی ایک پل کی جدائی پر تڑپ تڑپ جاتا تھا اور کہاں آج تین دن کی جدائی نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ گھر سے سوچ کر آئی تھی کہ ارش کو جو بھی پریشانی لاحق ہے وہ اگر کسی بھی غلط فہمی کا شکار ہو کر اس سے روٹھا ہوا ہے تو وہ ہر قیمت پر اس کی ہر پریشانی اس کی ہر غلط فہمی دور کر کے اسے پیار سے منا لے گی۔ جھک جائے گی اس کے سامنے اپنی انا کا بت پاش پاش کر کے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دے گی کہ اب محبت میں یہ بے رخی کا درد اس کی جان پر بنا رہا تھا مگر ارش نے تو کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہیں دیا اور اس کی ساری سوچیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

کتنی ہی دیر وہ وہیں کارپٹ پر خالی خالی سا ذہن لیے بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بے دھیانی سے ننھی رمشا کو ادھر ادھر کھیلتے دیکھتی رہی چھوٹی سی بچی اپنے گھر آ کر قدرتی طور پر خوش نظر آ رہی تھی۔

احسن صاحب جس وقت گھر لوٹے وہ اسی پوزیشن میں گم صم بیٹھی تھی۔ انہیں جہاں اس

کے لوٹ آنے پر بے پناہ خوشی ہوئی وہیں اس کی اداس آنکھوں میں بکھرے آنسو شدید دکھ سے ہم کنار کر گئے مگر انہوں نے اپنا آپ سنبھال لیا کیونکہ وہ اس کانچ سی لڑکی کو فی الحال ہر دکھ بھری خبر سے بے خبر رکھنا چاہتے تھے آسان لفظوں میں وہ شاید کسی معجزے کے منتظر تھے۔ جب ہی اپنا آپ سنبھال کر اس سے حال احوال دریافت کرنے لگے پھر یونہی فرضی کہانی گھڑ کر اسے اپنے اور ارش کے دوبئی جانے کی بابت اطلاع بھی دے دی مگر اس وعدے کے ساتھ کہ وہ لوگ بہت جلد لوٹ آئیں گے زیادہ سے زیادہ پندرہ دن اور ان پندرہ دنوں میں زرنیلا کو اپنے والدین کے گھر رہنا تھا۔ انہوں نے بہانہ کچھ ایسے انداز میں بنایا تھا کہ زرنیلا ارش کے ان کے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض نہ اٹھا سکی۔

ارش نہ جانے اپنی کن مصروفیات میں الجھا ہوا تھا۔ تب احسن صاحب نے چند ضروری چیزوں کی خریداری کے لیے زرنیلا سے ریکوسٹ کر ڈالی اور وہ بھلا ان کا حکم کہاں ٹال سکتی تھی۔ تب ہی ان سے مطلوبہ چیزوں کے پیسے پکڑ چپ چاپ اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ اس پر ایک شفقت بھری نظر ڈال کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ ان کا مقصد ہی زرنیلا کو گھر سے باہر نکال کر اس کے ڈسٹرب مائینڈ کو فریش کرنا تھا۔ ہر قسم کی فکر اور پریشان کن سوچ سے دور رکھنا تھا۔

اس روز جب موسم اچھا خاصا ابر آلود ہو رہا تھا اور شام کے دھندلکے ہر طرف تیزی سے پھیل رہے تھے اس کے من میں جانے کیا آئی کہ ارش کو آفس فون کر بیٹھی مگر وہاں رابطہ کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ ارش کسی نہایت ارجنٹ میٹنگ میں مصروف ہے اور تین چار گھنٹے سے قبل فارغ نہیں ہو سکتا۔ تب مجبوراً وہ اپنی بیٹی کو اس کے دادا جی یعنی مسٹر احسن احمر صاحب کے سپرد کر کے خود اکیلی ہی مارکیٹ چلی آئی وگرنہ جب سے ارش نے اکیلی مارکیٹ جانے پر ڈانٹا تھا وہ کسی قیمت پر تنہا مارکیٹ کا رخ نہیں کرتی تھی مگر آج مجبوری تھی فقط تین ہی روز کے بعد ان کی فلائٹ تھی اور ارش کے پاس اس کے لیے اتنا بھی ٹائم نہیں تھا کہ وہ محبت بھری فقط ایک نظر ہی اس پر ڈال لیتا۔ رات کو دیر سے آنا اور آتے ہی سو جانا پھر صبح اس کے بیدار ہونے سے قبل ہی گھر سے نکل جانا اس نے اپنا روز کا معمول بنا لیا تھا۔ ایک دو بار زرنیلا نے اس کی اس روٹین پر گلہ کرنے کی غلطی کی مگر وہ یوں بھڑک کر اس پر برسا کہ وہ بے چاری دوبارہ ایسی جرأت ہی نہیں کر سکی۔

مارکیٹ پہنچ کر اپنی مطلوبہ چیزوں کی خریداری کے بعد وہ جونہی واپس پلٹ کر شاپ سے باہر نکلنے لگی بے اختیار ہی کسی سے بری طرح ٹکرا گئی۔ سر اٹھا کر غصے سے اوپر دیکھا تو سنوان آفندی کا ہنستا مسکراتا خوب صورت چہرہ نگاہوں کے سامنے تھا اور وہ اس ٹکر سے لطف اٹھا رہا تھا۔ خاصے کڑے انداز میں وہ اسے غصے سے گھورتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو وہ بھی لپک کر اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔

''سنو پلیز دیکھو میں کچھ ہی دنوں میں ہمیشہ کے لیے اسٹیٹس جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے پیار نہیں کرتیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم میرے جانے پر شکرانے کے نفل پڑھو گی مگر میں پھر بھی چاہتا ہوں کہ جانے سے پہلے کم از کم ایک بار تم مجھ سے ضرور ملو بہت سی باتیں ہیں جو میں تم سے کرنا چاہتا ہوں تم میری یہ آخری خواہش پوری کرو گی ناں زرین؟'' وہ آنکھوں میں امید و یاسیت کے ڈورے باندھے لجاجت بھرے لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔ زرنیلا نے خاصا تپ کر اسے دیکھا۔

''کیوں...... کیوں ملوں میں تم سے، رشتہ کیا ہے تمہارا مجھ سے؟ تم چاہے یہ ملک چھوڑ کر جاؤ یا یہ دنیا میرے لیے تمہارا ہونا یا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ سمجھے تم؟ اور ایک اور بات' میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا اور آج پھر کہہ رہی ہوں اچھی طرح سمجھ لو اور ہو سکے تو اپنے دماغ میں بھی بٹھا لو تم چاہے کچھ بھی کر لو میں اپنے ارش کو چاہتی تھی' چاہتی ہوں اور چاہتی رہوں گی۔ زندگی آخری سانس تک میری ہر سوچ' ہر خیال' ہر پیار بھرے لمحے کا صرف وہی مالک ہے اب چاہے خواہ مجھے اس کا پیار ملے یا نہ ملے۔ میری زندگی میں اس سے ہٹ کر دوسرا کوئی مرد نہیں آ سکتا کیونکہ میں ایک عورت ہوں اور عورت کو گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کی عادت نہیں ہوتی' سمجھے تم۔'' انگشت شہادت کی انگلی اٹھا کر خاصے کرخت لہجے میں اسے تنبیہہ کرتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی اور سنوان آفندی وہیں کھڑا دھواں دھواں سی آنکھوں سے اس کا یہ روپ دیکھتا رہ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا اور ایک دم اس کے سامنے آ کر دھیمے لہجے میں بولا۔

''او کے تم مجھ سے نہیں ملنا چاہتیں تو مت ملنا مگر تم صرف چند لمحوں کے لیے مجھے ایئر پورٹ پر الوداع کہنے تو آ سکتی ہو ناں؟ دیکھو میں تم سے کچھ نہیں چاہتا بس صرف آخری بار تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں یہاں اس سرزمین سے جاتے وقت تمہارا الوداعی عکس بھر کر یہاں سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری یہ تمنا بھی پوری نہیں کرو گی؟''

''نہیں۔'' فوراً اس نے کہا۔

کتنا درد سمٹ آیا تھا۔ اس وقت سنوان کی آنکھوں میں مگر زرنیلا نے قطعی پروا نہیں کی اور اسے بے دردی سے نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی۔

آسمان بادلوں سے بھرا تھا اور شام تیزی سے گہری ہو رہی تھی۔ تب ہی اس نے اپنے قدموں کی رفتار میں مزید تیزی بھر دی کہ اچانک اسے رک جانا پڑا۔ وہ جو تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی ایک دم سے اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے زمین نے اس کے پاؤں جکڑ لیے ہیں اور آنکھیں سیاہ اندھیرے میں ڈوب گئی ہیں۔ قدرے پھٹی پھٹی سی حیران آنکھوں سے وہ اپنے سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑے ارش احمر کو دیکھتی رہ گئی۔ جو کسی نہایت ماڈرن اور بے باک سی لڑکی کی بانہوں میں بانہیں

ڈالے زندگی سے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے اسے خود سے قریب تر کرنے کی کوشش میں تھا اور اس بے باک منظر نے اس نازک سے دل والی جذباتی لڑکی پر کیسی بجلیاں گرائی تھیں۔ یہ صرف اس کا دل جانتا تھا ارش کی یہ ارجنٹ میٹنگ اور پرسنل مصروفیات لمحے بھر میں اسے جلا کر راکھ کر گئی تھی۔ اس وقت وہ کیسے اپنا لٹا پٹا سا وجود سنبھالے گھر تک آئی اسے کچھ خبر نہ ہو سکی۔ احسن صاحب لاؤنج میں ہی ننھی رمشا کے ساتھ ہنس کھیل رہے تھے۔ اسے آتے دیکھا تو مسکرا کر رمشا کی شرارتیں بتانے لگے اور وہ غائب دماغی سے ہوں' ہاں کرتی بہ مشکل خود پر ضبط کے بند باندھے مسکرا مسکرا کر ان کی باتوں کا جواب دیتی رہی۔ پھر کچھ ہی دیر کے بعد ان سے بہ مشکل ایکسکیوز کر کے اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر گرتے ہی ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے۔

ارش کی یہ بے وفائی اسے کبھی اس قدر تکلیف سے ہم کنار نہ کرتی جو اگر وہ اسے ایک اچھے انسان کے روپ میں نہ ملا ہوتا۔ اس پر اپنی بے پناہ چاہتوں کی برسات نہ کی ہوتی۔ حسین خواب نہ دکھائے ہوتے پرخلوص محبتوں کے' ساری دنیا کے مردوں سے مختلف بن کر نہ ملا ہوتا اس سے' تب شاید اپنے نظریئے کے مطابق وہ اس کی اس بے وفائی کو بھی فقط دکھ سے سوچ کر چپ چاپ بیٹھ جاتی مگر وہ تو اسے دیوتا مان چکی تھی کسی داسی کی مانند پوجا کرنے لگی تھی اس کی۔ اپنی زندگی کا ایک ایک خوش گوار پل اس نے ارش کی محبت سے باندھ دیا تھا۔ تو پھر کیسے اس کا یہ تکلیف وہ روپ قبول کر لیتی؟ کیسے اس سچ کو حقیقت مان کر خود کو اس کی بے وفائی کا یقین دلاتی؟ جب کہ اس کے پاس تو یہ تصور بھی نہیں تھا کہ ارش اس سے ہٹ کر بھی کسی اور کی طرف محبت سے دیکھ سکتا ہے۔ ہاں وہ پہلے بھٹکا ہوا راہی تھا۔ چلتا تھا غلط راستوں پر مگر زرنیلا سے محبت کرنے کے بعد تو ان سب راستوں سے واپس پلٹ آیا تھا۔ جو اسے برائی کی طرف لے جاتے تھے بے وفائی کی منزل کی جانب گامزن کرتے تھے۔ تو پھر اب ایسا کون سا طوفان در آیا تھا ان کی خوش حال زندگی میں کہ جس سے متاثر ہو کر وہ ایک مرتبہ پھر انہی ناپسندیدہ ترین راستوں پر چل پڑا تھا۔ وہ راستے کہ جنہیں اپنا کر اسے نہ تو اب اپنا گھر یاد رہا تھا اور نہ ہی گھر والے۔

وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر دل تھا کہ درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا اور وہ جلتے آنسوؤں کو پیتی سسک رہی تھی ارش رات گئے گھر لوٹا وہ لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ ایک دم سے ہی اس کا دل لرزا۔ درد کی شدید ترین لہر اس کے سینے میں اٹھی اور وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ پہلو بچا کر اس کے قریب سے گزر جانا چاہا مگر وہ ایک دم آنسو پونچھ کر اس کی راہ میں آ کھڑی ہوئی۔

''کہاں تھے تم اتنی دیر سے؟'' اس کا انداز حد درجہ خشک تھا۔ ارش نے کس قدر چونک کر اس کا یہ استحقاق بھرا انداز دیکھا۔ جو پچھلے کئی دنوں سے مفقود تھا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے ارش کہاں تھے تم اتنی دیر سے؟" اس کی خاموشی پر وہ دوبارہ قدرے بلند آواز میں چلائی تھی مگر ارش نے یکسر بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فقط ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی پھر اپنا کوٹ قریب ہی صوفے پر پھینک کر متانت بھرے لہجے میں بولا۔

"بزنس میٹنگ چل رہی تھی میری اسی میں مصروف تھا۔ مگر تم ایسے کیوں تھانیدار بن کر کھڑی ہوگئی ہو؟" باوجود کوشش کے بھی وہ اپنے لہجے میں ناگواری نہیں بھر پایا تھا مگر اس کے باوجود زرنیلا دکھ سے کٹ کر رہ گئی۔

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ مسٹر ارش احمر' شرم آنی چاہیے تمہیں اس قدر گھٹیا جھوٹ بولتے ہوئے کسی کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر عیاشی کرنے کو تم بزنس میٹنگ کہتے ہو دن بھر ہوٹلنگ کرتے ہو غیر لڑکیوں کے ساتھ گھومتے پھرتے ہو اور خود کو کاروبار میں بے حد مصروف ظاہر کرتے ہو کیوں؟ جب یہی تمہاری زندگی کی روٹین تھی یہی تمہارے جینے کے ڈھب تھے تو مجھے کیوں گھسیٹا اپنی زندگی میں کیوں محبت کی پٹی پڑھائی مجھے؟" وہ حلق پھاڑتے ہوئے بھرپور شدت سے چلائی تھی مگر ارش سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ تو وہ کسی زخمی ناگن کی مانند پھنکارتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

"ارش! آج تم ایسے نہیں جا سکتے۔ آج تمہیں میرے ہر سوال کا جواب دینا ہوگا۔ اپنی زندگی میں میری حیثیت کا تعین کرنا ہوگا۔" اس کا بازو دبوچ کر وہ بھرپور جذباتی انداز میں مچلی تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے گال پر ایک بھرپور تھپڑ رسید کرنا پڑا پھر آنکھوں میں سرخی بھر کر قدرے غصے سے بولا۔

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا تھا کہ میں فضول بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں۔ کیا محبت...... محبت کی رٹ لگا رکھی ہے تم نے؟ تم کیا چاہتی ہو میں سارے دن تمہارے گھٹنے سے لگا تمہارے حسن کے قصیدے پڑھتا رہوں اور کوئی کام نہیں ہے مجھے' میری اپنی کوئی پرسنل لائف نہیں ہے؟ مگر لگتا ہے کہ اب یہ روز' روز کا جھگڑا بھی ختم کرنا ہی پڑے گا۔" قدرے مطمئن انداز میں اس نے اپنی بات ختم کی تھی مگر زرنیلا کی زرد پڑتی رنگت اسے اپنے ناٹک میں کامیابی کا سندیس دے رہی تھی اور کامیابی کا یہ پیغام اس کے لیے کس قدر تکلیف دہ تھا۔ یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ زرنیلا گال پر بایاں ہاتھ دھرے ٹکر ٹکر اسے بے دردی سے بولتے سنتی رہی پھر یہ سحر ٹوٹا تو قدرے زخمی لہجے میں بولی۔

"تم کیا سمجھتے ہو ارش تم مجھ سے یوں برا بن کر پیش آؤ گے یوں مارو پیٹو گے۔ بے وفائی کے کھلے عام مظاہرے کرو گے تو میں تم سے محبت کرنا چھوڑ دوں گی۔ نفرت در آئے گی میرے دل میں تمہارے لیے ہرگز نہیں ارش ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کم از کم میرے جیتے جی تو ہرگز

نہیں۔ میں نہیں جانتی کہ تم مجھے خود سے دور کرنا کیوں چاہ رہے ہو مگر میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ تمہارے کسی بھی برے سلوک سے میرے دل میں موجود تمہارے لیے بے پناہ محبت کبھی نفرت میں نہیں بدل سکتی۔ تم چاہے مجھ سے اکتا جاؤ یا میرے ایک بیٹی کی ماں بن جانے پر دنیا کے تمام روایتی مردوں کی طرح سخت انداز جتاؤ مگر میں نے تو تم سے محبت کرنے کا جرم کر لیا ارش اب چاہے تو میری ہر ہر سانس کو عذاب بناؤ یا پھر میرے وجود کو بھی عکاشہ آنٹی کی مانند قبر کے تاریک سناٹوں میں اتار دؤ میں تم سے محبت کرنے سے باز نہیں آ سکتی ارش' نہ ہی تمہاری جگہ کسی اور کا ہاتھ تھام کر خود کو بہلا سکتی ہوں میں۔"

اس وقت وہ جس تکلیف سے بول رہی تھی ارش کو برا بننا مقصود نہ ہوتا تو لپک کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتا اور پھر اپنے ہونٹوں سے اس کا ایک ایک آنسو اتنے پیار سے چنتا کہ وہ زندگی بھر کے لیے دکھی ہونا بھول جاتی۔ مگر اس وقت وہ بے بس تھا۔ اپنے اتنے دنوں کی جان مارمحنت پر پانی پھیرنا اسے قطعی گوارہ نہ تھا۔ جب ہی ایک شکستہ سی اداس نظر بڑے سرسری سے انداز میں اس کے نڈھال سراپا پر ڈالتے ہوئے وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا اور زرنیلا عجیب پاگلوں کی طرح وہیں صوفے کے پایوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر بلک بلک کر روتی رہی کہ آج اس سنگدل بے رحم کو کسی بھی طریقے سے منانے کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہوگئی تھی اور اپنی آخری کوشش کی یہی ناکامی زرنیلا کو اندر سے ریزہ ریزہ کر گئی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ارش اور احسن احمر کے جانے کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ خود اس نے اپنی تیاری بھی پکڑ لی اور پیکنگ شروع کر دی۔ ارش کل رات کے جھگڑے کے بعد خاصا گم صم سا ہو گیا تھا۔ گھر بھی جلدی آنے لگا اور زرنیلا پر غصہ ہونا بھی چھوڑ دیا۔ احسن صاحب کو اپنے کسی پرانے دوست سے کوئی بہت ضروری کام تھا۔ تب ہی وہ زرنیلا کو بتا کر گھر سے باہر چلے گئے۔ وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی کتنی ہی دیر سے ننھی رمشا کو سلانے کی کوشش کر رہی تھی تاکہ اس کی طرف سے بے فکر ہو کر شام کے کھانے کی تیاری شروع کر سکے۔ مگر رمشا تھی کہ سونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ تب ہی وہ بیڈ پر اس کے اردگرد کافی سارے کھلونے پھیلا کر خود کچن میں چلی آئی کہ دل کے بالکل بھی نہ چاہنے کے باوجود اسے زندہ رہنے کے جتن تو کرنے ہی تھے۔ سالن تو دوپہر کا بچا ہوا تھا وہ آٹا نکال کر اسے گوندھنے لگی کہ اسی وقت ارش گھر میں داخل ہوا اس کے پرفیوم کی دلفریب مہک' دور تلک اس کی آمد کا پتا دیتی تھی۔ وہ کچھ دھڑکتے مچلتے دل کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہی کہ بالکل اچانک اس کے بیڈ روم سے دھڑام سے کسی کے گرنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی اس کی لاڈلی بیٹی چلا چلا کر رو پڑی اور اس سے پہلے کہ وہ آٹے میں لتھڑے ہاتھ دھو کر اپنے

کمرے میں جاتی ارش بھاگ کر اپنے بیڈ روم میں گیا اور نیچے فرش پر پڑی ننھی گڑیا کو بازوؤں میں اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ وہ جس وقت ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی ارش ننھی رمشا کو اپنے وجود میں چھپائے اسے بے تحاشا چومتے ہوئے رو رہا تھا اور اسے یوں بے بسی سے اپنی بیٹی کو گلے سے لگائے روتے دیکھ کر وہ تو ہکا بکا ہی رہ گئی۔ ایک پل کے لیے یوں لگا کہ جیسے بھیانک سپنا ٹوٹ گیا ہو اور اس کا پہلے والا ارش پھر سے اس کے پاس آ گیا ہو مگر ایسا نہیں تھا کیونکہ جس وقت ارش کی نظر اس حیران حیران سی پتھر کی مورتی پر پڑی۔ وہ خاصے کڑے تیوروں کے ساتھ اس کی طرف بڑھا اور غرا کر بولا۔

''اس گھر میں رہنا ہے یا نہیں؟ کیوں رو رو کر پورے گھر میں اپنی نحوست پھیلائی ہوئی ہے۔ پتا نہیں کب جان چھوٹے گی تم سے؟ گدھا تھا میں ماہان بننے کے شوق میں تم جیسا ڈھول جان بوجھ کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔'' ایک بازو میں رمشا کو سنبھال کر دوسرا ہاتھ وہ اپنی پیشانی پر مارتے ہوئے قدرے جھلا کر بولا۔ تو زرنیلا ایک مرتبہ پھر بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی کہ جس نے آج اپنی ذات پر پڑا اچھائیوں کا ایک اور پرت خود پر سے اتار پھینکا تھا۔ دکھ کو قلم سے لکھنے اور خود پر سہنے میں کتنا بڑا تضاد ہوتا ہے۔ آج جو حالات اس کے اپنے تھے ایسے ہزاروں حالات وہ اکثر اپنی کہانیوں میں لکھ چکی تھی مگر اس وقت اسے گمان بھی نہیں تھا کہ جن سے بے جان کرداروں کو وہ دکھ کے گہرے سمندر میں ڈبوتی ہے ان کا دکھ یوں دل کا خون بھی نچوڑ لیتا ہے۔

ارش رمشا کو پھر سے بیڈ پر سلا کر اسے پرے دھکیلتے ہوئے کمرے سے نکل گیا اور وہ خالی خالی سی نگاہوں سے بس دیکھتی رہ گئی۔

دن ہی کتنے رہ گئے تھے اس کے جانے میں اور وہ مسلسل اس کی نگاہوں سے خود کو گرا رہا تھا۔ اس روز اس نے کس کرب و تکلیف میں رات کا کھانا بنایا اور دیگر امور سرانجام دیئے یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ ارش تو کھانا کھاتے ہی کمرے میں چلا گیا تھا مگر وہ باہر ہی ٹیرس پر کھڑی چپ چاپ آنسو بہاتی رہی گزرتے وقت کا ایک ایک پل نظر کے کینوس پر ابھرتا اور ڈوبتا رہا اور وہ بے بسی سے روتی رہی رو رو کر آنکھیں بالکل خشک ہو گئیں۔ تب وہ کمرے میں واپس آئی تھی اور چپ چاپ کروٹ بدل کر بیڈ کے ایک کونے پر ٹک گئی۔

رات بھر اسے یہ گمان رہا کہ اس کی کہانیوں کے ہیروز کی طرح ارش بھی ان الوداعی لمحوں میں ایک بار تو ضرور ہی اسے پیار سے بلائے گا اس پر تھوڑی سی ہی سہی مگر اپنی محبتیں ضرور نچھاور کرے گا مگر اس کی یہ خوش گمانی محض خام خیالی ہی رہی۔ یہاں تک کہ صبح کی سپیدی ہر طرف پھیل گئی اور وہ اسی طرح جلتی آنکھوں سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی اور یہی وقت تھا جب رات بھر سے بیدار ارش نے اپنے پہلو میں لیٹی اس ننھی منی گڑیا کو جی بھر کر پیار کیا جو ان دونوں کی

محبت کی واحد نشانی تھی۔

زرنیلا جس وقت واش روم سے باہر نکلی ارش کمرے سے جا چکا تھا۔ ٹھیک تین گھنٹے کے بعد ان کی فلائٹ بھی اور اس مختصر سے وقت میں، زرنیلا کو ڈھیروں کام سرانجام دینے تھے۔ تب ہی وہ ہر دکھ ہر خیال ذہن سے جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی رخصتی سے قبل ارش ریاض صاحب اور فاطمہ بیگم سے بھی مل آیا تھا۔ ننھی رمشا تو صبح جاگتے ہی اس کے ساتھ لگی تھی اور خوب خوش تھی۔ ساری تیاری مکمل کر کے وہ تینوں ایک ساتھ ہی گھر سے نکلے تھے اور گھر کو لاکڈ کرتے وقت اس کا دل کیسے تڑپا تھا۔ یہ صرف وہی جانتی تھی۔

وہ تو احسن صاحب ہر ہر قدم پر اسے سنبھال رہے تھے پیار کر رہے تھے وگرنہ وہ تو شاید ان لمحوں میں خود پر سے اپنا اختیار کھو چکی ہوتی۔ کیونکہ ارش رخصت ہو کر بھی اس پر صرف ایک اپنائیت و محبت بھری نظر ڈالنا گوارہ نہیں کر رہا تھا اور ایک عورت کے لیے بھلا اس سے بڑھ کر دکھ کا مقام کیا ہوتا ہو گا کہ اس کا محبوب شوہر کہیں جانے سے قبل اسے نظر بھر کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔

وہ لوگ ایئر پورٹ پہنچے تو دوبئی جانے والی فلائٹ آدھے گھنٹے لیٹ تھی۔ ارش نے سر اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سرد آہ بھری جب کہ زرنیلا احسن صاحب کے پہلو میں کھڑی چپ چاپ ان کی ہدایات سنتی اپنے مچل مچل کر پھیلنے والے آنسو پیتی رہی۔ ڈبڈبائی آنکھوں کا صرف ایک پل کے لیے بھی اوپر اٹھانا محال تھا اس کے لیے۔ تب ہی احسن صاحب اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ دھرتے ہوئے ایک طرف اپنے کسی جاننے والے سے دعا وسلام کرنے چل دیئے اور وہ اسی طرح سر جھکائے کسی گناہ گار مجرم کی طرح خاموش کھڑی انگلیاں مروڑتی رہی۔

''اپنا خیال رکھنا زریں اور دیکھو ہمیشہ خوش رہنا۔ یہ خوب صورت آنسو جو تم ہر وقت بڑی بے دردی سے لٹاتی رہتی ہو۔ پلیز میرے بعد ان انمول موتیوں کی حفاظت کرنا او کے۔''

وہ اسی طرح گم صم سی کھڑی آنسو ضبط کر رہی تھی۔ جب ایک دم سے ارش اس کے بالکل قریب چلا آیا اور اس کا خوب صورت چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر اسی پیار اور اپنائیت سے بولا جو کبھی اس کی شاندار شخصیت کا خاصا ہوا کرتی تھی۔ زرنیلا کا جھکا سر ایک دم سے اوپر اٹھا اور اس نے انتہائی بے یقینی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ جہاں آج بہت دنوں کے بعد ٹھاٹھیں مارتی محبت رقص کر رہی تھی۔ بے قابو ہوتے پیار کے دیپ واضح جل رہے تھے۔

ارش کچھ دیر تو اس موم کی گڑیا کو پیار سے دیکھتا رہا۔ پھر اپنے جلتے لب جونہی اس کی روشن پیشانی پر دھرے وہ ایک دم سے بے قابو ہو کر اس کے کشادہ سینے میں منہ چھپا کر روئی تو ارش کے لیے اسے خود سے الگ کر کے چپ کروانا مشکل ہو گیا۔

ان کی مطلوبہ فلائٹ کا ٹائم ہو چکا تھا احسن صاحب دوبارہ ان کے پاس واپس چلے

آئے مگر زرنیلا خود کو ارش سے الگ کرنے پر تیار نہ ہوئی۔ تب مجبوراً اسے زبردستی اسے خود سے الگ کرنا پڑا اور پھر بنا ایک بھی لفظ کہے وہ اپنا بیگ اٹھا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا عمارت کے اندر چلا گیا اور وہ روتی تڑپتی وہیں کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ احسن صاحب نے اسے خود سے لگا کر ڈھیروں پیار کیا اور ایک مرتبہ پھر ڈھیر ساری نصیحتیں کر ڈالیں جنہیں وہ روتے ہوئے پوری توجہ سے سنتی رہی اور پھر جو انہیں رخصت کر کے وہ قریبی بینچ پر بیٹھی تو آنسو ایک مرتبہ پھر بے قابو ہو گئے اور وہ بلک اٹھی اس وقت اسے شاید گمان بھی نہیں تھا کہ وقت اس کے ساتھ کتنا بڑا ظلم کرنے والا ہے۔

''زریں کیا ہوا ہے تمہیں؟ اس طرح رو کیوں رہی ہو تم؟''

وہ اپنا تمام حوصلہ کھو کر بہت نڈھال سی بینچ پر بیٹھی رو رہی تھی' جب اچانک ہی مانوس آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ جہاں اس سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑا خود بروسا سنوان آفندی اپنی روشنی آنکھوں میں فکر اور قدرے خوشی کا ملا جلا عکس لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ تب ناگواری کی ایک شدید لہر اس کے اندر اٹھی مگر اس نے چپ چاپ سر جھکا لیا۔

''میں جانتا تھا تم مجھے سی آف کرنے ضرور آؤ گی۔ شکریہ زریں۔'' وہ اپنی ہی خوش گمانیوں میں قید' مسرور سا کہہ رہا تھا اور زرنیلا کسی پتھر کی مانند ساکت سی زمین کو گھورے جا رہی تھی دل تھا کہ اس وقت درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا اور اس کے قدموں میں اتنی سی بھی سکت نہیں رہی تھی کہ خود سے اٹھ کر ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر ہی نکل جاتی۔

''او کے ٹیک کیئر زریں میری فلائٹ کا ٹائم ہو گیا ہے خدا حافظ۔'' وہ جو بڑی خوش گمان نظروں سے ابھی کچھ دیر پہلے اسے دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا ایک دم سے ہی الوادعیہ جملے کہہ کر وہاں سے تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی جانب چل دیا اور وہ خالی خالی نظروں سے محض اس کی چوڑی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔ جس وقت وہ وہاں سے اٹھ کر ایئرپورٹ سے باہر آئی تھی۔ اس کا پورا بدن جیسے کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ گاڑی چونکہ اس کے پاس تھی اور ارش نے اسے ڈرائیونگ بھی سکھا دی تھی۔ تب ہی اگلے پندرہ بیس منٹ میں نہایت ریش ڈرائیونگ کرتی وہ ریاض ہاؤس پہنچ گئی۔

تھکے تھکے سے اعصاب شدید تکلیف پہنچا رہے تھے۔ فاطمہ بیگم اسے بہلانا چاہتی تھیں۔ ارش کے جلد ہی لوٹ آنے کی تسلی دے کر اس کا من ہلکا کرنا چاہتی تھی مگر وہ ایک منٹ کے لیے بھی ان کے پاس نہیں رکی اور سیدھی اپنے کمرے میں آ کر دروازہ لاک کر کے بیڈ پر لیٹ گئی۔ گرم گرم آنسوؤں کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر جاری ہو گیا۔

وقت رخصت ارش کا وہ ایک دم سے بدلا ہوا محبت بھرا عکس جلتی آنکھوں کے گرم

آنسوؤں میں پانی بن بن کر بکھرنے لگا۔ اس کی وہ پہلے پہل والہانہ محبت کے مظاہرے' وہ دیوانوں پروانوں کی طرح شدید چاہت اور پھر ایک دم سے ہی بلا سبب وہ اس کی بے رخی وہ لاتعلقی سردمہری رہ رہ کر اسے رلا رہی تھی۔ کتنا عجیب تھا ارش اور کس قدر عجیب محبت کی تھی اس نے کہ زرنیلا ریاض جیسی مضبوط اعصاب کی لڑکی بھی کسی کانچ کے کھلونے کی مانند ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ سوچ سوچ کر بھی وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ ارش نے ایسا کیوں کیا؟ پہلے خود ہی محبت کا کھیل کھیل کر پھر خود ہی اس کے وجود سے متنفر کیوں ہو گیا؟ مگر وہ جتنا سوچتی تھی اسی قدر الجھتی جاتی تھی۔

اس روز گزرتے وقت کا ایک ایک پل ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ صبح جب وہ بیدار ہوئی تو اس کا بدن کسی تندور کی مانند جل رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہ رہی تھی کہ آواز دے کر فاطمہ بیگم کو ہی پکار لیتی۔ کتنی ہی دیر وہ یونہی بے بسی سے لیٹی۔ خشک لبوں پر بار بار زبان پھیر کر انہیں تر کرتی۔ بے چین پڑی رہی۔ تب ہی فاطمہ بیگم ریاض صاحب کو ناشتہ کروا کے آفس روانہ کرنے کے بعد اس کے کمرے میں آئیں اور نہایت محبت سے اس کا ماتھا چومنے کے لیے انہوں نے جونہی اپنے لب اس کی جلتی پیشانی پر رکھے ایک دم سے تڑپ کر پیچھے ہوئیں۔ اس کی بند ہوتی سرخ انگارہ آنکھوں سے گویا آگ نکل رہی تھی۔ پھولوں کی مانند شاداب چہرہ گویا کملا کر رہ گیا تھا۔ تب بے حد پریشان ہو کر انہوں نے ریاض صاحب کو فون کر کے زرنیلا کی حالت کے بارے میں بتایا اور خود ان کے آنے تک اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ کر اس کے گرد کمبل درست کرنے لگیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد ریاض صاحب اپنے فیملی ڈاکٹر کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ ڈاکٹر نے اچھی طرح زرنیلا کا چیک اپ کرنے کے بعد بتایا کہ وہ ذہنی طور پر بے حد ڈسٹرب ہے۔ اس کے علاوہ اپنی خوراک کی طرف سے بھی بے حد بے پروائی برتی ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر اس قدر کمزوری پیدا ہوئی اس کے ساتھ ہی انہوں نے چند ضروری میڈیسن کاغذ پر تحریر کریں اور پرچی ریاض صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے شام کو دوبارہ چیک اپ کرنے کا کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ ریاض صاحب بھی ادویات کی خریداری کے لیے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہی باہر نکل آئے۔ پیچھے فاطمہ بیگم کو زرنیلا کا دھیان رکھنے کی ہدایات کر گئے۔

فاطمہ بیگم فوراً زرنیلا پر کمبل درست کرتیں کچن میں چلی گئیں اور اس کے لیے چکن سوپ تیار کرنے لگیں۔ اسی اثناء میں ننھی رمشا بھی جاگ گئی۔ تو زرنیلا نے ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے قریب کر لیا۔ پھر جانے من میں کیا آئی کہ اس کا منا سا وجود بانہوں میں بھر کر ایک مرتبہ پھر شدت سے رو پڑی کہ آنسو تو گویا لٹنے کے لیے بے تاب تھے۔ جانے کیا بات تھی کہ بات بے

بات دل بھر آ رہا تھا اور وہ رہ رہی تھی۔ فاطمہ بیگم نے اس کا من بہلانے کے سوجتن کر ڈالے مگر وہ کسی طرح نارمل ہونے کی پوزیشن میں نہ آئی۔ تب مجبوراً انہیں فانیلہ کو فون کرنا پڑا اور اسے پاکستان آنے کی ہدایت کی کہ شاید وہی ارش کے واپس پلٹنے تک اسے سنبھال سکے۔

فانیلہ نے تمام حالات جان کر اگلے دو تین روز میں واپس لوٹنے کا کہہ دیا تو پریشان سی فاطمہ بیگم کو قدرے اطمینان ہوا۔ شام تک زرنیلا کے بخار میں اچھا خاصا فرق پڑ گیا تھا اور وہ فاطمہ بیگم سے قدرے نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ جب ریاض صاحب گھر میں داخل ہوئے ان کے دونوں ہاتھوں میں فروٹ' چکن' ادویات اور کچھ اسی قسم کے کئی شاپرز تھے کچھ دیر زرنیلا کے پاس بیٹھ کر اس کا حال احوال دریافت کرنے کے بعد وہ اسے پیار کرتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں چلے آئے۔ ہر روز نیوز ٹائم پر باقاعدگی سے نیوز سننا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس وقت بھی وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئے کہ اچانک ٹی وی آن کرتے ہی جو سب سے پہلی خبر ان کی سماعتوں سے ٹکرائی اس سے تو گویا ان کے ہوش ہی اڑ گئے۔ زرنیلا جو اندر کمرے میں سوپ کے چھوٹے چھوٹے سپ لے رہی تھی ایک دم سے اس کے ہاتھوں سے سوپ والا باؤل گرا اور وہ ہونقوں کی طرح منہ اٹھا کر فاطمہ بیگم کو دیکھنے لگی جو اس سے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی حیرت و بے یقینی کا مجسمہ بنی ہوئی تھیں۔ خبر کیا تھی ایک قیامت تھی۔ جو پل میں ان سب کے دلوں پر ٹوٹ گئی۔

''پاکستان سے دبئی جانے والی فلائٹ کو حادثہ جہاز میں سوار ایک سو بیس افراد جاں بحق ہلاک ہونے والوں میں مسٹر احسن احمر اور ارش احمر کے نام بھی واضح پکارے گئے۔''

گھر بھر میں پل کے پل ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا۔ صرف ٹیلی ویژن کی آواز تھی جو زور شور سے گونج کر یہ گمبھیر سناٹا پاٹنے کی کوشش کر رہی تھی وگرنہ تو سب ہی اپنی اپنی جگہ گویا پتھر کے ہو گئے اور جانے کب تک اسی حالت میں رہتے کہ اچانک ٹیلی فون کی بجنے والی تیز بیل نے کچھ لمحوں کے لیے ٹی وی لاؤنج میں موجود ریاض صاحب کا سکوت توڑ ڈالا۔ خالی خالی ذہن اور کانپتے ہاتھوں سے انہوں نے جونہی فون ریسیو کیا۔ وہی قیامت ایک مرتبہ پھر اپنی تمام تر بے رحمی کے ساتھ ان کی منتظر تھی۔ موسم اچانک خراب ہو جانے کے باعث دوبئی جانے والی فلائٹ کنٹرول سے باہر ہو کر حادثے کا شکار ہو گئی اور اس میں موجود تمام مسافر لقمہ اجل بن گئے۔ حادثہ دوبئی سے صرف پندرہ کلومیٹر کی دوری پر ہوا۔

خبر دینے والا سلسلہ منقطع کر چکا تھا مگر وہ اسی طرح ریسیور تھامے کان سے لگائے بیٹھے رہے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ارش یوں ان کا ساتھ چھوڑ جائے گا۔

زرنیلا جو اندر کمرے میں گم صم سی بیٹھی خالی خالی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی ایک دم سے بھاگ کر ریاض صاحب کے پاس آئی۔

''ابو! کہاں سے آیا تھا یہ فون؟ اسپتال سے آیا ہوگا ہے ناں؟ مم..... میرا ارش زندہ بچ گیا ہوگا انہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ہے ناں؟ یہ..... یہی بات ہے ناں ابو؟'' ان کے قدموں میں بیٹھ کر پاگلوں کی طرح وہ جنونی انداز میں بولی تو اس کی حالت دیکھتے ہوئے ریاض صاحب کو اپنا آپ سنبھالنا پڑا۔

''ہاں بیٹے اسے کچھ بھی نہیں ہوا وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''مم..... میں جانتی ہوں' ارش کو کچھ ہو ہی نہیں سکتا' ابو آپ ان ٹیلی ویژن والوں کے خلاف جھوٹی خبر نشر کرنے کے جرم میں کیس کریں کیسے منہ بھر کر انہوں نے میرے ارش کی موت کا کہہ دیا۔'' وہ اس وقت قطعی اپنے آپ میں نہیں تھی۔ تب ہی ریاض صاحب اسے خود سے لپٹا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔

''ابو! آپ رو کیوں رہے ہیں..... مم میرا ارش تو بالکل ٹھیک ہے ناں؟'' فوراً ان سے الگ ہوتے ہوئے وہ ایک مرتبہ پھر کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی تو ریاض صاحب چاہنے کے باوجود بھی خود کو سنبھال نہیں پائے اور اس کی ویران آنکھوں میں بس ایک نظر ڈال کر دونوں ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ زرنیلا شاک کی کیفیت میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ بالکل ایسے کہ جیسے ریاض صاحب کوئی تماشہ کر رہے ہوں اس کے ضبط کا امتحان لینے کے لیے اس کے ساتھ محض جوک کر رہے ہوں مگر وہ جس بات پر ایسا کر رہے تھے وہ بات تو اسے جوک میں بھی قطعی گوارہ نہیں تھی تب ہی ان کے قریب سے اٹھ کر وہ بھاگی بھاگی اندر اپنی ماں کے پاس گئی۔

''ا.....امی دیکھیئے ناں..... ابو کیا کر رہے ہیں؟ میرا ارش بالکل ٹھیک ہے مگر وہ رو رہے ہیں۔'' قدرے الجھے ہوئے انداز میں وہ فاطمہ بیگم سے مخاطب ہوئی تھی۔ جو پہلی والی پوزیشن میں ساکت بیٹھی۔ اسے دیکھ رہی تھیں۔ سرمے کے بغیر ویران ویران سی آنکھوں میں کتنی ہی حسرتیں دم توڑ رہی تھیں۔ سسک رہی تھیں۔ بالکل اچانک ہی ان کے پہلو میں بائیں جانب شدید درد کا احساس ہوا اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ تکلیف کی شدت سے بے حال وہیں بیڈ پر گر پڑیں۔ زرنیلا نے انہیں بے سدھ ہوتے دیکھا تو زور کی چیخ ماری اور ریاض صاحب جو پہلے ہی صدمے کی شدت سے بے حال تھے۔ بغیر جوتوں کے بھاگ کر آئے اور اس کے بعد کیا ہوا زرنیلا کو کچھ ہوش نہ رہا۔ نہ جانے کتنی دیر کتنے گھنٹے وہ بے ہوش رہی تھی اور جب دوبارہ ہوش میں آئی تو سر پر سایہ کے ساتھ اپنی جنت سے بھی محروم ہو چکی تھی۔ ہر قسم کے شور وغل سے پاک ان کا خوبصورت سا گھر بھانت بھانت کے رشتے داروں سے بھرا تھا اور اس کی پیاری ماں ایک دم خاموش سب کے بیچ سفید لباس پہنے بے خبر ابدی نیند سو رہی تھیں۔ وہ ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی۔ انہیں جھنجوڑ کر جگانا چاہتی تھی مگر جسم میں جیسے جان ہی نہیں رہی تھی۔ دیکھ کے بھی وہ دیکھ نہیں رہی

تھی اور سن کر بھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ لوگ طرح طرح سے ہمدردیاں جتا رہے تھے۔ افسوس کا اظہار کر رہے تھے مگر وہ تھی کہ آنکھیں پتھر کیے کسی بت کی مانند ساکت سی بیٹھی تھی۔ کتنا ہی وقت مزید بیت گیا۔ لوگ فاطمہ بیگم کو ان کی آخری آرام گاہ میں چھوڑ آئے۔ ابوظہبی سے اس کا بھائی ساجد بھائی‘ فائیلہ آپی‘ امیر بھائی‘ مریم‘ نوخیز غرض سب لوگ جہاں جہاں گئے تھے۔ واپس آ کر اکٹھے ہوگئے تھے ہر طرف آنسو تھے۔ سسکیاں تھیں اور وہ خالی خالی آنکھوں سے بنا ایک بھی آنسو بہائے سب کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے یہ سب اس کے ساتھ نہیں کسی اور کے ساتھ کسی اور کے گھر میں ہو رہا ہو۔ مریم بار بار اس کے پاس آ کر اسے تسلی دے رہی تھی اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کر رہی تھی مگر اسے تو جیسے کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ ایک طوفان تھا جو اس کی ساری خوشیاں سارے قہقہے بہا کر لے گیا۔ ایک قیامت تھی جو بالکل اچانک اس کے دل پر آ پڑی تھی۔ اسے لگا ارش اور فاطمہ بیگم کی سانسیں ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی بھی موت ہوگئی ہو۔ تو اس کا دل پہلو میں دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں بھی کھلی تھیں مگر اس کے باوجود اسے شدت سے محسوس ہوا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔

چار ماہ اور دس دن کا وقت بھی پورا ہوگیا مگر اس پتھر کی مورتی میں‘ زندہ انسانوں جیسی وہ جان نہ آسکی جسے لوگ نارمل زندگی کہتے ہیں۔ حالانکہ سب اس کا کتنا خیال رکھ رہے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ دکھ تو انہیں بھی بے شمار تھا۔ ساجد بھائی گھر میں داخل ہوتے ہی کیسے فاطمہ بیگم کے پاؤں پکڑ کر بلک بلک کر روئے تھے۔ کتنی معافیاں مانگی تھیں ان سے مگر انہیں معاف نہیں کرنا تھا سو وہ نہ جاگیں۔ فائیلہ آپی پر کیسے بار بار غشی طاری ہو رہی تھی کیسے تڑپ تڑپ کر وہ اپنی ماں پر گر رہی تھیں۔ مگر ان کے آنسوؤں نے بھی کوئی اثر نہیں دکھایا۔ مریم اور نوخیز اپنے تین سالہ چھوٹے سے بیٹے کے ساتھ کیسے خبر ملتے ہی دوڑے چلے آئے تھے۔ نوخیز کا تو حال ہی بہت برا تھا۔ مرد ہو کر بھی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ ارش کی ننھی سی بیٹی کو بانہوں میں بھر کر تو وہ اپنا رہا سہا توازن بھی کھو بیٹھا کتنی محبت تھی اسے ارش سے مگر اس کی یہ بے پناہ محبت ارش کو واپس نہیں لا سکی تھی اور مریم وہ تو کسی مرجھائے ہوئے پھول کی مانند کملا کر رہ گئی تھی۔ آنسو تھے کہ کسی پل اس کی آنکھوں کا ساتھ چھوڑ ہی نہیں رہے تھے مگر پھر بھی وہ اسے سنبھال رہی تھی۔ اس کی چھوٹی سی بیٹی کا خیال رکھ رہی تھی۔ قیامت تو سب کے دلوں پر ہی ٹوٹی تھی۔ درد تو سب کو ہی ایک جیسا ہوا تھا مگر وہ سب ایک دوسرے کو سنبھال رہے تھے کیونکہ یہی دانش مندی کا تقاضا تھا۔ مرنے والوں کے ساتھ کبھی مرا نہیں جاتا اگر ایسا ہوتا تو اب تک شاید یہ دنیا ختم ہو چکی ہوتی۔

ساجد بھائی اس کے چند دن بعد اپنی مجبوری کا رونا رو کر دوبارہ ابوظہبی واپس چلے

گئے۔ کچھ ایسی ہی مجبوری فائیلہ آپی کو بھی درپیش آ گئی اور ساجد بھائی کے جانے کے محض ایک ہفتے بعد ہی انہوں نے بھی تیاری پکڑ لی تاہم مریم فی الحال اس کے پاس ٹھہر گئی کہ ابھی زرنیلا کو اس کی ضرورت تھی۔

موسم نے اپنا رنگ بدل لیا تھا۔ گرمی کے سخت ترین موسم کے بعد اب آہستہ آہستہ ہواؤں میں خنکی گھلنے لگی تھی۔ زمین نے رنگ برنگ‘ خوب صورت خوش رنگ پھولوں کا لباس پہن لیا۔ ہر طرف ہریالی میں ہریالی دکھائی دینے لگی مگر ایک موسم جو زرنیلا کے اندر خزاں کا روپ دھار کر جم چکا تھا۔ وہ نہیں بدلا وہ جب بھی مریم کے ساتھ کہیں باہر جاتی ہر نوجوان لڑکے کو دیکھ کر ارش ارش چلانا شروع کر دیتی۔ پھر جب مریم اسے سنبھالتی تو وہ سسک کر اس کے کندھے سے ٹیک لگا لیتی۔ ہر پل ہر دم اسے یہ لگتا کہ ابھی ارش کہیں سے بھاگتا ہوا آئے گا اور اسے اپنی بانہوں میں بھر کر گھما ڈالے گا پھر کھلکھلاتے ہوئے کہے گا۔ ”کہو کیسی لگی ہماری یہ ادا؟“ اور وہ اس سے ناراض ہو جائے گی۔ اس کے بازو پر مکے برساتی ہوئی اپنے غصے کا اظہار کرے گی۔ کچھ لمحوں کے لیے اس سے روٹھ جائے گی مگر پھر جب وہ پیار سے منائے گا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے گی اور اسے فوراً معاف کر دے گی۔

اس وقت بھی وہ انہی خیالوں میں گم لان میں موتیا کی باڑ کے پاس گم صم سی بیٹھی تھی۔ جب مریم اسے تنہا بیٹھے دیکھ کر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی پھر اس کے سلکی بال سمیٹتے ہوئے پیار سے بولی۔ ”زری! یہاں کیوں بیٹھی ہو جان دیکھو موسم کتنا سرد ہو رہا ہے تمہیں ٹھنڈ لگ گئی تو؟“

”تو کیا؟ میں کون سا مر جاؤں گی؟ مرنا ہی ہوتا تو ارش کے ساتھ مر نہ جاتی۔“

دھیرے دھیرے ہی سہی بہرحال اس نے یہ حقیقت قبول تو کر لی تھی کہ ارش اب زندہ نہیں رہا۔ حالانکہ ابھی تک اس حقیقت کو وہ دل و جان سے ماننے کو انکاری تھی مگر اس کے انکار سے کیا ہونا تھا۔ حقیقت کو تو حقیقت ہی رہنا تھا۔

”مایوسی کی باتیں نہیں کرتے زریں کتنی بار سمجھاؤں تمہیں کہ زندہ انسانوں کا مرنے والوں کے لیے مرنا ممکن نہیں یہاں جو اپنے نصیب میں جتنی زندگی لکھوا کر لایا ہے اتنی سانسیں تو اسے ہر حال میں پوری کرنی ہی ہیں خواہ وہ رو کر پوری کرے یا نہیں جینا تو بہرحال پڑتا ہے ہے کیونکہ اسی کا نام زندگی ہے۔“

”مگر میں زندہ نہیں ہوں۔ نہیں ہوں میں زندہ‘ میری آنکھوں کو کھلی دیکھ کر دل کو دھڑکتا پا کر تم مجھے زندہ سمجھ رہی ہو؟ میری انہی کھلی آنکھوں میں جمے برف کے آنسو کیوں نظر نہیں آتے تمہیں؟ میرے اندر جھانک کر دیکھو تو تمہیں پتا چلے کہ وہاں کیسی تباہی مچ گئی ہے کیسا گمبھیر سناٹا

پھیل گیا ہے ہر طرف، صرف ایک ارش کے نہ ہونے سے آج کتنی اکیلی ہوگئی ہوں میں، مریم اس نے کہا تھا کہ اگر میں نے کبھی خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ فوراً مجھے اپنی زندگی سے نکال دے گا مگر...... میں...... میں تو زندہ ہوں پھر وہ کیوں نکل گیا میری زندگی سے؟ کیوں میری زندگی کو سنسان کر گیا وہ؟"

مسلسل غم سے گلا بیٹھ گیا تھا مگر آنکھیں اب بھی آنسو لٹانے سے قاصر رہیں۔

"فار گاڈ سیک زریں۔ کیوں ایک ہی بات کو دل پر لے لیتی ہو تم؟ دیکھو میں مانتی ہوں کہ ارش بہت اچھا لڑکا تھا۔ بہت پیار کرتا تھا تم سے مگر اب وہ نہیں ہے تو کیا اس دکھ میں تم اپنی جان گنوا لو گی؟ دیکھو زریں ہم سب تقدیر کے ہاتھوں بے بس ہیں۔ ہمارے نصیب میں جو کچھ اس پروردگار نے لکھ دیا ہے ہم کچھ بھی کر لیں اس لکھے ہوئے کو ٹال نہیں سکتے کیا یہ ضروری ہے کہ ہم جو کچھ بھی اپنے لیے چاہیں وہی ہمارے ساتھ ہو۔ یہ زندگی تو اللہ بزرگ و برتر کی امانت ہے ناں پھر وہ جیسا چاہے اسے ترتیب دے ہم اس کی مرضی سے اختلاف کرنے کا گناہ کیسے کر سکتے ہیں بھلا؟" مریم نے ہمیشہ کی طرح نہایت مدلل انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں مریم تم یہ سب اتنی آسانی سے صرف اس لیے کہہ رہی ہو کیونکہ تم نے اس درد کا ذائقہ نہیں چکھا ہے۔"

"دیکھو زریں، تقدیر ہمارے تابع نہیں ہے اور نہ جانے والوں کو یکسر بھلا کر قہقہے لگانا زیب دیتا ہے ہمیں، مگر اپنے پرسنل دکھ کو اشتہار بنا کر لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ تم شاید جانتی نہیں یہاں ہنسنے والوں کے ساتھ سب ہنستے ہیں مگر رونے والوں کا ساتھ کوئی نہیں دیتا۔ اس لیے اس سے پہلے کہ ایک ایک کر کے سب لوگ تمہارا ساتھ چھوڑ دیں۔ تم پلیز خود کو سنبھال لو۔ اپنے لیے نہ سہی اپنی معصوم بچی کے لیے ہی، پلیز حقیقت کو کھلے دل سے فیس کرو۔ دنیا ارش پر ہی ختم نہیں ہے۔ وہ اب تمہاری زندگی کا ایک یادگار باب بن کر ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اس لیے پلیز اسے بھلا کر پھر سے جینا سیکھو اور دیکھو کسی آدم زاد کی محبت کو اس پاک ہستی کی محبت پر ترجیح مت دو کیونکہ ان دنیا کے جھگڑوں کو یہیں رہ جانا ہے مرنے کے بعد تو ہمیں شاید یاد بھی نہیں رہتا کہ ہم زندگی میں کسی سے ملے تھے اس لیے پلیز سنبھالو اپنے آپ کو۔" خاصے متانت بھرے انداز میں کہہ کر وہ نرمی سے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے واپس کمرے میں چلی گئی اور زرنیلا گم صم سی وہیں بیٹھی اس کی دھیمے لہجے میں کہی باتوں کو سوچتی رہی۔ کیا ارش کو بھلانا اس کے لیے ممکن تھا؟

♥ ...... ♥ ...... ♥

اگلے دن کا سورج جونہی ڈھلنے کو آیا۔ وہ چپ چاپ بنا کسی کو کچھ بتائے اپنے بنگلے کی چابی اٹھا کر گھر سے باہر نکل آئی۔ پچیس تیس منٹ کی سلو ڈرائیونگ کے بعد جس وقت وہ اپنے اور ارش کے پیار کے ضامن اس خوب صورت سے بنگلے کے سامنے جا کر رکی بھولی بسری یادوں کے کتنے ہی جھونکوں نے پر جوش انداز میں ہواؤں کا روپ لے کر اس کا پر شکوہ استقبال کیا۔ گیٹ پر پڑے لاک کو کھولتے وقت اس کے دل کی جو حالت ہوئی یہ صرف وہی جانتی تھی پچھلے چھ ماہ سے وہ یہاں نہیں آئی تھی اور ان گزرے چھ ماہ کا ایک ایک لمحہ چیخ چیخ کر اس سے اس کی بے نیازی کا گلہ کر رہا تھا۔ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر ٹی وی ٹرالی پر ٹیلی فون اور قالین پر پھولوں کے خوب صورت گلدانوں پر غرض کہ ہر کہیں گہری گرد جم گئی تھی۔ کچن کا اس سے بھی ابتر حال تھا اور اس کے بیڈ روم میں وہاں تو گویا تھوڑی دیر ٹھہرنا بھی محال تھا مگر وہ رکی رہی آگے بڑھ کر کھڑکیاں کھولتے ہوئے اس کا من اندر ہی اندر سے سسک پڑا کیونکہ ارش کو کھلی ہوئی کھڑکیوں سے ڈوبتے سورج کا اداس منظر اور باہر لان میں کھلے خوب صورت پھولوں کا نظارہ دیکھنا بے حس پسند تھا۔ بالکل غیر اختیاری طور پر وہ اپنے کمرے کی ہر ہر چیز کو چھو کر گویا ارش کا لمس محسوس کر رہی تھی۔ بیڈ کے پاس ہی ان دونوں کی شادی کی تصویر لگی تھی۔ جس میں اس نے چپ چاپ سر جھکایا ہوا تھا اور ارش نہ جانے کس بات پر روشن آنکھوں میں ڈھیروں جگمگاہٹ لیے کھلکھلا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ آہستگی سے تصویر اٹھا کر اپنے پلو سے صاف کرتے ہوئے وہ گویا خود پر سے اپنا اختیار کھو بیٹھی۔ عرصے سے رکے گرم آنسو یونہی گالوں پر بکھر آئے وہ بچوں کی طرح تصویر کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"ارش تم مجھ سے روٹھ سکتے ہو، چاہو تو خفا ہو کر دور بھی جا سکتے ہو مگر ایسے نہیں، ایسے نہیں ارش۔" گزشتہ چھ ماہ سے جما سکتے کا جمود ٹوٹ کر بکھر گیا اور وہ چیخ چیخ کر رو پڑی۔

"ارش...... ارش مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میری معصوم گڑیا کو تمہاری ضرورت ہے۔ تم اتنی جلدی مجھ سے روٹھ کر نہیں جا سکتے۔ تمہیں میری روتی بسورتی صورت سے چڑ ہے ناں تو دیکھو میں تم سے پرامس کرتی ہوں میں اب کبھی نہیں روؤں گی، کبھی تمہیں نہیں ستاؤں گی۔ تم مجھ سے بات بھی مت کرنا۔ میری طرف دیکھنا بھی مت مگر آ جاؤ ارش پلیز آ جاؤ ارش مجھے تم چاہیے ہو۔ میں تمہیں کھو کر نہیں جی سکتی پلیز ارش آ جاؤ پلیز۔" چیخ چیخ کر بین کرتے اس کا گلا زخمی ہو گیا مگر وہ اسی طرح بلک بلک کر روتی رہی وارڈ روب میں ارش کے استعمال کی سبھی چیزیں اس کی پسند کے سبھی خوب صورت ملبوسات بالکل ایسے لٹک رہے تھے جیسے وہ ابھی ابھی انہیں بدل کر گیا ہو اس کی ایک ایک شرٹ سے لپٹ کر دیوانوں کی مانند روتے ہوئے وہ عجیب پاگل ہی ہو گئی

"ارش...... ارش تم سن رہے ہو ناں میری پکار؟ ارش تم دیکھ رہے ہو ناں کہ ہمارا گھر تمہارے بغیر کیسے سنسان ہو گیا ہے۔ تو پھر تم آ کیوں نہیں رہے ہو؟ ارش آ جاؤ ناں پلیز۔"

بلک بلک کر وارڈ روب سے ارش کی ایک ایک چیز کو نکال کر چومتے ہوئے اچانک اس کا ہاتھ اس کی سیاہ اور اسکائی کلر کے خوب صورت لیمینیشن کی جلد والی ڈائری سے ٹکرایا اور اس نے لپک کر وہ ڈائری وہاں سے اٹھا لی۔ پھر دائیں ہاتھ کی پشت سے پھسلتے آنسو رگڑ کر ارش کے ہی ذاتی استعمال والی رائٹنگ ٹیبل کے گرد آ بیٹھی اور کانپتے ہاتھوں سے ڈائری کو کھول کر ایک مرتبہ پھر ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئی۔ جب ارش نے اس کے ساتھ شادی سے پہلے اپنی ہر بے تابی اپنا ہر جذبہ اسی ڈائری کے خوب صورت بے جان کاغذوں کے سپرد کر چھوڑا تھا اور زرنیلا نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کے وہ تمام خوب صورت راز پڑھ لیے تھے اور اسے اپنے لیے ارش کی بے پناہ محبت کے بارے میں جان کر کس قدر حیرانی ہوئی تھی۔ ابھی سب الفاظ ویسے ہی تھے‘ وہی موتیوں سی ہینڈ رائٹنگ میں تحریر اس کے پرخلوص سے جذبات اس کی بے تابیوں کی انوکھی داستان مگر کچھ بدل گیا تھا تو اس کا نصیب تیزی سے گزرتے دنوں بعد حالات میں اب ان موتی سے لفظوں کو تحریر کرنے والی ہستی نہیں رہی تھی۔ جب ہی ہنستے کھلکھلاتے جاندار لفظ بے جان سے ہو گئے تھے وہ ایک ایک لفظ پر ہاتھ پھیرتی گویا ارش کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتی رہی اور تڑپ تڑپ کر سسکتی رہی۔

تب ہی اس کی نظر ایک نئے صفحے پر پڑی جو اس نے پہلے نہیں پڑھا تھا اسی لیے وہ قدرے چونک کر ڈبڈبائی آنکھوں کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتے ہوئے وہ صفحہ پڑھنے لگی جہاں لکھا تھا۔

”زریں میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آج تمہارے نام کیا لکھوں؟ کس قدر الجھ گیا ہوں میں؟ کیسے بتاؤں تمہیں؟ کل رات میں نے تمہیں اپنانے کے بعد شاید پہلی مرتبہ تم سے روڈ انداز میں بات کی تمہیں ڈانٹا اور تم میرا یہ ایکدم سے بدلا ہوا روپ دیکھ کر ہراساں رہ گئیں۔ تمہاری جھیل سی آنکھوں میں کس قدر بے یقینی اور دکھ تھا جیسے تمہیں میرے لفظوں پر یقین ہی نہ آیا ہو اور آتا بھی کیسے؟ تم بھلا ایسے رویے کی عادی ہی کہاں ہو؟ مگر تم نہیں جانتیں کہ میری سرد مہری پر تمہاری آنکھ سے لڑھکنے والے آنسوؤں نے مجھے کتنی تکلیف دی۔ ساری رات میں سو نہیں سکا۔ بار بار دل مچلتا کہ تمہیں کھینچ کر خود سے لپٹا لوں معافی مانگ لوں تم سے اور تم پھر سے کھلکھلا دوں مگر زریں میں چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پایا کیونکہ مجھے تمہارے دل میں اپنے لیے بے پناہ نفرت پیدا کرنی ہے۔ اتنی بے شمار نفرت کہ ایک دن تم میرے نام سے چڑنے لگو مجھے سامنے پا کر تمہارا حلق تک کڑوا ہو جائے ہاں زریں اب ایسا ہی کرنا ہے مجھے۔“ صفحہ مکمل ہو چکا تھا مگر کئی لفظوں پر ارش کے آنسوؤں کے واضح نشانات تھے اور وہ جو تھوڑی دیر پہلے بلک بلک کر رو رہی تھی ایک دم سے ہی قدرے ہراساں سی ہو کر اگلا صفحہ پلٹنے لگی جہاں لکھا تھا۔

”زریں آج تو تم نے گویا میری جان ہی لے لی تھی۔ میری بے رخی سے ہرٹ ہو کر تم اتنا بڑا قدم اٹھا لو گی میرے پاس تو اس کا تصور بھی نہیں تھا پھر کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تمہارے بغیر ایک پل نہیں جی سکتا اور پھر بھی تم نے میرے ضبط کا امتحان لے لیا؟ کیوں اس چند دن کے مہمان کو مزید دکھی کرتی ہو یار؟ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ اس دل میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں آ سکتا۔ مجھے تو تم سے ہٹ کر کسی اور کے بارے میں سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملی پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تمہارا ارش تم سے نفرت بھی کر سکتا ہے؟ میں تمہیں کیسے بتاؤں جان کہ تم سے نفرت کا ڈھونگ کرنے کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں کیا کروں بہت پیار جو کرتا ہوں تم سے۔ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ تمہاری خوب صورت آنکھیں ہمیشہ نم رہیں تم ہمیشہ میرے نہ ہونے پر دکھی ہو کر خود کو روگ لگا لو میں یہ سب نہیں سہہ سکتا زریں‘ گوارا ہی نہیں ہے مجھے۔ زریں میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ تمہارا ارش اب محض چند دنوں کا مہمان ہے تمہارے پاس۔ ڈاکٹرز کے مطابق میں زیادہ سے زیادہ صرف چھ ماہ زندہ رہ سکتا ہوں اور ان چھ ماہ میں‘ میں ہرگز تمہیں اپنے ساتھ پل پل مرتے نہیں دیکھ سکتا کیسے یقین دلاؤں تمہیں کہ میں نے تو کبھی ایسی زندگی ایسی بے بسی کا تصور بھی نہیں کیا تھا مگر پھر بھی یہ سب میرے ساتھ ہو گیا‘ زریں ایکسیڈنٹ کے بعد جب خدا نے تمہاری دعاؤں سے میری زندگی اور تمہاری محبت ایک دم سے میری جھولی میں ڈال دی تو میں خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ پھر جب اس بزرگ و برتر نے مجھے اولاد جیسی انمول دولت سے بھی مالا مال کر دیا تو مجھے لگا کہ ایک دن میں خوشی سے مر جاؤں گا تمہیں کیسے بتاؤں گا زریں کہ جب میں اپنی بیٹی کی چھوٹی چھوٹی روشن آنکھوں میں اپنی تصویر‘ اپنے لیے بے پناہ پیار دیکھتا ہوں تو میری کیا حالت ہوتی ہے؟ مجھے اپنی رمشا سے کس قدر پیار ہے تم چاہو بھی تو اس کا اندازہ نہیں لگا سکتیں مگر...... مگر یہ خوشیاں میرے پاس صرف چند لمحوں کی مہمان رہیں اور میں پھر سے غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

زریں میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ جب میں دل سے ہنسنا سیکھوں گا تو موت اتنی جلدی مجھے پکار لے گی۔ یوں بے تاب ہو جائے گی مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹنے کے لیے۔ اس روز کتنا خوش خوش نکلا تھا میں گھر سے سب کچھ ہی تو حاصل ہو گیا تھا مجھے۔ تم‘ پاپا اور میری رمشا پھر خوش کیسے نہ ہوتا میں مگر شاید تقدیر میری ہنسی کو گوارا نہیں کر پائی تب ہی تو اس نے مجھے اتنے ڈھیر سارے غم بنا مانگے ہی دے دیئے ہیں۔ زریں! جب میں تم سے نہیں ملا تھا تو جینا نہیں چاہتا تھا مگر اب میں جینا چاہتا ہوں۔ تو زندگی بڑی بے دردی سے مجھ سے اپنا ہاتھ چھڑا رہی ہے۔ جس دن دوسری بار میرا ایکسیڈنٹ ہوا اور میں بالکل اچانک سر میں اٹھنے والے شدید درد کے باعث گاڑی پر سے اپنا کنٹرول کھو بیٹھا اس روز میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مجھے برین ٹیومر بھی ہو سکتا

ہے۔ ہاں زریں تمہارے ارش کو برین ٹیومر ہے اور وہ تمہاری زندگی میں فقط چھ سات ماہ کا مہمان ہے کیونکہ ڈاکٹرز کے مطابق ٹیومر اپنی آخری اسٹیج تک پہنچ چکا ہے۔ یہاں کے ڈاکٹرز نے میری تفصیلی رپورٹس باقاعدہ باہر کے ڈاکٹرز سے بھی چیک کروائی ہیں اور ہر جگہ سے یہی رپورٹ ملی ہے کہ مجھے برین ٹیومر ہے اور یہ حقیقت جاننے کے بعد میں پل پل کیسے جیا مرا ہوں یہ صرف میرا دل جانتا ہے۔ بہت سوچا ہے میں نے کہ تمہیں کیسے بتاؤں؟ کیا بتاؤں؟ مگر ہر بار میں اپنا حوصلہ کھو بیٹھا زریں' میں جیتے جی تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لیے بہت سوچنے کے بعد میں نے یہ راستہ چنا ہے کہ میں تمہارے دل سے اپنی محبت نکال لوں تم مجھ سے اتنی نفرت کرنے پر مجبور ہو جاؤ کہ جب کل کو میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاؤں تو تمہیں قطعی دکھ نہ ہو مگر یہ راستہ جو میں نے خود اپنے لیے چنا ہے یہ مجھے ہر ہر پل اندر سے کاٹ رہا ہے زریں' کھوکھلا کر رہا ہے مجھے۔'' ارش کی موتیوں سی ہینڈ رائٹنگ میں تحریر دل چیر لینے والے الفاظ اس کے آنسوؤں کی یلغار میں گڈمڈ سے ہوگئے اور بے آواز سسک پڑی۔

''ارش تم موت کی وادی کی طرف جا رہے تھے اور تم نے مجھے خبر تک نہ ہونے دی۔ کیوں؟ کیوں اتنا بڑا دھوکا کیا میرے ساتھ؟ کیوں نہیں بتایا مجھے کہ تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ رہے ہو۔ میں تمہیں جی بھر کر دیکھ تو لیتی ارش' تمہارے گلے لگ کر دل کی بھڑاس تو نکال لیتی۔ تم مجھ کو بتاتے تو سہی ارش میں اپنی سانسیں تمہاری نظر کر دیتی تم کچھ کہتے تو سہی۔'' خود پر سے ایک مرتبہ پھر اس کا اختیار اٹھ چکا تھا۔ تب ہی وہ ہاتھوں کو زور زور سے ٹیبل کی سطح سے ٹکراتے ہوئے سسک پڑی۔ بلند آواز میں بین کرتے ہوئے چلا اٹھی اور آخر میں کسی ٹوٹے ہوئے درخت کی مانند ٹیبل کی سطح پر سر رکھ کر چپ چاپ رونے لگی۔ روتے سسکتے نہ جانے کتنا وقت بیت گیا۔

کھلی ہوئی کھڑکیوں سے معطر ہوا کے جھونکے کمرے میں ٹیبل پر رکھی ارش کی خوب صورت ڈائری کے اوراق پھڑ پھڑا رہے تھے اور وہ تھکے تھکے سے اعصاب کے ساتھ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی اپنے آپ سے بے خبر رہی۔

جس وقت وہ نڈھال وجود کے ساتھ وہاں سے اٹھی دن پوری طرح غروب ہو چکا تھا اور رات تیزی سے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ پورا وجود سسکیوں کی زد میں تھا اور وہ انتہائی غائب دماغی کے ساتھ ڈرائیونگ کرتی تقریباً تیس منٹ میں گھر پہنچی تو اپنی جان عزیز مریم کو شدت سے اپنا منتظر پایا۔ جو باہر لان کے قریب برآمدے میں ہی بے قراری سے ٹہل ٹہل کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ پھر جونہی اس کی گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوتے پاپا تیزی سے لپک کر اس کی طرف بڑھی۔

''زریں! کہاں چلی گئیں تھیں تم یہاں سب تمہارے لیے کس قدر پریشان ہیں تمہیں

کچھ اندازہ ہے اس کا؟'' اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک وہ خاصی اپ سیٹ رہی ہے اور شاید اس سے وابستہ دوسرے افراد بھی مگر اس وقت تو اسے اپنا ہوش نہیں تھا پھر کسی اور کی طرف کیا توجہ کرتی۔ سو چپ چاپ سر جھکائے بنا اس کے سوال کا کوئی جواب دیئے وہ اندر چلی آئی۔ جہاں نڈھال سے ریاض صاحب رمشا کو گود میں لیے بہلانے کی کوشش کر رہے تھے اور ان سے کچھ ہی فاصلے پر مریم کا بیٹا گویا کھیلتے کھیلتے صوفے پر ہی بے ترتیب سو گیا تھا۔ اس نے خاموشی سے آگے بڑھ کر رمشا کو ان کی گود سے لے لیا۔ پھر وہیں صوفے پر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس کے باپ کو کبھی اس کی ماں سے محبت نہیں ہو سکی تھی مگر اب ان کی موت کے فقط چند ماہ بعد ہی وہ کس قدر نڈھال دکھائی دینے لگے تھے۔ وہ جو زندگی بھر جاہ و جلال کا بہترین نمونہ بنے انتہائی طاقت ور نظر آتے تھے۔ اب فاطمہ بیگم کے بغیر کیسے کھوئے کھوئے سے تنہا رہنے لگے تھے۔

''زریں مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی بیٹے۔'' وہ جو بڑے انہماک سے رمشا کی پیٹھ سہلاتے ہوئے اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک دم ریاض صاحب کے دھیمے لہجے پر چونک کر انہیں استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اسی وقت مریم بھی اس کے پاس ہی آ بیٹھی۔

''دیکھو بیٹے جو قیامت ہم پر ٹوٹ چکی ہے ہم اس کے غم میں اپنی پوری زندگی نہیں تیاگ سکتے۔ تمہاری چھوٹی سی بچی ہے۔ اپنے لیے نہ سہی تمہیں کم از کم اسی کے لیے اپنا آپ سنبھالنا ہوگا۔ پرسوں مریم بیٹی بھی واپس اپنے گھر جا رہی ہے اور اسے جانا ہی ہے۔ وہ کب تک تمہارا دکھ بانٹ سکتی ہے؟ ایک نہ ایک دن تو تمہیں حقیقت کو قبول کرنا ہی پڑے گا تو پھر ابھی کیوں نہیں؟'' وہ نہ جانے کس بات کی تمہید باندھ رہے تھے۔ زرنیلا نے چپ چاپ خاموشی سے سر جھکا دیا۔

''زرنیلا بیٹے! اب جو بات میں تم سے کرنے جا رہا ہوں اسے خوب توجہ سے سنو اور اپنا فیصلہ ترتیب دو دیکھو بیٹے ارش اور اس کے پاپا کی ڈیتھ کے بعد اب تم ہی اس کی کل پراپرٹی کی مختار ہو میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنی طاقت نہیں رہی ہے کہ میں مزید کچھ عرصے تک یہ ذمے داریاں اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا سکوں لہٰذا بہتر ہوگا کہ اب تم ہی یہ سب کچھ سنبھال لو اور جو شیئرز وسیع رینج میں پھیلے ہوئے ہیں انہیں سمیٹ کر اپنے بزنس کو محدود کر لو میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس سب کا کوئی تجربہ نہیں ہے مگر اب اس کے سوا کوئی حل بھی نہیں ہے بیٹے کیونکہ نوخیز بیٹے اور امیر بیٹے کا تو اپنا بزنس بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے وہ کتنے دن تمہاری ہیلپ کر سکیں گے؟ اور جہاں تک تمہارے بھائی کا سوال ہے تو اسے تو تم جان ہی گئی ہو کیسے وہ ہم سے الگ ہو کر اپنی زندگی اپنے ڈھنگ سے جینے کا ارادہ کر چکا ہے ایسے میں ہمارے پاس سوائے اس کے کہ تم اپنا بزنس سنبھال لو اور کوئی حل نہیں ہے تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟'' اپنی بات خاصے مفصل انداز میں بیان کر کے

وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے تو زرنیلا نے بے حد مضطرب ہو کر مریم کی طرف دیکھا۔ جیسے اس کا ذہن یہ بات کسی طرح قبول ہی نہ کر پایا ہو۔

''ہاں زریں! انکل بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہم زیادہ دنوں تک ارش کی محنت سے حاصل کی ہوئی ایک ایک پائی کو دوسروں کے ہاتھوں میں سونپ کر برباد نہیں کر سکتے۔ وہ تو نوخیز دیکھ بھال کر رہے ہیں ورنہ تمہارے آفس ورکز کا بس چلے تو اپنی تجوریاں بھر لیں۔ دیکھو زریں اب تمہیں ارش کی اسی پراپرٹی پر پوری زندگی بسر کرنی ہے اپنا اور اپنی بچی کا مستقبل محفوظ بنانا ہے۔ اس لیے تمہیں حقیقت کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔ یوں رونے دھونے سے ہرگز مسئلہ حل نہیں ہوگا۔'' مریم جب بھی بولتی تھی اسے اپنے الفاظ کے حصار میں جکڑ لیتی تھی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا کہ اس کی مدلل انداز میں کہی باتیں سیدھی اس کے دل میں اتر گئیں اور وہ اندر ہی اندر اپنے آنسوؤں کو پیتی سر اثبات میں ہلانے لگی۔ ارش کے بغیر زندہ رہنے کا تصور ہی کرچی کرچی کر دینے کے مترادف تھا۔ پھر یہ تو حقیقت تھی اور حقیقت بھی اتنی تلخ کہ وہ پتھر ہو کر بھی تڑپ رہی تھی۔

آنے والے دن اس کے لیے مزید اداسی اور یاسیت لائے مگر اس نے تو جیسے سچ مچ خود کو پتھر کر لیا۔ ریاض صاحب' مریم اور نوخیز کی مدد سے' اس نے ارش کا وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا شاندار بزنس بہت حد تک سنبھال لیا تھا۔

رمشا پاؤں پاؤں چلنا سیکھ رہی تھی۔ اس کے لیے ایک آیا رکھ دی جو رمشا کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ریاض صاحب کا خیال بھی رکھ لیتی تھی اور وہ خود ایک حساس سی نازک لڑکی جسے صرف لفظوں سے کھیلنا آتا تھا۔ جو محض افسانے لکھنا اور جلنا کڑھنا ہی جانتی تھی اب کتنی جاں فشانی کے ساتھ شب و روز خود کو بزنس کے سپرد کر رہی تھی۔

کتنا ہی وقت بیت گیا۔ اس کی ننھی سی بیٹی اب نہ صرف پاؤں پاؤں چلتی تھی بلکہ بھاگتی دوڑتی میٹھا میٹھا بولنے اور اسکول میں پڑھنے بھی لگی تھی۔ زرنیلا نے اپنے آپ کو اتنا مصروف کر لیا تھا کہ اب اس کے پاس اپنی معصوم بچی کے ساتھ ہر فکر و پریشانی سے آزاد ہو کر گزارنے کے لیے کچھ لمحے بھی نہیں دستیاب تھے۔ تب ہی ریاض صاحب اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اس معصوم سی جان کے ساتھ گزارتے اور اس کی محرومیوں کا زیادہ سے زیادہ ازالہ کرنے کی کوشش کرتے۔

♥......♥......♥

اس روز موسم بے حد خوش گوار تھا۔ ہر طرف رنگ برنگ کھلے پھول اور سبزہ آنکھوں کو عجیب سی تازگی بخش رہے تھے۔ رمشا کی طبیعت آج کچھ بہتر نہیں تھی اس لیے اس نے اسکول سے چھٹی کر لی تھی اور اب زرنیلا کے سر ہوئی تھی کہ اسے کہیں سیر کے لیے لے کر جائے مگر اس کی چونکہ آج بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی لہٰذا وہ رمشا کی ضد کو خاطر میں لائے بغیر لنچ کے بعد آفس چلی

آئی اور رمشا اس سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر خود ہی بنا کسی کو مطلع کیے قریبی پارک میں چلی آئی جہاں اس کی عمر کے کتنے ہی معصوم فرشتے اپنی موج مستیوں میں گم تھے۔ کچھ بچے اپنے والدین کے ساتھ آئے تھے اور بھرپور خوش دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اداس سی ایک بینچ پر بیٹھ کر ان بچوں کو خوشی سے ہنستے کھیلتے دیکھنے لگی کہ اسی پل کوئی اس کے برابر میں بینچ پر آ بیٹھا مگر اس نے نظر ان ہنستے کھیلے بچوں پر سے نہیں اٹھائی۔

''ہیلو پیاری بچی' تم کون ہو؟'' نامانوس مردانہ اپنائیت بھری آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا اور استفہامیہ نگاہوں سے قدرے الجھ کر اس خوب صورت سے اجنبی چہرے کو دیکھا جو لبوں پر محسور کن میٹھی سی مسکان پھیلائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''میرا نام رمشا ہے' مگر آپ کون ہیں؟'' معصوم سا لہجہ ہنوز اداسی لیے ہوئے تھا۔ اجنبی نے بے حد دل چسپی سے اس کا اترا اترا سا چہرہ دیکھا۔

''میں...... میں آپ کا انکل اور آج سے آپ کا بیسٹ فرینڈ بھی۔ لائیے اپنا ہاتھ تاکہ ہم اپنی دوستی پکی کریں۔'' وہ بے حد فرینڈلی موڈ میں تھا۔ ہر قسم کی فکر سے بے نیاز رمشا نے خوشی سے سر ہلا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

''گڈ اب بتائیے آپ یہاں اداس کیوں بیٹھی ہیں؟ اور ممی پاپا کہاں ہیں آپ کے؟'' محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ خاصے کھلنڈرے انداز میں بولا مگر رمشا کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر اداسی پھیل گئی۔

''میرے پاپا یہاں نہیں ہیں اور مما کے پاس بھی میرے لیے بالکل وقت نہیں انکل کیا آپ کے پاس بھی آپ کے پاپا نہیں ہیں۔''

جب سے اس کے اسکول میں پیرنٹس ڈے ہوا تھا اس کا ذہن ایک ہی سوئی پر اٹک گیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے اس نے کبھی اتنی شدت سے باپ کی کمی محسوس نہیں کی تھی مگر اب تو گویا یہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا دکھ تھا۔ اجنبی نوجوان نے کس قدر الجھ کر اس کے اداس سے حسرت زدہ چہرے کو دیکھا جہاں ابھی کچھ دیر پہلے کیسے سات رنگ بکھر رہے تھے مگر اب پل کے پل میں وہ کیسے مرجھا سا گیا تھا۔

''پریشان نہ ہو بیٹے' اتنی سی بات پر یوں اداس تھوڑی ہو جاتے ہیں۔ چلو مما کے پاس اگر آپ کے لیے وقت نہیں ہے تو کیا ہوا۔ آج سے آپ کے یہ انکل آپ کو گھمائیں گے۔ پھرائیں گے۔ ڈھیر ساری چاکلیٹ لا کر دیں گے اور آپ کے ساتھ بہت سارا وقت گزاریں گے خوش؟'' وہ کبھی بچوں سے اتنا اٹیچ نہیں رہا تھا مگر اس ننھی سی خوب صورت پری میں نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ ارادہ کے بغیر خود بہ خود اس کی جانب کھنچ آیا تھا اور اب بلا سبب ہی اس کا من

بہلانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب رہی تھی کیونکہ بچی کے چہرے پر اب اداسی کی جگہ پھر سے شگفتگی نے لے لی تھی اور وہ بھر پور خوشی سے سر ہلا کر اپنے اندر کی مسرتوں کا اظہار کر رہی تھی۔

اس روز وہاں پارک میں وہ کتنی ہی دیر تک اس ننھی پری کے ساتھ باتوں میں محو رہا اور اسے یہ سب بہت اچھا بھی لگ رہا تھا جس وقت وہ وہاں سے واپس آیا ہر طرف اچھا خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا اور وہ اس معصوم سی گڑیا کا ہاتھ تھام کر اسے پیدل ہی اس کے گھر تک چھوڑنے آیا تھا۔

آج سے سات سال قبل جب وہ اس سر زمین سے روٹھ کر ہمیشہ کے لیے لندن چلا گیا تھا تو کتنا بوجھل تھا دل لب مسکراہٹوں کو ترس گئے تھے مگر آج سات سال کے بعد جب وہ اپنے والدین کے ساتھ ان کی پسند سے شادی کر کے اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ اس خوب صورت سر زمین میں داخل ہوا تو گویا اندر کا سارا نظام ہی بدل گیا تھا گو اس کی شادی صرف ایک سمجھوتہ تھی۔ والدین کی خوشی کے لیے اسے اپنی تمناؤں کا خون کر کے جبر کا یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا تھا مگر وہ پھر بھی خوش تھا باوجود اس کے اس کی شادی زیادہ عرصے تک نہیں چل سکی تھی کیونکہ پاکستان آتے ہی اس کی نازک مزاج بیوی یہاں کے ماحول کو اپنی ناپسندیدگی کی سند بخش کر اس سے طلاق کے بعد واپس یورپ چلی گئی تھی مگر وہ پھر بھی اپنے چھ سالہ گول مٹول ذہین سے خوب رو بیٹے کے ساتھ انہی فضاؤں میں ماضی کے سنگ سنگ خاصا خوش تھا۔

زرنیلا ان دنوں شدت سے یہ بات محسوس کر رہی تھی کہ اس کی بیٹی قطعی غیر محسوس طریقے سے روز بروز اس سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ کیونکہ اب نہ تو وہ اسے ریاض صاحب کے کمرے میں گھسی ملتی تھی اور نہ ہی اس سے ٹائم نہ دینے کی شکایت کرتی تھی۔ صبح خوشی خوشی اسکول جاتی اور واپسی پر تھوڑی دیر آرام کے بعد باہر کھیلنے کے لیے نکل جاتی۔ جہاں سے اس کی واپسی پھر دن ڈھلے ہی ہوتی تھی۔ اس روز بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ آفس سے گھر واپس لوٹی تو رمشا اچھی طرح تیار ہو کر باہر نکلنے کی تیاریوں میں تھی۔ جب کہ ریاض صاحب اپنی دواؤں کے زیر اثر اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔ سخت ٹینشن کے عالم میں وہ رمشا کی طرف لپکی اور آگے بڑھ کر اس کا بازو دبوچ لیا۔

''مشی! کہاں جا رہی ہو تم اس وقت؟ چلو بیٹھ کر اپنا ہوم ورک کرو۔'' ایک تو بزنس میں دن بدن نقصان ہو رہا تھا اوپر سے یہ بچی۔ اسے ہر وقت اچھی خاصی ٹینشن رہنے لگی تھی۔ سو اس وقت بھی قدرے ڈپٹ کر بولی تو رمشا مچل کر رہ گئی۔

''نہیں مما آج انکل کا برتھ ڈے ہے۔ آج میں ضرور جاؤں گی۔ ہوم ورک تو میں

رات کو کر لوں گی۔'' اس کے پاس تو گویا ہر مسئلے کا حل تھا۔ زرنیلا نے کس قدر الجھ کر اسے دیکھا۔

''کون انکل اور تم کیسے جانتی ہو انہیں؟'' غائب دماغی کے ساتھ اس نے پوچھا تھا رمشا خوش ہو گئی۔

''وہ...... وہ مجھے پارک میں ملے تھے۔ بہت اچھے ہیں مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بالکل پاپا کی طرح آپ میری مما ہیں لیکن آپ کے پاس میرے لیے بالکل بھی ٹائم نہیں ہے۔ لیکن انکل مجھے کبھی رونے نہیں دیتے ہر روز ڈھیر ساری ٹافیاں' چاکلیٹ اور بسکٹ لاتے ہیں میرے لیے اور خوب اچھی اچھی باتیں بتاتے ہیں۔ اچھا اب میں جاؤں انکل میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' معصوم سی بچی اپنی ہی رو میں روداد سُنا کر جلدی سے بھاگ گئی اور وہ وہیں خالی خالی سی آنکھوں سے پتھرئی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

اور یہی ٹینشن تھی جو اس روز اسے پارک تک لے آئی۔ زندگی بھی بعض اوقات کیسے کیسے امتحان لے لیتی ہے۔ ماضی میں جس شخص پر اس نے نگاہ غلط تک ڈالنا گوارہ نہیں کی تھی آج اس سے کچھ ہی فاصلے پر اس کی متاع حیات بیٹی اسی شخص کی گود میں بیٹھی ہر رشتے کو فراموش کیے خوشی خوشی کھیل رہی تھی۔ ایک پل کے لیے تو اسے چکر سا آ گیا۔ سات سالوں کے بعد وہ شخص یوں سامنے آئے گا اس نے کبھی ایک پل کے لیے بھی نہیں سوچا تھا۔ اسے لگا کہ جیسے سنوان آفندی جان بوجھ کر اس کی بیٹی کو اپنی طرف مائل کر کے اس سے دور کر رہا ہوتا کہ اس سے اپنے ٹھکرائے جانے کا بدلہ لے سکے اور اس خیال کے ذہن میں ابھرتے ہی ایک مرتبہ پھر اس کے دل میں سنوان آفندی کے لیے نفرت ہی نفرت بکھر گئی۔

اس روز وہ چپ چاپ وہاں سے واپس چلی آئی تھی کیونکہ دماغ و دل میں غم و غصے کے ابال اٹھ رہے تھے اور وہ ایسی کنڈیشن میں قطعی اس شخص کے منہ لگنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر آنے والے دنوں میں اس نے اپنی تمام مصروفیات پس پشت ڈال کر زیادہ سے زیادہ وقت اپنی بیٹی کے ساتھ گزارنا شروع کر دیا۔ کبھی گھر کے وسیع لان میں اس کے ساتھ کرکٹ کھیل رہی ہوتی تو کبھی کبھی بیڈمنٹن تو کبھی لیڈو اس روز بھی وہ دونوں چھپن چھپائی کھیل رہے تھے اور باری زرنیلا کی تھی)۔ لہٰذا وہ آنکھوں پر دوپٹہ باندھ کر کھلے ہوئے گیلے بالوں کے ساتھ خاصے سلجھے ہوئے حلیے میں رمشا کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی جب اچانک سنوان آفندی نپے تلے قدم اٹھاتا۔ وہیں لان میں چلا آیا اور بے حد حیرانگی سے کس قدر بے یقینی کے ساتھ پتھر بنا اس خوب صورت سی لڑکی کو دیکھتا رہا جسے اس نے اپنی زندگی میں سب سے بڑھ کر چاہا تھا۔

وہ اسی طرح مبہوت سا کھڑا اسے کھیلتے ہوئے دیکھتا رہا کہ اسی پل رمشا کو ڈھونڈتے ہوئے وہ اس کے قریب چلی آئی اور دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو تھام لیا مگر یہ سب صرف ایک

پل کے لیے تھا کیونکہ اگلے ہی پل وہ اپنی آنکھوں پر بندھی پٹی اتار کر شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔ جب کہ رمشا جو دور کھڑی ہنس رہی تھی دوڑ کر آئی اور اس سے لپٹ گئی۔ زرنیلا نے لپک کر اسے سنوان آفندی سے الگ کیا۔ پھر دہاڑتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیوں چلے آئے ہو تم یہاں؟ کیوں ہم ماں بیٹی کی زندگی میں زہر گھول دینا چاہتے ہو تم؟ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا جو تم مجھے سکون سے جینے نہیں دیتے؟" اس وقت وہ ہر ادب و احترام فراموش کر چکی تھی۔ سنوان نے کس قدر دکھ سے اسے دیکھا پھر ایک افسردہ سی نظر وہ اس کے پہلو میں کھڑی اس ننھی سی گڑیا پر ڈال کر مرے مرے سے قدم اٹھاتا وہیں سے واپس چلا آیا۔

وہ تو یہاں قطعی بے خبری کے عالم میں صرف اور صرف اس ننھی بچی سے ملنے آیا تھا۔ جو گزشتہ کئی روز سے پارک نہیں آ رہی تھی اس کی بیماری یا کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خیال ہی اسے تڑپا گیا تھا۔ مگر زندگی یوں سات سال کے بعد اس پتھر کے مجسمے کے سامنے لا کھڑا کرے گی اس کا تو تصور بھی نہیں تھا اس کے پاس۔

کتنا ہرٹ ہوا تھا وہ اس روز مگر زرنیلا کو قطعی اس کی کوئی پروا نہیں تھی بلکہ اسے پہلے سے زیادہ اپنی بیٹی کی فکر ہو گئی تھی۔ تب ہی تو وہ بنا کسی بھی چیز کی پروا کیے اگلے چند ہی روز میں ریاض صاحب اور رمشا کے ساتھ گھومنے پھرنے کے بہانے سے مریم کے پاس برطانیہ چلی آئی جہاں وہ لوگ حال ہی میں ایڈجسٹ ہوئے تھے۔

مریم تو بالکل اچانک اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کر حیرت اور خوشی سے گویا پاگل ہی ہو گئی۔ اسے خود سے لپٹا کر کسی چھوٹے سے بچے کی مانند چوم چوم ڈالا۔ مارے خوشی کے اس کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ خود وہ بھی تو اس سے مل کر کتنی پرسکون ہو گئی تھی۔ ارش کے بعد اب ایک یہی ہستی تو باقی رہ گئی تھی جو اسے زندہ ہونے کا احساس دلاتی تھی جس سے وہ اپنا ہر دکھ سکھ بڑے دھڑلے سے شیئر کر سکتی تھی۔

شام میں نوخیز گل کی واپسی ہوئی تو وہ بھی اسے وہاں بالکل اچانک دیکھ کر بے حد خوش ہوا ریاض صاحب سے دعا سلام کے بعد وہ رمشا کو گود میں اٹھا کر باہر لے گیا۔ تاکہ ان کی خاطر مدارت کے لیے شام میں بہت اسپیشل سے انتظام کا بندوبست کیا جا سکے یہ محبتیں پہلے کی طرح آج بھی اتنی ہی میٹھی اور پُرخلوص تھیں کہ زرنیلا بے جھجک ان پر فخر کر سکتی تھی۔

ایک ہفتے بھرپور لندن اور دیگر خوب صورت مقامات کی سیر کے بعد مریم اور نوخیز نے ان خوب صورت لمحات کو یادگار بنانے کی غرض سے اپنی تمام مصروفیات پس پشت ڈال کر فرانس کے ٹکٹ کنفرم کروائے اور پوری فیملی کی صورت میں پیرس چلے آئے۔ ارش کا بچپن اسی شہر میں گزار تھا۔ ان ہواؤں ان فضاؤں میں اس کی سانسوں کی مہک تھی یہاں کے ہر ہر قدم پر اس کی

یادیں بکھری تھیں۔ وہ جب بھی بہت ٹینس ہوتا تھا تو اسی شہر کی فضاؤں کے ساتھ اپنا دکھ شیئر کرتا تھا۔ مریم اسے ارش کی زندگی کے بارے میں بتا رہی تھی اور وہ گم صم سی ہر ہر چیز ہر ہر مقام کو یوں آنکھوں میں بھر رہی تھی گویا روح کے اندر اتار رہی ہو۔ روشنیوں اور خوشبوؤں کے اس شہر میں آ کر اسے حقیقی سرور ملا تھا۔

نوخیز کا ایک دوست اسی شہر میں قیام پذیر تھا۔ لہٰذا وہ ہوٹل وغیرہ کے خرچے سے بچ گئے۔ ننھی رمشا تو یہاں آ کر اس قدر خوش تھی گویا قارون کا خزانہ مل گیا ہوا اسے۔ اپریل کا مہینہ چل رہا تھا اور پورے پیرس میں گویا بہار سی امڈ آئی تھی۔ مکمل ایک دن آرام کے بعد وہ لوگ سیر کے لیے گروپ کی شکل میں نکل کھڑے ہوئے۔ زرنیلا کے لیے یہ دنیا ایک دم نئی تھی۔

نوخیز‘ ریاض صاحب اور نوخیز کا دوست ان سے قدرے فاصلے پر اپنی ہی باتوں میں محو آگے آگے چل رہے تھے۔

جبکہ مریم اور وہ اسے کافی پیچھے تھے۔

رات کے گہرے ہوئے دھندلکے ”ایفل ٹاور“ کی چکاچوند روشنی میں ڈوب کر اپنا وجود کھو بیٹھے تھے۔ کتنی رونق تھی یہاں۔

ہر فرد مستی میں گم تھا۔ ”ایفل ٹاور“ کی دلکشی نے واقعی اُس کی نگاہوں کو مبہوت کر ڈالا تھا۔ جبکہ ننھی رمشہ‘ جوحنان کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی‘ خوشی سے بے حال دکھائی دے رہی تھی۔

اچھی طرح ”ایفل ٹاور“ کی دلکشی کا نظارہ کرنے کے بعد وہ لوگ ”نیوٹرے ڈیم“ کی طرف نکل آئے اردگرد سبزے میں گھرا‘ ٹھہرے اُداس پانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے وہ زرنیلا کا دِل اپنی طرف کھینچ گیا تھا۔

”نیوٹرے ڈیم“ کی اُداسی و دل کشی‘ ایفل ٹاور کی خوبصورتی و رونق پر بھی بھاری پڑ گئی تھی۔

نوخیز اور مریم‘ ابھی اُسے مزید گھمانا چاہتے تھے‘ مگر وہ وہیں اُداس پانیوں میں گھرے نیوٹرے ڈیم“ کی سائیڈ پر‘ بیٹھ گئی۔ آنکھوں کو عجیب سی تراوٹ بخشنے والا سبزہ‘ اُسے متاثر کر رہا تھا۔

”مریم......کبھی میرا ارش بھی یہاں آیا ہوگا ناں......؟ کبھی اُس نے بھی یہاں بیٹھ کر‘ میرے بارے میں سوچا ہوگا۔“

”ہاں...... وہ جب بھی شدید ڈیپریس ہوتا تھا‘ یہیں آتا تھا‘ یہ فیورٹ جگہ تھی اُس کی۔“

مریم اُسے اِس ڈیم کے متعلق کچھ اور بھی بتا رہی تھی‘ مگر وہ اُسے سُن کہاں رہی تھی۔

اُس کی آنکھیں تو اردگرد کی ہر چیز میں ارش کے عکس کو تلاش کر رہی تھیں۔ اور جب وہ

اُسے مجسم دیکھائی نہ دے سکا تو اُس نے شدید مایوس ہو کر مریم سے واپسی کیلئے کہہ دیا۔

''کچھ اور گھوموگی؟'' مریم نے سوال کیا۔

''نہیں تھکن بہت ہو چکی ہے پلیز اب گھر چلو۔'' اس کے نڈھال سے لہجے پر مریم نے بڑا بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔ پھر اس کے صبیح گالوں کو نرمی سے چھوتے ہوئے نوخیز سے واپسی کی درخواست کر دی۔ رات گئے ان لوگوں کی واپسی ہوئی تھی زرنیلا تو مارے تھکن کے بے حال تھی۔ تب ہی اگلے روز وہ خاصی دیر سے بیدار ہوئی۔

''ہیلو گڈ مارننگ پریٹی گرل ہاؤ آر یو۔'' وہ یونہی بیڈ کے سرہانے ٹکی کل شام کی سیر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جب ہلکے سے دروازہ ناک کر کے مریم کمرے کے اندر چلی آئی اور انتہائی بشاش لہجے میں اس کی خیریت دریافت کی۔ جواب میں وہ محض ذرا سا مسکرا کے رہ گئی۔

''کہو کل کی وزٹ کیسی رہی؟ اور یہ بھی کہ پیرس کیسا لگا تمہیں؟'' وہ انتہائی خوش گوار موڈ میں تھی مگر زرنیلا چاہ کر بھی اپنے چہرے کو چیئر اپ نہ کر پائی۔ تب ہی دھیمے لہجے میں بولی۔ ''بہت اچھا لگا۔''

''تو پھر کیا خیال ہے۔ پاکستان میں سب کچھ سمیٹ کر یہیں آ جاؤ ہمیشہ کے لیے ہر روز خوب گھومیں پھریں گے۔'' وہ بے حد پرجوش ہو رہی تھی۔ زرنیلا کے لبوں پر پھیکی سی ہنسی بکھر گئی۔

''نہیں یار یہ بھی کہاں ممکن ہے۔ پاکستان سے تو میری سانسیں جڑی ہیں۔ پھر کیسے چھوڑ سکتی ہوں اسے؟'' اس کے لہجے میں حد درجہ اداسی تھی۔ مریم نے بات آگے بڑھانے سے بہتر اسے فریش اپ ہونے کی تلقین کرنا ضروری سمجھا اور اگلے ہی لمحے اس کے گال تھپتھپاتی ہلکے سے مسکراتے ہوئے باہر نکل آئی۔

پیرس میں پورا ایک ہفتہ گزارنے کے بعد وہ لوگ وہاں کی ڈھیر ساری خوب صورت یادیں سمیٹ کر واپس لندن آ گئے جہاں کچھ دن مزید قیام کے بعد وہ مریم اور نوخیز کی ڈھیروں محبتیں سمیٹنے کے بعد واپس پاکستان آ گئی۔

پیرس سے لندن اور لندن سے پاکستان واپس آنے میں اسے تقریباً ایک ماہ لگ گیا تھا اور اس ایک ماہ میں اس کا شاندار بزنس بڑے پیمانے پر دلوالیہ ہو کر رہ گیا۔ ریاض صاحب اس صدمے سے ایسے بستر سے لگے کہ پھر صحت یاب ہونے کا نام ہی نہ لیا۔ خود وہ بھی بری طرح بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ بینک میں جو تھوڑے بہت پیسے جمع تھے وہ سب ریاض صاحب کے علاج کی نذر ہو گئے مگر پھر بھی کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہو پایا تھا۔ وہ تو ابھی تک ارش اور اپنی عزیز از جان ماں کی دائمی جدائی کا صدمہ ہی قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر ریاض صاحب کو کھونے کا تصور کیسے کر لیتی اسی

لیے ہر نفع و نقصان سے آنکھیں چرائے وہ شب و روز ان کی تیمار داری میں مصروف تھی۔ اتنے بڑے شہر میں کوئی بھی تو ایسا نہ تھا جس سے وہ مدد مانگتی یا پھر جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ کم از کم دو آنسو ہی بہالیتی فائیلہ اور ساجد تو یوں لاتعلق ہوئے تھے جیسے پاکستان سے ان کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ خود اس نے کتنی مرتبہ ان دونوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ مریم لوگوں کو پھر سے تکلیف دینے کی اس کی ہمت نہ ہوئی سوخت بے بسی کے عالم میں جس قدر اس سے ہو سکا وہ خود ہی انہیں سنبھالتی رہی۔

رمشا کے لیے اس کی مصروفیت کا یہ پریڈ کسی غنیمت سے ہرگز کم نہیں تھا۔ اپنے سابقہ معمولات کے مطابق وہ ہر روز بڑے سکون کے ساتھ پارک جاتی اور سنوان آفندی سے ڈھیروں باتیں کرتی سنوان کے ساتھ اب اس کا چھ سالہ پیارا سا بیٹا بھی ہوتا تھا جس سے مل کر رمشا کو بے حد خوشی ہوئی تھی۔

اس روز ریاض صاحب کی طبیعت بہت خراب تھی۔ پوری رات وہ سو نہیں پائے تھے اور ان کی وجہ سے زرنیلا بھی رات بھر جاگتی رہی تھی۔ صبح جب رمشا بیدار ہوئی۔ تب بھی وہ معمول کے خلاف ریاض صاحب کی دیکھ بھال میں ہی مصروف تھی۔ اس روز رمشا ناشتہ کیے بغیر خود ہی تیار ہو کر اسکول چلی گئی تھی۔ پھر اسکول سے واپسی پر جب وہ گھر لوٹی تو زرنیلا تصویروں کے البم میں کھوئی چپکے چپکے رو رہی تھی۔ ننھی سی رمشا کے دل پر تو جیسے ماں کو روتا دیکھ کر آرے سے چل گئے دوڑ کر وہ اس کے قریب پہنچی اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے گالوں پر لڑھکتے آنسو پونچھ ڈالے۔

''مما! آپ اپنے پاپا کی وجہ سے رو رہی ہیں ناں؟ مجھے بھی پاپا بہت یاد آتے ہیں مگر میں تو آپ کی طرح کبھی نہیں روتی کیوں کہ انکل کہتے ہیں کہ اچھے بچے کبھی آنسو نہیں بہاتے اور نہ ہی اداس ہوتے ہیں پھر آپ کیوں رو رہی ہیں مما؟ کیا آپ اچھی بچی نہیں ہیں؟'' اپنے چھوٹے چھوٹے سے ہاتھوں سے وہ اس کے بہتے آنسو پونچھتی معصومیت سے بولی تو زرنیلا کی سسکیاں نکل گئیں۔ اس کا منا سا وجود بانہوں میں بھر کر وہ بری طرح رو پڑی تو رمشا کے لیے اپنی ماں کو چپ کروانا مشکل گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ خود ہی چپ ہو گئی تو اس نے سکون کا سانس لیا کیونکہ ماں کا یوں بری طرح سے رونا اسے ذہنی طور پر بری طرح ڈسٹرب کر گیا تھا۔

زرنیلا آنسو پونچھ کر اس کے گال تھپتھپاتی اسے یونیفارم چینج کر کے ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیتی کچن کی طرف چلی گئی تو وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ کر وہ تصویروں والا البم دیکھنے لگی جس نے زرنیلا کو رُلا دیا تھا۔ البم کی پہلی تصویر نے ہی اسے چونک جانے پر مجبور کر دیا کیونکہ تصویر میں زرنیلا اور ایک خوب صورت سا مرد بالکل ساتھ ساتھ کھڑے تھے اور اس مرد کے بازوؤں میں ایک

ننھی سی بچی تھی وہ ابھی اسی تصور میں کھوئی ہوئی تھی کہ زرنیلا وہاں چلی آئی۔

"مما! یہ میرے پاپا ہیں ناں؟" زرنیلا کے کچھ کہنے سے قبل وہ ارش کی تصویر پر انگلی رکھ کر معصومیت سے بولی تو زرنیلا نے چپ چاپ اثبات میں سر ہلا دیا۔ کھانا کھانے کا کہہ کر وہ پھر سے ریاض صاحب کی طرف چلی گئی۔

وہ دن تو گویا رمشا کے لیے عید کا دن تھا۔ شام میں وہ جس وقت سنوان سے ملنے پارک گئی۔ اس کی خوشی دیدنی تھی اور اس کی اس خوشی سے بے حال کیفیت کو سنوان آفندی نے بھی خصوصی نوٹ کیا تب ہی پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیا بات ہے بیٹے؟ آج آپ بہت خوش دکھائی دے رہی ہیں۔"

"ہاں انکل آج میں بہت خوش ہوں پتا ہے۔ آج میں نے اپنے پاپا کو دیکھا۔ میرے پاپا بہت خوب صورت ہیں۔"

"اوہ اچھا یعنی آج آپ کے پاپا گھر واپس لوٹ آئے؟" جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ رمشا' زرنیلا کی بیٹی ہے اس ننھی پری سے اس کی محبت مزید بڑھ گئی تھی مگر وہ زرنیلا کے حال سے یکسر لاعلم تھا۔

"اوں ہوں پاپا کو تو میں نے تصویر میں دیکھا تھا۔ مما مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتاتیں اور انکل پتا ہے آج کل ناں مما بہت روتی ہیں ہر وقت آنسو بہاتی رہتی ہیں۔ ان کے پاپا جو بیمار ہیں۔ انکل آپ تو ڈاکٹر ہیں ناں پھر آپ میرے نانا جان کو ٹھیک کیوں نہیں کر دیتے؟" معصوم لہجے میں اسے زرنیلا کی بابت بتاتے بتاتے اس نے سوال کیا تو سنوان جو کھوئے کھوئے سے انداز میں اس کی باتیں سن رہا تھا۔ ایک دم چونک پڑا پھر اسے پیار سے چومتے ہوئے گود میں بٹھایا اور محبت سے بولا۔

"کیوں نہیں بیٹے میں شام کو آپ کے گھر آؤں گا مگر آپ اپنی مما کو مت بتانا اوکے؟"

زرنیلا کے ہمہ وقت رونے کا سن کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔ تب ہی دل فوراً اس سے ملنے کو مچل اٹھا۔ رمشا نے اس کی ہدایت پر فرمانبرداری سے سر ہلایا۔ پھر شام کو ضرور آنے کی ریکوسٹ کرتی وہاں سے بھاگ آئی۔

سنوان گھر واپس آیا تو ایک عجیب سی بے قراری اسے بے کل کر رہی تھی۔ بار بار زرنیلا کا تصور پریشان کر رہا تھا۔ ارش کی وجہ سے وہ پہلے بھی ایک بار اپنی جان تک پر کھیل گئی تھی۔ پھر اس کا ایک لمبے عرصے تک اپنی بیٹی کو اس سے بے خبر رکھنا اور تنہا رہنا اس کے دل میں بہت سے شکوک و شبہات کو جنم دے دیا گیا تھا۔ رہ رہ کر اسے خیال آ رہا تھا کہ ارش کہیں اس سے بے وفائی

کر کے اسے چھوڑ کر نہ چلا گیا ہو۔

جس وقت وہ گھر سے ریاض ہاؤس کے لیے نکلا اس کا ذہن بے حد ڈسٹرب تھا۔ دل چاہتا تھا کہ زرنیلا کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر پوچھے کہ کیا یہی تھی ارش کی محبت؟ جس کے لیے اس سنگ دل نے اس کا پرخلوص پیار ٹھکرا دیا۔ وہ جو اسے اپنی جان سے بڑھ کر چاہتا تھا۔ دن رات جس کا ایک آنسو اس کی جان پر بنا دیتا تھا اور وہ اسے ہی قابل نفرت سمجھتی تھی۔

نہایت بوجھل دل کے ساتھ وہ جونہی گھر کے اندر داخل ہوا ننھی رمشا کو شدت سے اپنا منتظر پایا وہ باہر برآمدے میں ہی ٹہل ٹہل کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے جونہی گاڑی سے نکلتے دیکھا دوڑ کر اس کے قریب آئی اور خوشی سے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ سنوان نے جھک کر اسے گود میں اٹھایا اور چٹ پٹ ڈھیر سارا پیار کر ڈالا۔

"انکل! میں جانتی تھی کہ آپ ضرور آئیں گے۔ نانا جان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ مما صبح سے اسپتال گئی ہوئی تھیں ابھی ابھی گھر لوٹی ہیں اور بہت پریشان ہیں۔"

وہ اس سے گھر کی کوئی بات نہیں چھپاتی تھی۔ سنوان نے محبت سے اس کے گال چومتے ہوئے اسے گود سے اتارا۔ پھر اس کی انگلی تھام کر بڑے بڑے قدم اٹھاتا' ریاض صاحب کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ جہاں وہ اپنی اکھڑی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے اور زرنیلا بدحواس سی ہو کر انہیں پانی پلانے کی سعی کر رہی تھی۔

کس قدر بے یقین سا منظر تھا یہ کروڑوں کے مالک ارش احمر کی وائف اور ایسی بے بسی؟ اسے تو اپنی بصارتوں پر جیسے یقین ہی نہ آیا تاہم آگے بڑھ کر وہ ریاض صاحب کے قریب پہنچا تو زرنیلا نے کس قدر حیرانی سے اسے دیکھا۔

"دیکھو میں اس وقت تم سے کسی بھی قسم کی لڑائی کے موڈ میں قطعی نہیں ہوں۔ میں یہاں صرف اور صرف ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے ریاض صاحب کو دیکھنے آیا ہوں۔ اس لیے پلیز مجھ سے الجھے بغیر یہ بتا دو کہ تم نے ریاض صاحب کو اسپتال میں ایڈمٹ کیوں نہیں کرایا۔"

وہ اسے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنے ہی والی تھی کہ سنوان نے قطعی لہجہ اپناتے ہوئے اسے فوراً ٹوک دیا۔ تو ناچار اسے ضبط کرنا پڑا تاہم وہ اپنے لہجے کو روڈ ہونے سے نہ روک پائی اور انتہائی سرد مہری سے بولی۔

"میرے گھر کا ہر مسئلہ میرا پرسنل پرابلم ہے مسٹر سنوان آفندی صاحب جسے میں قطعی آپ کے ساتھ شیئر کرنا پسند نہیں کر سکتی۔ اس لیے برائے مہربانی آپ یہاں سے تشریف لے جائیے کیونکہ مجھے آپ کی کسی بھی قسم کی کوئی ہیلپ نہیں چاہیے۔" انتہائی خشک لہجے میں کہتی وہ ریاض صاحب کے کمرے سے باہر نکل آئی تو سنوان کو بھی اس کے پیچھے ہی باہر آنا پڑا۔

"ہاں مانتا ہوں کہ بہت خود دار ہو تم مگر کیا ہوا تمہاری خودداری کا۔ وہ ارش احمر جس کی محبت پر بہت ناز تھا تمہیں کیسے بے وقوف بنا گیا تمہیں تمہاری ساری خودداری تمہارے منہ پر مار کر دھوکہ دے کر چلا گیا تمہیں۔" وہ کبھی اس سے اتنے تلخ انداز میں بات کرنا نہیں چاہتا تھا مگر اس وقت اسے زرنیلا کی ضدی طبیعت پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ تب ہی وہ اپنے آپے سے باہر ہو کر اس پر چلا اٹھا۔ مگر اس کے اس انداز پر زرنیلا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ مسٹر سنوان آفندی' آپ بھول رہے ہیں کہ اس وقت آپ میرے گھر میں کھڑے ہیں اور ایک بات اور دھوکے بازی میرے ارش کی فطرت نہیں تھی۔ اس لیے آئندہ کچھ بھی الٹا سیدھا بولنے سے قبل اپنے گھٹیا الفاظ پر ایک مرتبہ غور ضرور کر لیجئے گا۔"

اے ارش کے متعلق سنوان کے الفاظ نے حقیقی طور پر گہری تکلیف دی تھی۔ تب ہی وہ یوں چیخ پڑی۔ پھر نفرت بھری ایک نگاہ اس پر ڈال کر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ سنوان نے سر جھٹکتے ہوئے پینٹ کی پاکٹ سے اپنا موبائل نکالا۔ پھر اسپتال میں اپنے ایک کولیگ سے ریاض صاحب کے کیس کے بارے میں بات کی اور قدم ان کے کمرے کی طرف بڑھا دیئے۔ ریاض صاحب تو اس سے واقف تھے۔ کیونکہ زرنیلا کا کیس اسی نے ہینڈل کیا تھا پھر فاطمہ بیگم کا اپنڈکس کا آپریشن بھی اسی کے ہاتھوں ہوا تھا۔ وہ تو اسے یہاں اپنے گھر اپنے کمرے میں دیکھ کر ہی حیران رہ گئے۔ سنوان کتنی ہی دیر ان کے پاس بیٹھا گزرے ہوئے ماضی کی بابت گفتگو کرتا رہا اور ریاض صاحب انہیں اپنے اوپر ٹوٹنے والی قیامتوں کی روداد سناتے رہے۔ زرنیلا کی زندگی کے بارے میں اصل حقیقت جان کر اسے دلی صدمہ پہنچا تھا۔ تب ہی اگلے روز اس نے اپنے خرچ پر زرنیلا کے لاکھ انکار پر ریاض صاحب کو اسپتال میں ایڈمٹ کروا دیا اور ان کے اسپیشل علاج کی ہدایت بھی کر دی۔

زرنیلا' ریاض صاحب سے سخت ناراض تھی کہ انہوں نے سنوان آفندی کا احسان کیوں لیا مگر وہ وضاحتیں دیتے نہ تھک رہے تھے کہ سنوان نے علاج کے سلسلے میں ان سے قطعی کوئی اجازت ہی نہ لی تھی بلکہ بڑے استحقاق کے ساتھ خود ہی انہیں اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے آیا۔ جہاں ان کا اسپیشل علاج چل رہا تھا۔ وہی ڈاکٹر جو کچھ روز پہلے پیسوں کا بندوبست نہ ہونے کے باعث اس کی بات تک سننے کے روادار نہ تھے۔ اب فقط کچھ ہی روز کے بعد کیسے اس کے آگے پیچھے پھرتے ہوئے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس روز وہ ریاض صاحب سے ملنے اسپتال آئی تو انہوں نے باتوں باتوں میں ہی بالکل اچانک وہ تکلیف دہ موضوع چھیڑ دیا جو زرنیلا کی جان پر بنا گیا تھا۔ وہ انہیں سیب کاٹ کر کھلا رہی تھی۔ جب بالکل اچانک انہوں عاجزانہ انداز میں کہا۔

"زریں بیٹے! میں جانتا ہوں کہ میری یہ زندگی بہت زیادہ دنوں پر محیط نہیں ہے۔ اس

لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کرنے سے پہلے تجھے پھر سے محفوظ ہاتھوں میں سونپ دوں دیکھو بیٹی میں جانتا ہوں کہ تم بہت بہادر ہو مگر بیٹا اس معاشرے میں کسی بھی بہادر سے بہادر عورت کا ایک مضبوط مرد کے بغیر کوئی گزارہ نہیں۔ تمہاری بیٹی ابھی بہت چھوٹی ہے۔ آج تو میں تمہارے ساتھ ہوں مگر کل کو جب میں بھی نہ رہا تو تم کیا کرو گی؟ کیسے خود کو اور اپنی بچی کو محفوظ رکھ پاؤ گی؟ پھر بزنس کا جو حال ہے وہ تو تم اچھی طرح جانتی ہو اس لیے بیٹے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے مرنے سے پہلے کسی کی محفوظ پناہ گاہ میں چلی جاؤ جہاں کوئی تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔"

یہ وہی ریاض صاحب تھے جن کے لبوں سے نکلے الفاظ اسے ہمیشہ آگ کے گولے لگتے تھے۔ انہیں وہ اپنا سگا باپ ماننے سے ہی انکاری تھی مگر آج ان کا لہجہ کس قدر رلا دینے والا تھا۔ اولاد کی محبت اور فکر میں ڈوبا اپنائیت بھرا لہجہ اس کی پلکیں بھگو گیا۔

"بابا سب سے محفوظ پناہ گاہ تو قدرت کی ذات ہے۔ جب تک اس کا کرم مجھ پر ہے آپ پلیز میری فکر مت کریں اور اب پلیز آرام کریں ڈاکٹر نے آپ کو زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔" اس کا گول مول انداز اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ اس موضوع پر ان سے قطعی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ تب ہی وہ حد درجہ بے بسی کے تکلیف دہ احساس میں گھر کر پلکیں موندھ گئے۔ تو زرنیلا چپ چاپ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ ان سے کہہ ہی نہ سکی کہ اس کے دل میں ارش سے ہٹ کر کسی اور کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔ ارش کی جگہ کسی اور کا محض تصور ہی اسے بن موت مارنے کو کافی تھا پھر وہ حقیقت کی دلدل میں کیسے اتر جاتی؟ ننھی رمشا کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ کب کی مر چکی ہوتی۔

پھر وہ تو ایک لکھاری تھی کہ جس نے ہمیشہ اپنی کہانیوں میں عورتوں کو باوفا اور مردوں کو ہر طریقے سے بے وفا ہی ثابت کیا تھا۔ جس کا یہ کہنا تھا کہ سچی محبت کرنے والے کبھی پہلے پیار کو دل سے بھلا کر کسی دوسرے کا ہاتھ نہیں تھامتے پھر اب وہ خود ہی کیسے خلاف چلی جاتی اپنے لفظوں کے؟ لوگ کیا کہتے دوسروں کو نشانہ بنانے والی خود بھی اسی غلطی کی مرتکب ہو گئی۔ کتنی توہین ہوتی اس کی سچی محبت کی؟ کتنے سوال اٹھتے اس کی ذات پر؟ کیا وہ یہ سب برداشت کر سکتی تھی' شاید کبھی نہیں' تب ہی تو وہ اتنی اکیلی رہ گئی تھی۔ ارش سے اپنی محبت کو سچا ثابت کرنے کے لیے اس نے تا عمر جو تنہا زندگی بسر کرنے کا عہد کیا تھا وہ اس عہد پر ہر حال میں ہر مشکل میں پورا اترنا چاہتی تھی۔

مگر وقت اور تقدیر تھے کہ اسے توڑ دینے پر جھکانے پر تلے ہوئے تھے۔ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی اس شخص کی مدد لینا پڑ رہی تھی جو اس کے دل میں ارش کا مقام پانا چاہتا تھا ہر جگہ' ہر طرف' دل کے نہ چاہتے ہوئے بھی نظر اسے دیکھ رہی تھی جو جانے کس جذبے کے تحت اس کی مدد کرنے پر تلا ہوا تھا۔

اس روز وہ اسپتال سے گھر واپس آئی تو ارش کی تصویر سامنے رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"ارش! دیکھو آج تمہاری زرین تمہارے بن کتنی بے بس ہوگئی ہے۔ ارش میں کیا کروں؟ کیسے جیوں تمہارے بغیر؟ یہ لوگ کیوں چاہتے ہیں کہ میں تمہیں بھلا کر مسکرانا سیکھ لوں۔ نہیں ہے یہ میرے بس میں۔" وہ جب بھی کسی بات سے ہرٹ ہوتی تھی تو یونہی ارش کی تصویر سے ہمکلام ہو جاتی تھی۔ جیسے وہ اس کی پکار سن رہا ہو۔ اس کے بالکل قریب بیٹھا اس کی ڈھارس بندھا رہا ہو۔ اس سے ماں کی انمول ممتا کی بھی چھنی تھی جنہیں وہ دن میں کئی کئی بار یاد کر کے رو پڑتی تھی۔ سسر کے روپ میں دوست جیسے ہمدرد مہربان احسن صاحب کی شفقت سے بھی محرومی ملی تھی جن کی موت نے اسے دکھ سے نڈھال کر دیا تھا مگر ارش کا غم سب سے بڑھ کر تھا جو وہ سہار نہ پا رہی تھی۔ زندگی ابھی ان تین مہربان ہستیوں کو کھو کر ہی حقیقی معنوں میں جینا نہ سیکھ پائی تھی کہ اچانک ہی اس کے نازک کندھوں پر ریاض صاحب کی اچانک موت کا صدمہ بھی آ پڑا اور وہ غم کی شدت سے جیسے پاگل ہی تو ہوگئی۔ اسپتال کی بے جان دیواروں سے لپیٹ کر جو وہ روئی تو کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس کے دکھ پر نہ بھیگی ہو۔

ابھی کل ہی تو وہ اسے سمجھا رہے تھے۔ اپنی زندگی میں کسی کا ہاتھ تھام لینے کی نصیحت کر رہے تھے اور آج فقط ۱۴ گھنٹوں کے بعد ہی وہ اس سے منہ موڑ گئے۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں اس نے خدا سے ان کی صحت یابی اور درازی عمر کے لیے مگر اس کی کوئی دعا مستجاب نہ ہو سکی تھی۔ زندگی نے ایک مرتبہ پھر اسے درد کی دلدل میں تنہا دھکیل دیا تھا اور اس مرتبہ بھی وہ کسی سے دل کا دکھ نہ کہہ سکی۔ کوئی بھی تو نہ تھا جو اسے متاع کل کی طرح اپنی بانہوں میں سمیٹ کر تسلی و حوصلہ دیتا۔ اپنی انگلیوں سے اس کے بکھرتے آنسو چنتا اور اسے ہر فکر و غم سے مبرا رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہتا کہ "میں ہوں ناں۔"

مگر اب اس کی زندگی میں ایسا کوئی بھی اپنا نہیں رہا تھا۔ پورے دو دن وہ ہلکتی رہی۔ زندگی کے اس آخری رشتے کے بھی چھن جانے پر روتی رہی مگر کسی نے اس کے آنسو نہیں پونچھے کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ نہ روئے۔ رمشہ تمام وقت سنوان کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ ننھی سی بچی ماں کو یوں بری طرح بلکتے دیکھ کر سہم گئی تھی۔ تب ہی اس کے قریب نہ آئی' ریاض صاحب کی تمام الوداعی رسومات' سنوان آفندی نے ہی ادا کیں۔ زرنیلا کو تو خود اپنا ہوش نہیں تھا پھر وہ ان ذمے داریوں کا کیسے خیال کرتی؟

سنوان کو اس کے یوں بے دردی سے بہتے آنسو بہت تکلیف دے رہے تھے مگر وہ ایسا کوئی اختیار نہیں رکھتا تھا کہ اسے آنسو بہانے سے روک سکتا۔ سو چپ چاپ بے بسی سے دیکھتا رہا۔

پے در پے صدمات نے کیسے اس دل کش سی لڑکی کو اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے دیکھ کر کون یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی انا پرست سی مغرور حسینہ ہے جو کبھی نظر اٹھاتی تھی تو سامنے والے کا دل لوٹ لیتی تھی۔ اب بدلتے وقت نے کیسے اس کے چہرے پر اداسیوں کو رقم کر دیا تھا۔ کیسے زردیاں گھول دی تھیں۔ ان شفاف جھیل سی آنکھوں میں جنہیں دیکھ کر وہ اپنی زندگی کا یقین پاتا تھا۔ ان امریں لبوں سے مسکراہٹیں کیسے بے وفا دوستوں کی طرح روٹھ گئی تھیں جن پر کبھی ہنسی کے جلترنگ بجا کرتے تھے۔ وہ اسے حوصلہ دینا چاہتا تھا۔ اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے بکھرے آنسو چن کر اس کا دکھ بانٹنا چاہتا تھا مگر افسوس کہ اس کے پاس اس قسم کا کوئی اختیار نہیں تھا۔

ریاض صاحب کی وفات کے تیسرے دن زرنیلا کی بڑی خالہ لاہور آئیں مگر ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آگے اتنی بڑی قیامت ان کی منتظر ہوگی۔ بہن اور داماد کی اچانک موت کا تو انہیں پتا چلا تھا اور وہ لاہور آئی بھی تھیں مگر اتنے تھوڑے عرصے کے بعد ہی بہنوئی بھی چلے جائیں گے۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکی تھی وہ تو یہاں ریاض صاحب اور مریم کو اپنے بڑے بیٹے کی شادی میں شرکت کی دعوت دینے آئی تھیں جس کی وجہ سے زرنیلا نے ان کا گھر چھوڑ کر ہوسٹل میں رہنا پسند کیا تھا مگر یہاں تو حالات ہی عجیب تھے نہ کسی نے انہیں خبر کی نہ اطلاع دی اور ریاض صاحب کی تدفین بھی کر دی۔ وہ زرنیلا سے اس درجہ بے پروائی پر جھگڑنا چاہتی تھیں مگر اس کا حال دیکھ کر ضبط کر گئیں۔ پھر دو تین دن اس کو سنبھالنے کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے پر بضد ہوگئیں تو زرنیلا نے بہت سہولت سے ان کے ساتھ چلنے پر معذوری ظاہر کر دی کیونکہ حالات ہی ایسے پیش آ گئے تھے کہ وہ یہ شہر چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔

اس کا بزنس مکمل طور پر فیل ہو گیا تھا اور اب قرض خواہ اسے مسلسل ٹارچر کر رہے تھے۔ وہ خوب صورت بنگلہ جہاں ارش کی کروڑوں یادیں بسی تھیں وہ نیلام کر دینے پر تل گئے تھے وہ حیران تھی کہ اس قدر صدمات میں گھر کر بھی وہ زندہ کیسے ہے؟ کیوں نہیں موت اپنا لیتی اسے؟

اس قدر ذلت اور رسوائی کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ دن بدن جینا جیسے مسلسل عذاب ہو رہا تھا۔

حادثہ کتنا بھی بڑا ہو ایک نہ ایک دن اس کی شدت کم ہو ہی جاتی ہے۔ کوئی بھی سانحہ کبھی نصیب میں لکھی سانسیں نہیں چھین سکتا۔ سو اس نے بھی ایک مرتبہ پھر رو دھو کر صبر کر لیا۔ اس کی خالہ اس سے ناراض ہو کر واپس چلی گئی تھیں اور وہ انہیں اپنی مجبوریاں بتا کر چند دن اور روک بھی نہ پائی۔

"ریاض ہاؤس جہاں اس نے جنم لیا تھا۔ جس کے در و دیوار میں اس کا بچپن چھپا تھا۔ اب ایکدم سے ہی کیسے ویران ویران سا لگنے لگا تھا۔ ویران تو شاید یہ اسی دن سے ہو گیا تھا جب

فاطمہ بیگم کی رحلت ہوئی تھی مگر اتنا خوف اُسے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ جتنا کہ اب آ رہا تھا۔ حالانکہ سنوان اب باقاعدگی سے ہر روز چکر لگاتا تھا۔ اسے اپنے خیال رکھنے کی ہدایت کرتا۔ ننھی رمشہ کے ساتھ ڈھیروں باتیں کرتا مگر اس کے اندر جو سناٹا پھیل گیا تھا وہ کسی طرح کم نہ ہوا۔ کبھی کبھی اس کا من چاہتا کہ وہ یہاں سب کچھ سمیٹ کر پیرس چلی جائے اور باقی کی زندگی وہیں بتا دے مگر جب اسے محسوس ہوتا کہ وہ کئی قسم کی زنجیروں سے بری طرح بندھی ہوئی ہے تو آپ ہی آپ یہ خواہش منہ لپیٹ کر سو جاتی قرض خواہ دن بدن اسے ستا رہے تھے اور وہ اتنی بے بس تھی کہ کسی سے مدد بھی نہ مانگ سکتی تھی۔

ننھی رمشا کو کئی دن سے بخار آ رہا تھا اور اس کے ناروا سلوک کے باعث گزشتہ پانچ چھ دنوں سے سنوان نے بھی ادھر کا چکر نہیں لگایا تھا۔ تب وہ اکیلی ہی اس کی انگلی تھام کر اسپتال کی طرح چل پڑی کہ خود سے فون کر کے بلوانا تو اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ سڑک سے ہی کوئی ٹیکسی لے کر وہ اسپتال چلی جائیگی اور واپس بھی اسی ٹیکسی سے آ جائے گی مگر افسوس کہ سڑک پر دور دور تک کسی ٹیکسی کا کوئی نام ونشان تک نہ تھا اور پیدل چلنا اس پھول سی بچی کے لیے ممکن نہ رہا تھا جو پہلے ہی بخار میں جل رہی تھی۔ اس کے پاس اس وقت اتنے بھی پیسے نہ تھے کہ وہ اسے کسی قریبی پرائیویٹ ڈاکٹر سے چیک کروا کے دوا خرید لیتی اور یہاں قریب کوئی پرائیویٹ کلینک تھا بھی نہیں۔ تب ہی مجبوراً اسے اسپتال کی راہ لینی پڑی تھی۔ رمشا بخار کی شدت سے نڈھال بار بار خشک لبوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور زرنیلا کی نگاہیں سخت بے بسی کے عالم میں دور دور تک کسی رکشہ ٹیکسی وغیرہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔ تقریباً آٹھ دس منٹ کے بعد ایک رکشہ اس سے قدرے فاصلے پر آ کر رکا۔ تو وہ رمشا کو وہیں چھوڑ کر بھاگتی ہوئی اس رکشہ تک پہنچی اور رکشہ ڈرائیور سے اسپتال چلنے کی درخواست کی رکشہ ڈرائیور اس وقت دوپہر کا کھانا کھانے کے موڈ میں تھا۔ لہٰذا بڑی مشکل سے ڈبل کرائے پر چلنے کے لیے آمادہ ہوا۔ وہ اس کی شکریہ ادا کرتی ابھی واپس پلٹی ہی تھی کہ اسی دوران ایک تیز رفتار گاڑی زن سے آئی اور بڑی بے دردی کے ساتھ رمشا کا ننھا سا وجود کچلتے ہوئے بنا رکے آگے بڑھ گئی۔ زرنیلا کی آنکھیں تو پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کن قدموں پر دوڑ کر وہ رمشا کے قریب آئی اور اس کا خون سے لت پت ننھا وجود بانہوں میں بھر کر چلا اٹھی۔

پل کے پل میں ہی ڈھیر سارے لوگ وہاں جمع ہو گئے اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں رمشا کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال کر اسپتال روانہ ہو گئے۔

چلڈرن اسپتال کے کوریڈور میں ہی اسے سنوان نظر آ گیا۔ تو وہ بے اختیار ہی دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔

''سنوان...... مم...... میری بچی...... اس کا بہت زبردست ایکسیڈنٹ ہوا ہے پلیز...... اسے بچا لو، اسے بچا لو پلیز...... مم...... میرے پاس کھونے کے لیے اب کچھ بھی نہیں بچا ہے۔ مم...... میں اسے کھونا نہیں چاہتی، پلیز اسے بچا لو۔'' اس کا بازو تھام کر وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی تو حیرت سے گنگ سنوان نے اس کے رف حلیے سے نظر چرا کر کچھ ہی فاصلے پر وہ منا سا خون میں تربتر وجود دیکھا جواب خود اسے بے حد عزیز ہو گیا تھا۔

ایک شخص نے اسے بازوؤں پر اٹھایا ہوا تھا اور کچھ لوگ اس شخص کے اردگرد کھڑے تھے۔ بجلی کی سی تیزی سے وہ رمشا کی طرف بڑھا۔ پھر اس کا سرسری معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹرز کو فوری آپریشن کا بندوبست کرنے کا حکم دے دیا۔ گو اس کی ڈیوٹی یہاں اس اسپتال میں نہیں تھی۔ وہ تو یہاں اتفاقی طور پر اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا مگر کیسی ٹریجڈی درپیش آ گئی۔ سنوان کی ریکوسٹ پر رمشا کو فوراً ایمرجنسی وارڈ میں داخل کر دیا گیا۔ مگر زرنیلا کے دل کو کسی پل قرار نہ ملا۔ سو وہ یونہی روتی بلکتی رہی۔ سنوان ضروری کاموں سے فارغ ہو کر اس کے پاس آیا تو وہ حسب عادت بری طرح رو رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ چڑ سا گیا۔ مگر یہ موقع اسے ڈانٹنے کا نہیں تھا۔ سو نرمی سے بولا۔

''پلیز زریں یوں ہر وقت آنسو بہانے سے کچھ حاصل نہیں بہتر ہے کہ تم خدا سے رمشا کو صحت اور لمبی عمر کے لیے دعا مانگو۔'' اپنے طور پر اس نے بڑی اچھی نصیحت کی تھی مگر زرنیلا تو تڑپ اٹھی۔

''کوئی میری صدا سننے والا نہیں ہے۔ میں اس دنیا میں بالکل اکیلی ہوں بالکل اکیلی۔'' رندھے ہوئے گلے کے ساتھ وہ کس کرب سے بولی تھی۔ سنوان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

''تم اکیلی کہاں ہو زریں، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ تمہارے دکھ بانٹنے کے لیے اور ہمیشہ یونہی تمہارے ساتھ رہوں گا۔'' اسے شانوں سے تھام کر وہ اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔ تو زرنیلا ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے پھر سے رو پڑی۔ تب سنوان نے بڑے استحقاق سے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

''سنوان، میری بچی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ورنہ میں بھی اس کے ساتھ ہی مر جاؤں گی۔'' تھوڑی ہی دیر میں آنسو پونچھ کر وہ نم لہجے میں بولی۔ تو سنوان نے اس کے سرد ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا زریں، خدا کی ذات پر بھروسہ رکھو۔'' بے حد نرم لہجے میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اسے زمین سے اٹھا کر اپنے ایک دوست کے پرائیویٹ روم میں بٹھایا

اور اپنے ہاتھوں سے اسے پانی پلا کر رمشا کی کنڈیشن کے بارے میں معلومات لینے کے لیے ڈاکٹر جاوید ہاشمی کی طرف آ گیا۔

صد شکر کہ رمشا اب مکمل طور پر خطرے سے باہر تھی۔ اسے زیادہ تر بیرونی چوٹیں ہی آئی تھیں۔ لہٰذا خطرے والی کوئی بات نہیں تھی۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد اسے ہوش آیا تو زرنیلا دیوانہ وار اس کے کمرے کی طرف لپکی اور اسے سینے سے لگا کر پاگلوں کی طرح چومنے لگی۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ اس کی زندگی میں صرف ارش سے جدائی کا دکھ ہی ناقابل برداشت ہے مگر یہ عقدہ تو ابھی پچھلے چند گھنٹوں میں اس پر کھلا تھا کہ اس کے لیے رمشا کو کھونے کا تصور بھی بالکل موت کے برابر تھا۔ تب ہی تو اسے ہوش میں آتے دیکھ کر اس کی ناہموار سانسیں اپنے اعتدال پر آ گئی تھیں۔ اس کا ستا ہوا منہ ننھے ننھے ہاتھ چومتے ہوئے وہ ممتا کی ماری ایک ایسی ماں لگ رہی تھی جس کی زندگی کا مقصد ہی فقط اولاد کے لیے جینا ہو۔

زندگی کے ان تکلیف دہ لمحات میں بھی اسے ارش کی شدت سے یاد آئی اور وہ ایک مرتبہ پھر اپنے آنسوؤں پر بند نہ باندھ سکی۔ رمشا اسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر واپس آئی تو وہ پہلے سے زیادہ توجہ سے اس کا خیال رکھنے لگی۔ آفس تو اس کا کب کا لاکڈ ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ آج کل گھر پر ہی تھی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اذیتیں تھیں کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اسے عدالت کی طرف سے نوٹس مل گیا جس میں تحریر تھا کہ یا تو وہ تین دن کے اندر اندر خود پر لاگو قرضہ ادا کر دے نہیں تو ان کے بنگلے کی نیلامی کر دی جائے گی۔

مصیبتوں نے اس کے گھر کا راستہ دیکھ لیا تھا اور اب پے در پے اس کو درپیش آ رہی تھیں۔ کہاں تو ارش سے شادی کے بعد وہ پھولوں میں نہا گئی تھی۔ خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھول کر غم نام سے یکسر لاعلم ہو گئی تھی اور کہاں اب ارش کے بغیر آنسو تھے کہ کسی پل اس کی آنکھوں کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ایک مصیبت ٹلتی نہیں تھی کہ دوسری گلے پڑ جاتی۔

اس روز اسے اپنی بدنصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رونا آیا۔ اس قدر آنسو بہے کہ آنکھیں ایک دم سے خشک ہو گئیں۔ سنوان شہر سے باہر تھا۔ لہٰذا وہ اس کی طرف چکر نہیں لگا سکا۔ وہ شہر میں ہوتا تب بھی زرنیلا کم از کم اس سے جھولی پھیلا کر ہمدردی کی بھیک مانگنے کا تصور نہیں رکھتی تھی۔

وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے قدم قدم پر اس کی مدد کی تھی۔ اس کی بیٹی کی جان بچانے میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ لہٰذا وہ اس کی احسان مند تھی مگر اس سے شادی کرنے یا اپنے دکھ اس سے شیئر کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تب بہت مجبور ہو کر ہی اس نے مریم کا نمبر ڈائل کر ڈالا مگر وائے نصیب کہ وہ لوگ لندن سے نیویارک شفٹ ہو چکے تھے اور اس کا نیا نمبر

زرنیلا کے پاس نہیں تھا۔

ہر طرف سے قسمت کے چکروں میں الجھ کر اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا کہ اب وہ مصیبتوں اور دکھوں سے لڑتے لڑتے ہار گئی تھی۔

وہ بنگلہ جس کی ہر ہر دیوار ارش اور اس کے پیار کی راز دار تھی۔ جہاں اس نے بہت سے خوب صورت دن ارش کے ساتھ بتائے تھے۔ آج وہی اس کے پیار کا ضامن گھر نیلام ہونے جا رہا تھا اور وہ بے بسی کی انتہا پر کھڑی محض تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اس میں اتنا حوصلہ ہی نہ رہا تھا کہ آخری بار جا کر وہاں ڈھیر سارا رو لیتی۔

نہ جانے کتنی ہی دیر وہ یونہی سسکتی رہی اور سسکتے سسکتے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسے کچھ خبر نہ ہو سکی۔

نیند کی وادی میں پہنچتے ہی اس نے ارش کو دیکھا جو سلکی بالوں پر سفید ٹوپی پہنے مسجد سے نماز پڑھ کر آ رہا تھا مگر اس سے شدید خفا تھا۔ وہ اسے مناتی رہی ناراضگی کی وجہ پوچھتی رہی مگر ارش نے اس سے بات تک کرنا گوارہ نہیں کی تب اسے پتا چلا کہ ارش اس سے کیوں ناراض ہے؟ اس نے خواب میں ہی نماز چھوڑ دی تھی اور جب ارش کو اس بات کا پتا چلا تو وہ اس سے خفا ہو گیا۔ پھر روٹھے لہجے میں بولا۔

''زریں میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ میری بیٹی میں میری جان ہے۔ میں اس کی آنکھ میں کبھی آنسو نہ دیکھوں مگر آج وہ ہم دونوں کے پیار کے لیے رو رہی ہے اور تمہیں اس کی خبر تک نہیں؟ زریں میں نے اپنی بچی کے لیے کتنے خوب صورت خواب دیکھے تھے مگر ان کو تعبیر بخشنا میری قسمت میں نہیں تھا۔ اسی لیے میں اتنی جلدی تمہاری زندگی سے نکل گیا مگر تم تو زندہ ہو زرنیلا تم تو اسے وہ خوشیاں دے سکتی ہو۔ جو میں نہیں دے پایا پھر تمہیں کیوں ہر چیز سے بڑھ کر اپنی ضد پیاری ہو گئی ہے۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میری بچی زندگی بھر آنسو بہاتی رہے اور میں ہمیشہ یونہی بے چین رہوں تمہیں تو بہت پیار ہے ناں مجھ سے؟ تو پلیز میری بیٹی کو وہ خوشیاں لوٹا دو جس کی وہ حق دار ہے۔ اس کی زندگی ابھی سے آنسوؤں کی نذر مت کرو پلیز زریں کیا تم مجھے کچھ نہیں دے سکتیں؟''

وہ بہت مایوس سے لہجے میں کہہ رہا تھا اور زرنیلا عجیب ندامت میں گھری دکھ سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھ کھلی تو پورا وجود پسینے سے تر بتر تھا۔ دل کی دھڑکن معمول سے کہیں بڑھ کر تیز تھی۔ آج پہلی مرتبہ ارش مرنے کے بعد اس کے خواب میں آیا تھا اور اسے اتنے طویل عرصے کے بعد خواب میں ہی دیکھ کر اس کا دل پھر سے بے قابو ہونے لگا۔ آج سے سات سال قبل وہ اس کا

الوداعی رخصتی انداز نگاہوں کے کینوس پر ابھرا اور وہ تڑپ اٹھی آنکھوں میں آپ ہی آپ آنسو بھر آئے اور وہ وہیں بیڈ پر دونوں ہاتھ جوڑے خدا کے حضور سجدے میں گر گئی۔

اس بزرگ و برتر سے خفا ہو کر بھلا دل کو قرار کہاں ملا تھا مگر دکھ کے ان تکلیف وہ لمحات میں شیطان اس پر حاوی ہو گیا تھا اور وہ اس کے کہنے میں آ کر بہک گئی۔ کتنی ہی دیر اس پاک و بے نیاز سے گڑگڑا کر اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگنے کے بعد وہ رمشا کے کمرے کی طرف آئی۔ تو قدم دروازے کی چوکھٹ پر جم گئے۔ اندر کمرے میں نڈھال سی رمشا' ارش کی تصویر کو چومتے ہوئے رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔ اس کا تو دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ لپک کر وہ اس کے قریب پہنچی اور اس کا منا سا وجود اپنی بانہوں میں چھپا کر جونہی اس کے گال چومے وہ سسکیاں بھرتے ہوئے معصومیت سے بولی۔

''مما! میرے پاپا کیوں نہیں آئے مجھے اتنی زیادہ چوٹ لگی مگر پاپا پھر بھی مجھ سے ملنے کے لیے نہیں آئے۔ کیا وہ مجھ سے پیار نہیں کرتے مما؟ شیری کو ذرا سی چوٹ لگی تھی مگر سنی انکل کتنے پریشان ہو گئے تھے مگر میرے پاپا...... مما پلیز آپ مجھے ان کا فون نمبر دیں ناں میں خود ان سے بات کرتی ہوں۔ میں انہیں بتاؤں گی کہ ہم انہیں بہت مس کرتے ہیں۔''

وہ اپنی ہی رو میں بولے جا رہی تھی اور زرنیلا عجیب خالی خالی سی نگاہوں سے اسے پٹا پٹ بولتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے کیسے بتاتی کہ تقدیر نے ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلا ہے؟ کتنی بڑی محرومی لکھ دی ہے اس پھول سی معصوم بچی کے نصیب میں کہ جسے ابھی تک یہ بھی نہیں پتا تھا کہ اس کے پاپا اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اب کبھی لوٹ کر نہیں آ سکتے۔

''بولیے ناں مما میرے پاپا کب آئیں گے؟'' وہ اب آنسو پونچھ کر اسے خیالات کی دنیا سے ہوش میں لانے کی سعی کر رہی تھی۔ تب ہی جھنجوڑتے ہوئے بولی تو زرنیلا دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر وہیں بیڈ پر اس کے بالکل سامنے بیٹھ گئی اور دھیمے لہجے میں بولی۔

''تمہارے پاپا اب کبھی نہیں آئیں گے مشی کیونکہ وہ اب اس دنیا میں زندہ نہیں ہیں۔ تم مجھ سے ہمیشہ پوچھتی ہو ناں کہ تمہارے پاپا کہاں ہیں؟ تو آج سن لو تمہارے پاپا اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں اور اللہ میاں کے پاس جا کر کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔ اس لیے اب پاپا کا انتظار کرنا بند کر دو بیٹے اور اللہ میاں سے دعا کرو کہ وہ جنت میں انہیں بلند مقام دے اور ہاں آج یہ بھی جان لو کہ تمہارے پاپا تمہیں دنیا میں سب کے پاپا سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔ انہوں نے ہی اللہ میاں سے تمہیں مانگا تھا۔ اب تم ان کے لیے دعا مانگو اوکے۔'' بہت ٹوٹا ہوا شکستہ لہجہ تھا اس کا مگر اس کے لہجے سے زیادہ ٹوٹ پھوٹ تو ننھی رمشا کی آنکھوں میں تھی۔ جو کس قدر بے یقینی سے اپنی

ماں کو بولتے ہوئے سن رہی تھی۔ ننھے سے دل پر پل کے پل میں ہی کیسی بجلی گری تھی کہ وہ زرنیلا سے لپٹ کر اور شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی سارے ارمان سارے خواب ساری خوشیاں کسی کانچ کے برتن کی طرح ٹوٹ کر بکھر گئیں وہ تکلیف وہ حقیقت جو زرنیلا نے پچھلے سات سالوں تک اس سے چھپائی تھی آج نہ چاہتے ہوئے بھی رمشا کی سماعتوں میں انڈیلنی پڑی کہ آخر ایک نہ ایک دن تو اسے حقیقت کا پتا چلنا ہی تھا؟ تو پھر ابھی کیوں نہیں امیدیں جتنی زیادہ بڑھ جائیں پھر ان کے ٹوٹنے کی تکلیف بھی اتنی ہی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

دروازے پر نہ جانے کب سے بیل ہو رہی تھی۔ وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔ تو دروازہ کھولنے کا خیال آیا باہر کوئی اجنبی چہرہ کھڑا تھا جو غالباً کوریئر سروس کا نمائندہ تھا کیونکہ اس کے ہاتھوں میں ایک خوب صورت گفٹ اور خط تھا جو اس نے زرنیلا کے دروازہ کھولنے پر اس کے حوالے کیے اور اس کے سائن لے کر یہ جا وہ جا۔ وہ قدرے حیران حیران سی خط اور گفٹ لے کر اندر آئی۔ پھر گفٹ ٹیبل پر رکھ کر خط چاک کیا تو نظر موتیوں سی خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں اُلجھ گئی جس میں لکھا تھا۔

''زریں سب سے پہلے تو تمہیں رمشا کا جنم دن بہت بہت مبارک ہو۔ پلیز میری طرف سے اسے وش ضرور کرنا ورنہ وہ مجھ سے بہت خفا ہو گی اور میں کم از کم اپنی گڑیا کی خفگی افورڈ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد میں تمہیں اسی خط کے ساتھ تمہارے بنگلے کے حتمی حقوق بھی بھجوا رہا ہوں' جس کی کل نیلامی ہونا تھی۔ اب یہ بنگلہ تم سے کوئی نہیں چھین سکتا کیونکہ یہ تمہاری اور تمہارے ارش کی خوب صورت یادوں کا مسکن ہے۔ اس بنگلے کی نیلامی تمہیں بہت دکھ دیتی اور میرے ہوتے ہوئے تم دکھی رہو' ایسا کبھی ہو نہیں سکتا سو رمشا کی برتھ ڈے کے خوشی بھرے موقع پر وہ خوب صورت گفٹ تمہیں لوٹا رہا ہوں اس اعتراف کے ساتھ کہ میں نے قطعی تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے حقیقت میں ارش کے چلے جانے کے بعد تمہاری حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہارے آفس مینجر نے یہ تمام کارروائیاں کیں اور اسی نے کچھ اور کرپٹ لوگوں سے مل کر تمہیں اس حال تک پہنچایا۔ بینک سے بڑے اماؤنٹ پر پیسے نکالنا تمہاری کم علمی کا فائدہ اٹھا کر تم سے زیادہ سے زیادہ دولت ہتھیانا اور تمہارے لندن وزٹ کے دوران پیچھے سے تمہارے بزنس کو مکمل طور پر ٹھپ کرنا۔ سب اسی کی کارستانی تھی خیر میں نے اس سے سب کچھ اگلوا کر اسے قانون کے حوالے کر دیا ہے۔ اب تمہیں کسی قرض کے لیے پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے اکاؤنٹ میں پہلے کی طرح پیسے ڈیلور ہو گئے ہیں۔ اس لیے اب تم چاہو تو فارن کنٹری جا سکتی ہو۔

ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر تمہیں جب کبھی کسی مدد کی ضرورت

پیش آئے۔ تم پلیز صرف ایک بار مجھے آواز ضرور دینا میں دنیا میں جہاں بھی ہوا سر کے بل دوڑتا ہوا تمہارے پاس چلا آؤں گا کیونکہ میں نے زندگی میں سب سے بڑھ کر صرف تمہیں چاہا ہے زریں اور ہمیشہ چاہتا رہوں گا باوجود اس کے کہ میری زندگی آج بھی صرف تمہارے وجود سے مرہون منت ہے آج بھی میں اپنے ماں باپ اور محبتوں سے محروم اپنے معصوم بچے کے ساتھ رہتے ہوئے بھی تمہیں شدت سے مس کرتا ہوں تمہارے لیے میری دُعا ہے کہ تم جس حال میں جہاں رہو ہمیشہ خوش رہو۔ میں جانتا ہوں زریں تم کبھی ارش کو بھول کر نہیں جی سکتیں۔ تمہاری ہر تحریر آج آئینہ بن کر تمہارے سامنے کھڑی ہے مگر میں پھر بھی صرف اتنا ضرور کہوں گا کہ جب خزاں کے موسم میں آندھی درختوں کے سارے پتے گرا دیتی ہے تو کیا درخت ان گرنے والے پتوں کے دکھ میں نئے پتے نہیں اگاتے؟ باوجود اس کے کہ تم نے مجھے اپنا دکھ شیئر کرنے کے قابل نہیں سمجھا میں تمہاری مدد کر رہا ہوں زریں۔ اگر تمہارے لیے محبت کی سچائی صرف اس کا محدود ہونا ہی ہے۔ تو یہ آج تک اتنی پھیلی کیوں ہوئی ہے؟ کیوں نہیں ختم ہو جاتی یہ؟ میری بات کو فرصت ملے تو سوچنا ضرور اور ہو سکے تو پلیز میرے تمام ناکردہ گناہوں کو معاف کر کے مجھے پرسوں ایئر پورٹ پر الوداع کرنے ضرور آ جانا کیونکہ میں اب مزید خود کو تمہارا عادی نہیں بنانا چاہتا سو وہاں واپس جا رہا ہوں جہاں میرے گھر والوں کو میرے واپس لوٹنے کا انتظار ہے۔ رمشا کو بہت سا پیار۔

ٹیک کیئر اور خدا حافظ

نیاز مند

سنوان آفندی

''وہ جوں جوں سنوان کی لکھی تحریر پڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے اندر سناٹے اترتے جا رہے تھے۔ کس قدر عجیب حقیقت تھی کہ محبتیں ہمیشہ اس کے در پر دستک دے کر گزرتی رہیں مگر اس نے کبھی محبتوں کے صحیح موسم میں ان کے لیے دل کا دروازہ وا نہیں کیا۔ نتیجتاً وہ ہمیشہ محبتوں کے لیے ترستی رہی مگر آج سوال اس کی ذات کا نہیں رمشہ کے مستقبل کا تھا۔ ایک عورت محبت کے بغیر بھی شادی کرتی ہے۔ کس کے لیے؟ صرف اپنے تحفظ کے لیے اپنے محفوظ مستقبل اور مردوں کے اس معاشرے میں سر اٹھا کر جینے کے لیے وہ داؤد ابراہیم سے نفرت کرتی تھی کیونکہ اس نے فروا سے عشق کے باوجود اس کے مرنے کے بعد کسی اور سے شادی رچا لی اور آج اسی مقام پر وہ خود کھڑی تھی۔ کیا اسے ارش سے عشق نہیں تھا؟ پھر بھی اسے سنوان کے بارے میں سوچنا پڑ رہا تھا۔ اپنی بچی کے محفوظ مستقبل کے لیے اس کا ہاتھ تھامنا پڑ رہا تھا اور یہی تو تقدیر ہوتی ہے۔ جو انسان کو وہ راستے اپنانے پر مجبور کر دیتی ہے جن پر وہ چلنا نہیں چاہتا۔ وہ پورا دن اور پوری رات سخت کرب کے عالم میں گزری۔ ارش کی جگہ کسی اور کو دینا اسے بہت تکلیف دہ لگ رہا تھا۔ مگر یہ تکلیف تو اب اسے

برداشت کرنا ہی تھی کیونکہ اب اسے ایک لڑکی بن کر نہیں بلکہ صرف اور صرف ایک ماں بن کر سوچنا تھا۔ دنیا والوں کے خوف سے ان کی کڑوی باتوں سے یکسر بے نیاز ہو کر اپنی بیٹی کو اس کا محفوظ مستقبل دینا تھا سو اسے سنوان کا ارسال کردہ برتھ ڈے گفٹ دیا تو اس وقت اس چھوٹی سی معصوم بچی کی خوشی دیکھنے کے لائق تھی۔

''مما یہ سنی انکل نے میرے لیے بھیجا ہے۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ تب ہی تو انہیں میرا برتھ ڈے یاد رہا مگر وہ آپ کے غصہ ہونے کی وجہ سے مجھ سے ملنے کے لیے نہیں آئے۔ مما آپ سنی انکل سے غصے کیوں ہوتی ہیں؟ وہ تو اتنے اچھے ہیں بالکل پاپا کی طرح مجھ سے پیار کرتے ہیں جب کہ آپ تو ان کے بیٹے سے اتنا پیار نہیں کرتیں حالانکہ جیسے مجھے اپنے پاپا بہت یاد آتے ہیں بالکل ویسے ہی اسے بھی اپنی مما کی بہت یاد آتی ہے مگر ہم دونوں کو ہی ممی پاپا کا ایک ساتھ پیار نہیں مل سکتا۔'' ننھے سے معصوم پر جوش لہجے میں نہ جانے کتنی ہی حسرتیں دم توڑ رہی تھیں۔ زرنیلا کا دل دکھ کی شدت سے بھر گیا۔ لپک کر اس نے رمشہ کو گلے سے لگایا۔ پھر اسے ڈھیر سارا پیار کرنے کے بعد جب اس کے کمرے سے باہر آئی تو اس کے شکستہ قدموں میں تھکن نمایاں تھی۔

اگلے کچھ ہی لمحوں میں اس کی کانپتی انگلیاں ڈاکٹر سنوان آفندی کی رہائش کا نمبر پریس کر رہی تھیں۔ دوسری طرف دو تین بیلوں کے بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

''ہیلو ڈاکٹر سنوان آفندی اسپیکنگ۔'' اس کی مدھر آواز جونہی ایئر پیس پر گونجی گم صم سی زرنیلا کا دل معمول سے کہیں بڑھ کر تیز چلنے لگا۔ ساری ہمتیں جواب دے گئیں۔

''زریں پلیز بولو ناں فون کیوں کیا ہے؟'' وہ سی ایل آئی پر اس کے نمبر دیکھ چکا تھا۔ تب ہی اس کی آواز سنے بغیر قدرے متفکر لہجے میں بولا۔ تو زرنیلا جیسے ہوش میں آئی۔

''سنی! کیا تم رک نہیں سکتے؟'' اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی۔ ادھر سنوان حیرت انگیز خوشی میں گھر گیا۔

''رک سکتا ہوں عمر بھر کے لیے رک سکتا ہوں' مگر کس کے لیے؟''

''مم...... میرے اور میری بچی کے لیے۔'' کس مشکل سے اس نے یہ جملہ ادا کیا تھا یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔

''کیا تم ارش کو بھلا سکو گی زریں؟'' وہ خوشی سے بے حال تھا مگر لہجے کو اس نے فی الحال شوخی سے پاک ہی رکھا ادھر زرنیلا کا دل جیسے ایک مرتبہ پھر کسی نے مسل کر پھینک دیا۔ تب ہی وہ بولی تو اس کے لہجے میں نمی نمایاں تھی۔

''ارش میری ذات کا ایک حصہ ہے سنی' میں چاہ کر بھی اس کی محبت کبھی اپنے دل سے

نہیں نکال سکتی مگر تم سے میرا وعدہ ہے کہ میں اس کی محبت کو کبھی تمہارے جذبات پر حاوی نہیں ہونے دوں گی۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ مکمل ایمانداری کے ساتھ۔ تمہارے لیے ایک اچھی بیوی تمہارے بچے کے لیے ایک اچھی ماں اور تمہارے ممی پاپا کے لیے ایک مثالی بہو بن کر تمہارے گھر میں رہ سکوں کیا تم مجھے اس کا موقع دو گے سنی؟'' اپنے گالوں پر لڑھکتے آنسو انگلی کی پور پر چن کر وہ ہر قسم کے احساس سے عاری لہجے میں بولی۔ تو دوسری طرف سنوان نے سرد آہ بھر کر پژمردہ سے لہجے میں کہا۔

''زریں یہ سچ ہے کہ میں نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے مگر تم میرے احسانوں تلے دب کر کوئی مجبوری کا فیصلہ کرو اور تا عمر اس کے لیے اداس رہو یہ مجھے قطعی گوارہ نہیں بولو تمہارا یہ فیصلہ یوں اچانک ہی میرے حق میں کیسے ہو گیا؟''

''میں نے کسی مجبوری میں یہ فیصلہ نہیں کیا ہے سنی بلکہ میں تھک گئی ہوں بہت دکھ اٹھائے ہیں میں نے۔ بہت ٹوٹ چکی ہوں میں' اک اپنی بیٹی کو محبتوں سے بھرپور ایک مکمل زندگی دینا چاہتی ہوں اور اس کے لیے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ بولو کیا تم میرا ساتھ دو گے؟''

''بالکل مگر اس کے لیے میری ایک شرط ہے۔'' دوسری طرف اس کا لہجہ خوشی سے بھرپور تھا مگر زرنیلا شرط کا سن کر بوکھلا گئی۔

''کیسی شرط۔'' اس کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ پر سنوان نے بڑا بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''بھئی یہی کہ اب تم کبھی یوں بے دردی سے آنسو نہیں بہاؤ گی اور ارش کو آنسو نہیں ۔۔ دعاؤں اور نوافل میں یاد رکھو گی۔''

''او کے۔'' سر جھکا کر اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ مگر دوسری طرف سنوان کی بھرپور کھلکھلاہٹ اسے واضح سنائی دی۔

''او کے میم تو پھر میں آ رہا ہوں بینڈ باجوں کے ساتھ خود کو میرا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لو کیونکہ پچھلے دس سالوں کی تڑپ کا قرض ایک ساتھ چکانا ہے۔''

شوخ لہجے میں بے حال وہ پٹڑی سے اتر رہا تھا۔ جب زرنیلا نے گڑبڑا کر ریسور کریڈل پر ڈال دیا۔ اور آنے والی بہار رُتوں کے بارے میں سوچ کر دھیمے سے مسکرا دی۔

اختتام